سوانح حضرت خواجہ محبوب اللہؒ

گلدستۂ تجلیات

۱۳۶۳ھ

مرتبہ

پیر طریقت حضرت مولانا حافظ سید محی الدین حُسینی القادری قدس سرہٗ

گلدستۂ تجلیات

شعر

باوضو گر پڑھو تو اچھا ہے
تذکرہ اس میں اہل بیت کا ہے

مرتبہ
سید محی الدین قادری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض ناشر

الحمدللہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی حبیبہ و محبوبہ

''گلدستۂ تجلیات'' بلاشبہ تجلیات وانوار الٰہی کا مرقعہ ہے۔ یہ ذکر الصالحین کفارۃ الذنوب کی ایک سبیل اور افروزیٔ ایمان کا ایک واسطہ ہے۔ ایک ایسی ذات بابرکت کے حالات پر مشتمل ہے جس کی پیدائش کا مقصد ہی شائد فرائض بندگی سکھانا تھا۔ جن پر پروردگار کی رحمتوں کی ایسی بارش رہی کہ آپ کے فیض یافتہ شموس زماں بن گئے۔

بعض تذکرہ نویس، بزرگوں کے حالات قلمبند کرتے ہوئے بھی مبالغات سے گریز نہیں کرتے اور اظہار عقیدت سمجھ کر ایسی باتیں جو دوسرے بزرگوں کی شان میں گستاخی بن جاتی ہیں یا دوسروں کی دل شکنی یا بے ربطی کا سبب بن جاتی ہیں شامل تذکرہ کر دیا کرتے ہیں۔ مگر یہ کتاب ایسی خامیوں سے بالکل پاک ہے۔ ہر جگہ ایسی باتوں سے احتراز فرمایا گیا ہے۔ حضرت مؤلف محترمؒ نے صرف معتبر حقائق ہی قبول فرمائے ہیں اور ان کے اظہار کے لئے بھی الفاظ کو بہت ناپا تولا ہے۔ گلدستۂ تجلیات کا پورا مواد صرف خداترس ذہنوں کا فیضان ہے۔ کوئی راوی بھی ایسا نہیں جو تہجد گذار نہ ہو یا جس پر مبالغہ گوئی کا گمان بھی کیا جا سکے۔ حضرت محبوب اللہؒ کے بڑے صاحبزادہ اور پہلے جانشین جن کے حالات بھی اسی میں مذکور ہیں آپ کی عادت شریفہ تھی کہ بدوران ناشتہ آپ کو کوئی پینے کے لئے پانی پیش کرے تو دریافت فرماتے کہ کیا تم نے تہجد کی نماز پڑھی؟ اگر اثبات میں جواب ملتا تو ان کے ہاتھ سے پانی قبول فرماتے ورنہ نہیں۔ جس گھر کی ایسی تعلیم رہی ہو یا جہاں خداترسی کا ایسا ماحول ہو ان افراد سے مبالغہ گوئی کا گمان بھی گناہ ہے۔

''گلدستہ تجلیات'' کے مؤلف میرے والد بزرگوار حضرت سید شاہ محی الدین حسینی قادری علیہ الرحمہ وہی بزرگ شخصیت ہیں جن کے متعلق بحرالعلوم مولانا عبدالقدیر صدیقی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

حافظ قاری سید جیّد - کیسے نیک صفات

آپ حضرت محبوب اللہ کے پوترے اور تیسرے جانشین ہیں۔ سن ۱۳۲۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۴۰۶ھ میں وفات پائی۔ آپ نے اس کام کے آغاز اور انجام کی تفصیل پیش لفظ میں بیان فرمادی ہے۔ بہرحال اس گلدستہ کی پہلی اشاعت حضرت محبوب اللہؒ کے پچاسویں عرس کے موقع پر عمل میں آئی تھی۔

اس سال ۱۴۱۳ھ میں ذی قعدہ کے مہینہ میں حضرت کا سو ۱۰۰ واں عرس مبارک ہونے والا ہے۔ اس صدی کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔ غلامان خواجہ نے مختلف اُمور کی تکمیل کیلئے ایک کمیٹی تشکیل دی ہے۔ تقاریب کا آغاز ہو چکا ہے۔ اسی سلسلہ میں چند کتب کی اشاعت کا فیصلہ بھی کیا گیا جن میں حضرت محبوب اللہ کی تالیف ''زادِ آخرت'' کی دوبارہ اشاعت بھی طے پائی جو زیر طبع ہے۔ اسی طرح حضرتؒ کا دیوان ''افکارِ غیب'' جو ایک عرصہ سے نایاب ہے وہ بھی زیر اشاعت ہے۔ سب سے پہلے ہم حضرت کے حالات کی یہ تازہ اشاعت پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

مرور زمانہ کے ساتھ حضرت کی کرامتوں کا علم بھی سمندر کی طرح وسعت لے چکا ہے مگر اس گلدستہ کو صرف خداترس اشخاص کے ذہنی فیضان سے اختصاص ہے اسی لئے بعینہ طبع کروایا جارہا ہے۔ اگرچہ کہ اس کے اور بھی ایڈیشن نکل چکے مگر طبع اول کی کتابت اور صحت کے سبب سے مداح ہیں۔ محبان محبوب اللہ نے کن کن کیفیات میں اس کی عبارت کو ملاحظہ فرمایا ہے نہیں معلوم، کہ آج بعض حضرات کا کہنا ہے کہ اس سے استخارہ کیا جائے تو صحیح رہنمائی بھی ہوتی ہے۔ اللہ اکبر اس لئے اشاعت اول کی فوٹو کاپی لے کر تازہ اشاعت پیش کی جارہی ہے[1]

---

[1] صد سالہ عرس شریف کے موقع پر کی گئی طباعت میں فوٹو کاپی لی گئی تھی لیکن بعض دیگر ضروریات کے پیش نظر اس مرتبہ کمپیوٹر کتابت کروائی گئی ہے (ناشر)

جو حضرات اس اشاعت میں مصروف خدمت ہیں اللہ پاک انھیں جزائے خیر دے اور خواجہ سرکار کے فیضان سے مالا مال کرے اور عوام کو اس سے استفادہ کی توفیق دے۔ آمین۔

آخر میں اُن حضرات کی خدمت میں جو اس کتاب کا مطالعہ فرمانے کا ارادہ رکھتے ہیں، حضرت قبلہ علیہ الرحمہ کے اس شعر کو پھر یاد دلانا چاہتا ہوں جو اس کتاب کے ٹائیٹل پر درج ہے:

تذکرہ اس میں اہل بیت کا ہے ۔۔۔ باوضو گر پڑھو تو اچھا ہے

خادم بارگاہ محبوبی

سید محمد صدیق حسینی عارف قادری

المرقوم ۱۹/ جمادی الاول ۱۴۱۳ھ

فہرست مضامین

O-O-O

حمد ونعت

تمام تعریف اس خدائے قدوس کوسزاوار ہے جس نے انسان ضعیف البنیان کوعقل وعلم سے سرفراز فرما کردولت عرفان سے مالا مال کیا۔لاکھوں صلوٰۃ اور کروڑوں سلام اس ذات قدسی صفات پر جس نے عبد سے معبود کا رشتہ قائم فرمادیا۔

ہزاروں رحمتیں ان ہادیان دین مبین وسالکان شرع متین پر جنھوں نے گم گشتگان راہ کومنزل مقصود دکھائی۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سیدنا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ
واتباعه السالكين الى يوم الدين

O-O-O

حمد ونعت

تمام تعریف اس خدائے قدوس کو سزا وار ہے جس نے انسان ضعیف البنیان کو عقل وعلم سے سرفراز فرما کر دولت عرفان سے مالا مال کیا۔ لاکھوں صلوٰۃ اور کروڑوں سلام اس ذات قدسی صفات پر جس نے عبد سے معبود کا رشتہ قائم فرما دیا۔

ہزاروں رحمتیں ان ہادیان دین مبین و سالکان شرع متین پر جنھوں نے گم گشتگان راہ کو منزل مقصود دکھائی۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سیدنا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ واتباعه السالكين الى يوم الدين

O-O-O

دیباچہ

خدا کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں۔ بل یداہ مبسوطتٰن ۔جس کو چاہتا ہے من مانے دیتا ہے۔ینفق کیف یشاء ۔میں بتاؤں گا کہ ہمارے زمانہ میں بھی کانک قد خلقت کما تشاء کا ایک جانشین تھا۔ ہماری خوش بختی کہ اس کا فیض صحبت ہم کو بھی نصیب ہوا۔ وہ کون ہے؟ سیدی و سندی حبیبی سید محمد صدیق حسینی قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنہ

سیادت: حیدر آباد تو کیا ہے عربستان کے لوگ بھی ان کی سیادت کو تسلیم کرتے تھے۔

عالم ہونا: سب کو معلوم ہے کہ وہ بہت بڑے عالم تھے۔ ان کی ابتدائی تعلیم مولوی زماں خاں صاحب شہیدؒ کے پاس مسیح الزماں صاحب کے ساتھ ہوئی تھی۔ مولوی نیاز محمد صاحب بدخشانی رحمۃ اللہ علیہ سے تکمیل فرمائی۔ آپ نہایت کثیر المطالعہ تھے۔ والد مرحوم فرماتے تھے میں نے اپنے کتب خانہ کی تمام کتابوں کا مطالعہ نہیں کیا۔ ہمارے کتب خانہ کی تمام کتابوں کا خواجہ میاں یعنی حضرت نے مطالعہ کیا ہے۔ خود حضرت کے کتب خانہ میں ہر قسم اور مختلف فنون کی کتابوں کا کافی ذخیرہ تھا۔ حضرت سید عمر صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی عالم تھے۔ اور یہ فقیر بھی کچھ پڑھا لکھا ہے۔ مگر جب ہم حضرت کے سامنے جاتے تو معلوم ہوتا کہ ہم کچھ نہیں جانتے۔

حفظ: آپ حافظ قرآن بھی تھے اور نہایت اچھے قاری بھی۔ محراب میں بھی قرآن سناتے تھے۔ حافظہ کا یہ عالم کہ جو لوگ مرثیہ خوانی میں گئے ہیں وہ بتائیں گے کہ گھر آنے کے بعد کسی کو مصرعے دو مصرعوں سے زیادہ یاد نہیں رہتا۔ مگر حضرت نے ایک دفعہ میر انیس کا مرثیہ سنا تو کئی بند آکر سنا دیے۔

ادب: حضرت کی عربی۔ فارسی۔ اُردو تینوں زبانیں اچھی تھیں۔ ان کا عطا کیا ہوا

خلافت نامہ۔ان کی نظم ونثر اس امر پر شاہد عدل ہیں۔

شاعری: مولوی شمس الدین صاحب فیض کے شاگرد تھے۔شاعری کی یہ حالت کہ ایک دفعہ مشاعرہ ہوا۔(۷۰) مطلع اور (۳۰۰) شعر کہہ دیئے۔

طب: ہمارے حضرت علم طب میں حکیم رضا علی صاحب کے شاگرد تھے۔ پتوں کو جوش دے کر اس کے پانی سے علاج کی ایجاد بھی آپ نے فرمائی تھی۔آخر میں معالجات کو چھوڑ کر تعویذ دینے لگے۔ چلیپہ کے تعویذ گویا آپ کی ایجاد ہے اور اس وقت ہزاروں کو اس سے فائدہ پہنچ رہا ہے۔

خوشنویسی: آپ کے ہاتھ کے قطعے اب بھی موجود ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ اعلیٰ درجہ کے خوشنویس بھی تھے۔فارسی خط میں باقر صاحب کا تتبع فرماتے تھے۔

سپہ گری: اس خاندان پاک میں یہ امتیاز خاص تھا۔جوانی میں سات سو ڈنڈ کرتے تھے۔ تیرتے بہت اچھا تھے۔بندوق کا نشانہ نہایت اچھا لگاتے تھے۔

حج: آپ نے ایک سفر مبارک میں تین حج کئے اور دوسری دفعہ دوسرے سفر میں والد اور والدہ کے ساتھ ان کا یہ خادم بھی تھا۔اس وقت اس کی عمر ۷ یا ۸ سال کی ہوگی۔

حُسن: حسنِ صورت وسیرت کا کیا کہنا۔جس نے ان کو ایک بار دیکھ لیا۔پھر وہ صورت سامنے سے ہٹ نہ سکی۔زہد وتقویٰ کا کیا پوچھنا۔حضرت سے اشراف علی الخواطر اور خوارق عادات اس کثرت سے ہوتے تھے کہ کسی واقعہ کو دیکھ کر کسی قسم کا تعجب تک ہمکو نہیں ہوتا تھا۔یعنی خرق عادت ہمارے پاس عادت معلوم ہوتا تھا۔

تفصیلی حالات کے لئے حضرت کی سوانح عمری دیکھئے جو حافظ سید محی الدین حسینی صاحب قادری کی لکھی ہوئی اور میری دیکھی ہوئی ہے۔میرے خیال میں ان کا مابہ لامتیاز ہمیشہ تحت امر رہنا،اور قرب فرائض میں جاگزیں ہونا ہے۔دوام حضور تو ان کا خاصہ تھا۔ایک دفعہ آسمان سے اولے برسے مسجد میں حضرت سید محمود مکی صاحب رحمۃ اللہ علیہ،فقیر اور دیگر حضرات

بھی تھے اولے کیا تھے، ایک سنگباری تھی کہ ہو رہی تھی۔ حضرت نے فرمایا ”تجھے معلوم ہے کہ میں نے پانی بھی بغیر تیرے حکم کے نہیں پیا۔ اب کیا کرتا ہے کر“ اور صحنِ مسجد میں نکل آئے۔ ژالہ باری فوراً موقوف ہوگئی۔

استخارہ سے کام کرنے والے حضرات، تحت امر رہنے والے، قرب فرائض کے مدعی، اپنے اپنے سینوں پر ہاتھ رکھیں، اور اپنے دل سے پوچھیں کہ کیا وہ بھی ایسے ہیں؟ یہ رحمت خاص کی جلوہ گری ہے۔ وَاللّٰہُ یختص بِرحمَتِہٖ من یشاء یہی فضل مولیٰ ہے۔ ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ اور یہی اس کا کرم وعنایت ہے جو بدرجہ غایت ہے۔ وَاللّٰہُ ذُوالۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ

اَعِدۡ ذِکۡرَ لُغۡمَانٍ اَنَّ ذِکۡرَہٗ
هُوَالۡمِسۡکُ مَا کَرَّرۡتَہٗ یتضوَّعُ

پرسی کرا خواہی از خیل بتاں جامؔی
چشمیت مرا آخر غیر از نہ تو کر اخواہم

نہیں ملتی تری صورت سے کسی کی صورت
ہم جہاں میں تری تصویر لئے پھرتے ہیں

۶/ذی الحجہ۱۳۶۳ھ
رکاب گنج

فقیر
محمد عبدالقدیر صدیقی

تقریظ

از حضرت علامہ مولانا شاہ محمد عبدالمقتدر صاحب صدیقی فضل مدظلہ العالی

الحمدللہ علی کرمہ واحسانہ کہ حضرت پیرومرشد سیدنا سید محمد صدیق حسینی محبوب اللہ کے سوانح حیات جو مطبوع قلوب تھے، مطبوع قرطاس بھی ہو گئے۔ کتاب کیا ہے (مطلع آفتاب خلق ۱۳۶۳ھ) ہے حضرت کا وجود باجود مجسم خلق تھا۔

کیوں نہ ہو حضرت کے جدامجد کی شان میں انک لعلی خلق عظیم نازل ہوا اور خلقہ القرآن کہا گیا۔ اچھوں کی ہر بات اچھی۔ محبوب کا ہر فعل محبوب۔ حضرت خلق کا خلق، خلق محمدی سے اشبہ تھا۔ میں نے کبھی حضرت کو غضبناک نہیں دیکھا۔ آخران کے پوتے تھے جن کی شان میں ولو کنت فظًا غلیظ القلب لَا انفضوا من حولک فرمایا گیا اس لئے حضرت سے دور ہونے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ بلا اجازت کوئی کام نہ فرماتے۔ بہت لوگ بیعت کرنے آتے اور اجازت نہ ملنے سے واپس کر دیئے جاتے۔ اہل دنیا سے تنفر اور دوری یہ حضرت کا خاصہ تھا۔ اشراف علی القلب حضرت کی عادت مستمرہ تھی۔ ماینطق عن الھویٰ کے پرتو خاص تھے۔

تیری صورت سے کسی کی نہیں ملتی صورت
ہم جہاں میں تیری تصویر لئے پھرتے ہیں

مجھے حیدرآباد میں بہت سارے مشائخین سے ملاقات تھی۔ ہندوستان میں کئی مقامات کی سیر کی، عراق گیا، حجاز گیا، مگر جب حضرت کا خیال آتا تو یہی بے ساختہ زبان سے نکلتا:

آفا قہا گردیدہ ام مہربتاں در زیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

حضرت کا ہر کام لاجواب، ہر بات نرالی۔ ایک دفعہ میرے والد ماجد نے مجھے ایک

کتاب دے کر فرمایا کہ یہ کتاب تمہارے ماموں (حضرت پیر و مرشد) کو دے کر کہو کہ یہ کتاب مصر سے آئی ہوئی ہے آپ دیکھئے۔ حضرت نے دوسرے یا تیسرے روز میرے ہاتھ سے واپس فرمادی اور ارشاد فرمایا کہ میں نے پوری کتاب دیکھ لی۔ غالباً وہ عربی کتاب مطبوعہ مصر دو سو اور تین سو صفحات کے درمیان ہوگی۔ وقت ملاقات حضرت سے والد نے فرمایا کہ ''کیا آپ نے فلاں فلاں بیان دیکھا؟ تو حضرت نے اکثر مقامات کی عربی عبارت سنادی۔ حضرت والد ماجد فرماتے تھے کہ تمہارے بڑے ماموں کا حافظہ خداداد ہے۔

حضرت اور حضرت کے برادروں کی جب عرب عزت کرتے تھے۔ ایک حبیب صاحب کہا کرتے تھے ''ہند کے سادات کا اعتبار نہیں، یونہی سید بن جاتے ہیں۔ ایک دفعہ انہی حبیب صاحب نے خواب میں دیکھا کہ ایک بہت بڑی مجلس ہے اور ایک طرف ایک حجرہ ہے اس میں حضرت سیدة النساء علیها و علی ابیها الصلوٰة و السلام تشریف فرما ہیں اور وہ حبیب صاحب سلام عرض کر کے مصافحہ کر رہے ہیں۔ حضرت سیدۃ النساء فرماتی ہیں ''میرا بچہ وعظ کر رہا ہے سنو'' حبیب صاحب پلٹ کر دیکھتے ہیں تو حضرت وعظ فرما رہے ہیں۔ صبح میں حبیب صاحب نے حضرت سے مصافحہ کر کے زانو چوما اور خواب عرض کیا۔ حضرت نے فرمایا ''تم بھی یقینی سید ہو جو حضرت سیدہ سے مصافحہ کیا''۔

حضرت کا سنہ تولد چراغ ہند (۱۲۶۳ھ) میں ہے اور سنہ وصال چراغ مدینہ (۱۳۱۳) اور حضرت کی عمر شریف (محبّ ۵۰) سے ظاہر ہوئی ہے۔

ایک دفعہ ایک صاحب جن کو مشاہیر علماء و مشائخین کے سوانح لکھنے کا شوق تھا، حضرت کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ آپ کا سنِ ولادت کیا ہے؟ حضرت نے فرمایا: ''چراغ ہند'' اُنھوں نے تھوڑے غور کے بعد عرض کیا کہ آپ کی پاک ہستی ''چراغ جہان'' ہے۔ سبحان اللہ! کیا اچھی اور سچی بات کہی۔

حضرت کے حالات اگر سچ سچ میں لکھ دوں تو سب لوگ کہیں گے اپنے پیر کی محبت میں مبالغے سے کام لیا ہے۔ حالانکہ بالکل واقعہ ہے ع

کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

مگر سنے کون اور باور کرے کون ۔ایسی بات جوان کی عقل سے پرے ہے۔اسی واسطے جناب مولف صاحب نے لومۃ لائم سے بچنے کے لئے نہایت مختصر لکھا بلکہ ہزار میں سے ایک بھی نہیں لکھا اور بہت اچھا کیا تکملوا الناس علیٰ قدر عقولهم ۔اس شخص کی باتیں کیا لکھی جائیں جو عقل سے وراء الوراء ثم وراء الوراء ہیں۔

آدم کو ملک کہتے تھے کیا خاک بنے گا
سمجھے نہ کہ سرتا قدم ادراک بنے گا

مگر آہ،افسوس صد افسوس کہ۔

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم بہار آخر شد

جدائی سے خدا محفوظ رکھے موت آسان ہے
برا صدمہ ہے عاشق کا جدا ہوجانا دلبر سے
(فضل)

تَقرِیظ

از مولانا سید محمد بادشاہ حسینی صاحب قادری معتمد مجلس علماء دکن

الحمدلله الذی جعلنا امة التوحید وجعل دیننا دین التوحید واعزمن استقام منا علی التوحید وهوالغفور الودود ذولعرش المجید فعال لمّا یرید . والصلوٰة والسلام علیٰ خیر خلق الله سیدنا محمد خاتم انبیائہٖ ورسله الذی بعثه بتوحید الالوهیة والربوبیة وعلیٰ اٰله وصحبهٖ اجمعین واتباعهٖ الیٰ یوم الدین۔

امابعد اگر صحیح ہے اور لاریب صحیح ہے کہ قیامت تک حق تعالیٰ اس دین مبین کی حفاظت کا کفیل ہے تو یقیناً اس عالم شہادت اور عالم اسباب میں مسبب الاسباب ذرائع مہیا فرماتا ہے اور کسی حال اپنے دین متین کی حفاظت کا سامان درست فرماتا ہے۔ جہاں جہاں اہل غلو وفساد نے سر اُٹھایا اور دین متین کو دھکا پہنچانا چاہا وہیں قدرت کاملہ نے ایسے لوگوں کو شکست دینے اور ان ظلمتوں کو محو کرنے کیلئے ایسے ایسے اہل ہمت وورع پیدا کیا جو دین محمدی کے سرسبز باغوں کو ہر قسم کے آفات سے محفوظ کرتے ہیں۔حق یہ ہے کہ والله متم نورهٖ ولو کرہ الکافرون کا وعدۂ الٰہی انھیں نفوس قدسیہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے ذریعہ پورا ہوا۔آج سے کامل ایک صدی قبل یعنے بارہ سو ترسٹھ (۱۲۶۳ھ) اس اسلامی ریاست حیدرآباد میں سادات حسینیہ کے خاندان سے ایک حامی شریعت وطریقت کے گھر اللہ کا ایک محبوب جلوہ فرما ہوتا ہے جس کا نام نامی اسم گرامی ''سید محمد صدیق'' رکھا جاتا ہے، جس کو سارا زمانہ ''محبوب اللہ'' کے لقب سے یاد کرتا ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب کہ نواب ناصرالدولہ آصف جاہ رابع سریر آرائے سلطنت ہیں۔اس وقت کا حال یہ ہے کہ امراء اپنی امارت میں مست ہیں تو علماء کی زبانیں اظہار حق سے ساکت وصامت، مکہ مسجد مصلیوں سے خالی ہے، میکدے آباد ہیں، بدعات کا زور ہے، ہر

طرف شور وشر برپا ہے۔ دارالسلطنت کے مساجد نوحہ کناں ہیں مساجد اضلاع وتعلقات کا حال تو نا قابل بیان ہے۔

مجالس شادی و بیاہ کا ذکر ہی کیا۔ بزرگانِ کرام کے اعراس کا یہ حال ہے کہ جا بجا طوائف گا رہی ہیں، ناچ ورنگ ہیں، العیاذ باللہ۔

بعض نام نہاد مشائخ عظام مبتلائے آلام ہیں۔ نہ شریعت کی انھیں پرواہ نہ طریقت سے انھیں کام۔ بزرگوں کی گدیوں کے گدی نشین ہیں۔ نہ علم ہے نہ عمل۔

ادھر امراء کا یہ حال کہ نشہ میں چور، قمار بازی، بلبل بازی، پتنگ بازی سے انھیں فرصت کہاں کہ کسی موذن کی اذاں پر کان دھریں۔

بہر حال غیرت الٰہی کو جوش آیا، حسب ارشاد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ واصحبہ وسلم اس چودھویں صدی ہجری نبوی پر ایک مجدد کی جلوہ فرمائی ہوئی۔ جس نے اس اسلامی سلطنت کو حقیقی معنی میں اسلامی سلطنت بنا دیا، سوتے ہوؤں کو جگا دیا۔ انھیں دینِ حق کا پیغام سنایا، علماء کو ان کے فرائض کی طرف متوجہ فرمایا۔ امرائے سلطنت کو خواب گراں سے بیدار فرمایا۔ کلال خانہ ومیکدے ویران ہوئے، مساجد آباد ہوئیں۔ مختصر یہ کہ خدا سے بھاگے ہوئے بندے پھر خدا کے سامنے سجدہ ریز ہوئے۔ علماء کو اسی ذات مبارک سے اگر استفادہ ہوا تو امراء بھی حضرت خواجہؒ کے فیض وبرکت سے تائب وطاہر ہوئے۔ گوشہ نشین عرفا نے اپنے میں ایک نئی معرفت ونئی زندگی محسوس کی:

بہار عالم حسنش دل و جاں تازہ میدارد
برنگ اصحاب صورت رابہ بو ارباب معنی را

پچاس سال کے بعد حضرت ہی کے نبیرہ عزیزم مولوی حافظ قاری سید شاہ محی الدین حسینی صاحب قادری حنبلی سلمہ اللہ کو حق جل مجدہٗ ان کے جد امجد کے فیوض سے مالا مال فرمائے کہ آپ نے نہایت تحقیق ومحنت کے ساتھ حضرت خواجہؒ کی سوانح پاک جمع فرما کر وابستگان خواجہؒ کی تسلی کا سامان فراہم کردیا۔ جزاہ اللہ عنا احسن الجزاء حق یہ ہے کہ حضرت ہی کے فیض

اتم سے آج اس اسلامی سلطنت میں اسلامی زندگی کے آثار نمایاں ہیں:

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم
چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

عطار کی زبان سے مشک کی مدح وتوصیف اس کی قدر وقیمت بڑھاتی نہیں اور گھٹا دیتی ہے۔ عطار ہٹا جاتا ہے مشک حاضر ہے بے تکلف مشام جان کو معطر فرمائیں۔

۱۹/ ذی قعدۃ الحرام ۱۳۶۳ھ

O-O-O

پیش لفظ

تاریخ ہی اقوام وافراد کے حالات معلوم کرنے کا ذریعہ ہوتی ہے۔سیرت ہی کے ذریعہ سے کسی کے صحیح طرز زندگی، رابطہ خاص وعام کا پتہ چلایا جاسکتا ہے۔

بزرگان دین کی صحبت اوران کی معیت (جس کے حصول کے متعلق قرآن مجید میں صاحبان تقویٰ کو کونوا مع الصادقین سے حکم فرمایا گیا) جس طرح مفید ہے اسی طرح ان کا تذکرہ ان کے حالات کا مطالعہ انسانی خیالات کی اصلاح میں مدومعاون ثابت ہوتا ہے۔اسی بناء پر اکثر بزرگان دین وہادیان شرع متین نے انبیاء عظام،اولیاء کرام کی سیرت کو ہمیشہ اپنے مطالعہ میں رکھا اور اپنے متبعین کو اس کے مطالعہ میں رکھنے کی بطور خاص تاکید فرمائی تا کہ وہ اس کو دیکھیں اوران کی طرز زندگی پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کریں۔

حضرت قبلۂ عالم عبدالقادر ثانی سیدی ومرشدی خواجہ سید محمد صدیق علی حسینی قدسنا اللہ سرہ الخفی والجلی کے حالات وواقعات اس کے مقتضی تھے کہ ان کو دنیا کے سامنے پیش کیا جائے تا کہ دیکھنے والی آنکھ دیکھے اور سمجھنے والے دماغ سمجھیں کہ اُسوۂ حسنہ نبوی ﷺ کی پابند، کن کالمیت فی یدالغسال کے حکم کی عامل،بدعات کا قلع قمع کرنے والی،اور ولا یخافون لومة لائم کی مثال ایسی ہستیاں ہوتی ہیں۔

حضرت کے حالات رحلت سے آج برابر نصف صدی کے بعد اس وقت شائع کرنے کی سعادت حاصل کی جارہی ہے جبکہ حضرت کے فیض صحبت سے مستفید شدہ بہت سے اصحاب نے اس دارفانی سے عالم جاودانی میں انتقال فرمایا۔بہت سے واقعات ان کے سینوں ہی میں رہ گئے۔تاہم اس وقت اس آفتاب معرفت سے اکتساب نور کیے ہوئے ہیں جن بزرگوں کی صحبت خوش نصیبی سے ہم کو میسر ہوئی ان سے جس قدر بھی واقعات مل سکے ان کو یکجا کر کے پیش کیا جارہا ہے۔

اس اہم فریضہ کی تکمیل کا اس سے پیشتر بعض بزرگوں کو بھی خیال آیا چنانچہ حضرت عم محترم مولانا عبدالمقتدر صاحب صدیقی مدظلہٗ نے اس کام کی ابتداء فرمائی تھی مگر دیگر مصروفیات کی وجہ سے تکمیل نہ ہوسکی۔ من بعد حضرت خواجہ محبوب اللہ قدس سرہٗ کے داماد استادی حضرت قاری محمد عبدالعزیز صاحب صدیقیؒ نے سنداً واقعات کو جمع کرنا شروع کیا اور بہت سے واقعات جمع بھی فرمائے تھے۔ ابھی اس کی تکمیل نہ ہوسکی تھی کہ رحلت فرمائی جب اس ناچیز نے اس اہم فریضہ کی تکمیل کا محض خدا کے فضل اور حضرت خواجہؒ ہی کے کرم کے بھروسہ پر بیڑہ اُٹھایا تو استادی مرحوم کے اس مجموعہ کی بیحد تلاش کی گئی مگر افسوس کہ وہ دستیاب نہ ہوسکا۔

آغاز کار

یوں تو اس کام کی تکمیل کا شوق اس وقت سے پیدا ہوا جبکہ اوائل عمر میں حضرت قبلہ مدظلہٗ اُردو میں املا لکھواتے اور املا میں اکثر حضرت خواجہ محبوب اللہ قدس سرہٗ کے حالات لکھوایا کرتے تھے۔ جب کچھ شعور پیدا ہوا تو جس کسی سے کوئی نیا واقعہ سنا اس کو نوٹ کرنا شروع کیا۔

آج سے تخمیناً پندرہ سال قبل چند افراد خاندان کی جماعت نے جو، پانچ چھ اصحاب پر مشتمل تھی (جن میں عم محترم مولانا سید شاہ محمد صدیق صاحب محمودی رمز بھی تھے) اس اہم کام کی تکمیل اور اس کے طریق کار پر غور کیا اور طے پایا کہ ہر صاحب ایک ایک عنوان کے تحت واقعات جمع کریں۔ عم موصوف نے ''حضرت کی شاعری'' کا عنوان اپنے لئے منتخب کیا اور حسب وعدہ ایک فاضلانہ مقالہ تحریر بھی فرمایا ہے۔ جو اِسی کتاب کے ساتھ حصہ دوم کے نام سے شائع کیا گیا ہے۔ باقی اصحاب سے ان کی بعض مجبوریوں کے تحت وعدہ کی تکمیل نہ ہوسکی۔ سب کام اسی ناچیز کے سپرد ہوا۔ میں نے کام کا آغاز تو کردیا لیکن بعد میں اس کی اہمیت سے قدم ڈگمگائے اور ہمت کچھ پست سی ہوگئی تھی۔ کئی سال کام ملتوی رہا مگر حضرت قبلہ مدظلہٗ کے نظر فیض اثر نے (جس کا کام ناتوان کو توانا بنانا ہے) مدد کی ڈگمگائے قدم کو ہاتھ تھام کر منزل مقصود تک پہنچایا۔ چنانچہ بہت سے واقعات حضرت قبلہ مدظلہٗ نے خود لکھوائے ہیں۔

بہر حال بمصداق اس کے کہ ''ایں سعادت بزور بازو نیست'' حضرت ہی کے فیضان

اور دعاؤں کا نتیجہ ہے کہ اس کام نے یہ صورت اختیار کی اور معرفت کے ان پھولوں کا گلدستہ میری بساط کے مطابق گوناگوں کمزوریوں سے پر ہی تیار ہو گیا۔ اس کا تاریخی نام بھی حضرت کے حالات کے مناسبت سے ''گلدستۂ تجلیات'' (۱۳۶۳ھ) حضرت قبلہ مدظلہٗ ہی نے منتخب فرمایا ہے جس سے سنہ طباعت بھی نکلتا ہے۔ اس تذکرہ میں اس کا لحاظ بھی رکھا گیا ہے کہ جو واقعہ جس کسی سے سنا گیا ان کے نام کی صراحت کر دی جائے اور لکھے جانے کے بعد وہ واقعہ راوی صاحب کو دکھایا سنا دیا گیا تا کہ صحت کا مزید اطمینان حاصل ہو۔

اس مجموعہ کی اکثر روایتیں حسب ذیل بزرگوں سے کی گئی ہیں اور ان حضرات نے تمام مسودہ کو ملاحظہ بھی فرمایا ہے۔

۱۔ حضرت قبلہ مدظلہ العالی۔

۲۔ عم محترم استادی حضرت علامہ مولانا محمد عبدالقدیر صاحب صدیقی مدظلہٗ۔

۳۔ عم محترم حضرت علامہ مولانا محمد عبدالمقتدر صاحب صدیقی مدظلہٗ۔

۴۔ جناب مولانا شرف الدین صاحب قادری۔

مذکورہ الصدر حضرات کے علاوہ عم محترم حضرت مولانا سید محمد بادشاہ حسینی صاحب قادری وعم محترم حضرت مولانا سید شاہ محمد صدیق صاحب محمودی نے بھی تمام مسودہ ملاحظہ فرمایا ہے۔

مفصلہ بالا حضرات کے علاوہ بعض دوسرے اصحاب سے بھی لی ہوئی چند روایتیں اس مجموعہ میں شامل ہیں۔ وہ اصحاب بھی ایسے ہی ہیں جنھیں حضرتؒ کا فیض صحبت نصیب ہوا تھا۔ میں نے بذات خود ان سے یہ روایتیں سنی تھیں اور کافی تحقیق کے بعد اس میں درج کی ہیں۔ اس طرح سلسلۂ روایت کہیں بھی ایک یا شاذ مقامات پر دو سے زیادہ نہیں ہے۔ اکثر و بیشتر روایت میں نے بچشم خود دیکھنے والے حضرات ہی سے لی ہے اور اس میں بھی اس امر کا لحاظ رکھا ہے کہ جہاں تک ہو سکے راوی کے الفاظ ہی میں اس کو ادا کروں۔ مصرحۂ صدر حضرات کے علاوہ اور جن سے روایت لی گئی ہے وہ حسب ذیل ہیں۔ یہ بھی حضرتؒ سے راست مستفید ہوئے اور مدتوں حاضری کے برکات حاصل کیے ہیں۔

۱۔ جناب غلام محی الدین صاحب بیجاپوری مرحوم

۲۔ جناب عبدالحلیم صاحب مرحوم

۳۔ جناب عبداللہ صاحب جوکلی

۴۔ جناب روشن علی صاحب

۵۔ جناب خواجہ محمود صاحب مرحوم

۶۔ منشی شیخ مدار صاحب

۷۔ دارالشفاء والی بی بی صاحبہ مرحومہ

اس مجموعہ کو تین حصوں پر تقسیم کیا گیا ہے۔

حصہ اول: حضرت خواجہ محبوب اللہ صاحب قدس سرہٗ کے حالات

حصہ دوم: حضرت کی شاعری جس کو عم محترم مولانا سید شاہ محمد صدیق صاحب محمودی نے تحریر فرمایا ہے۔

حصہ سوم: ضمیمہ حیات یعنی مختصر حالات حضرت سیدی سید شاہ محمد عثمان حسینی صاحب قبلہ قدس سرہٗ۔

حصہ اول میں حضرت کی اولاد اور حضرت کے خلفاء کے حالات میں غیر معمولی طور پر اختصار سے کاغذ کی قلت کی وجہ سے کام لیا گیا ورنہ خیال تھا کہ ان حضرات کے حالات کو بھی قدرے تفصیل کے ساتھ پیش کیا جائے۔ خیر! اگر زندگی باقی رہی اور حالات نے اجازت دی تو ان شاء اللہ ہم آئندہ اس خیال کی تکمیل کریں گے۔

طباعت کا مرحلہ

اس مسودہ کی تیاری کے بعد طباعت کا کام شروع کرنے کا خیال ہی تھا کہ جنگ کا آغاز ہوگیا۔ ہر شئے گراں تر ہوگئی اس لئے کار طباعت کو تاختم جنگ ملتوی کردینے کا خیال تھا لیکن حضرت قبلہ مدظلہٗ نے خدا پر بھروسہ کر کے آغاز کار کا حکم دیا۔ تعمیل حکم میں ماہ رمضان المبارک ۱۳۶۳ھ سے طباعت کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ اُمید تھی کہ حضرت کے اس پچاس سالہ عرس

شریف کے موقع پر یہ مبارک مجموعہ تیار ہو جائے گا لیکن کچھ کاغذ کی فراہمی میں دقتوں اور کچھ طباعت کے الجھاؤ سے غیر معمولی تاخیر ہوئی اور یہ اُمید پوری نہ ہو سکی۔

طباعت کے کام میں غیر معمولی عجلت کی وجہ سے خدا جانے کہاں کہاں کیا کیا غلطیاں باقی رہ گئی ہیں۔ گو حتی الامکان اس کو درست کرنے کی کوشش کی گئی ہے مگر اس کے باوجود بھی اگر کہیں کوئی غلطی باقی رہ گئی ہو تو براہِ کرم ناظرین کرام اس کی صحت فرمالیں۔

اس کارِ طباعت اور فراہمی کاغذ کے سلسلہ میں صاحبزادہ نواب میر محمد علی خاں صاحب معتمد ہائیکورٹ و نواب غلام محی الدین صاحب بانی زمرد محل کا ممنون ہوں کہ ان حضرات نے غیر معمولی مدد دی۔ فجزاھم اللہ عنا خیر الجزا۔

شکریہ

آخر میں اُن تمام بزرگوں کی خدمت میں ہدیہ تشکر پیش کرتا ہوں جنھوں نے میری استدعا پر مسودہ کو بطور خاص ملاحظہ فرمایا اور ان مخلصین کا بھی شکریہ ادا کیا جاتا ہے جنھوں نے کاروبار میں ہاتھ بٹایا۔ جناب مولوی عمر یافعی صاحب کا بھی بیحد ممنون ہوں کہ موصوف نے خاندانی حالات کے سلسلہ میں قدیم تواریخ سے فراہمی مواد میں میری ممکنہ امداد فرمائی۔

احقر العباد و خادم بارگاہ محبوبی

سید محی الدین قادری

۲۹ رذی الحجہ الحرام ۱۳۶۳ھ

قاضی پورہ شریف

حصہ اول

حالات

حضرت سیدنا عبدالقادر ثانی سید محمد صدیق خواجہ محبوب اللہ قدسنا اللہ بسرہ الجلی والخفی

مرتبہ خادم بارگاہ محبوبی

غلام سید محی الدین قادری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مختصر خاندانی حالات

نام ونسب

آپ کا اسم مبارک حضرت سید محمد صدیق حسینی قدس سرہ عرف خواجہ میاں تخلص خلق المخاطب من اللہ محبوب اللہ۔ آپ کی ولادت باسعادت ۲۹؍شعبان المعظم ۱۲۶۳ھ میں ہوئی۔ مادۂ تاریخ ولادت ''چراغ ہند'' ۱۲۶۳ھ ہے اور لطف یہ ہے کہ ''چراغ مدینہ'' ۱۳۱۳ھ سے سنہ وصال نکلتا ہے۔

آپ کے والد ماجد حضرت سید محمد پرورش علی المعروف بہ بادشاہ حسینی قبلہ قدس سرہٗ ابن حضرت سید حیدر علی قدس سرہٗ سے سلسلۂ نسب (۲۰) واسطوں سے حضرت سیدنا امام نقی بن سیدنا امام علی الرضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہنچتا ہے۔ اس طرح آپ سادات حسینیہ سے ہیں۔

ہندوستان بالخصوص دکن میں سادات میں اکثریت حسینیوں ہی کی ہے حسنی سادات بہت کم ہیں۔ بعض اہل عرب کا یہ خیال کہ ہندوستان میں سادات کا وجود ہی نہیں حقیقت پر مبنی نہیں۔ جس طرح اسلام روئے زمین پر گوشہ گوشہ میں پھیلا اسی طرح فرزندان اسلام اور آلِ سید الانام ﷺ بھی خطۂ زمین پر پھیلی، جہاں سہولت پائی قیام فرمایا اور وہی ان کا وطن قرار پایا۔ آج تک ان کی اولاد وہاں موجود ہے۔

عرب عام طور پر سادات کی بہت عظمت کرتے ہیں اس لئے عربستان سے اکثر سادات جن کو وہ حبیب کہتے ہیں، آتے تو مقدم جنگ مرحوم جمعدار عروب کے ہاں جن کی دیوڑھی حضرت کے دولت سرا کے پاس ہی واقع ہے قیام کرتے اور وہ بھی ان کے لئے بطور

خاص اہتمام کیا کرتے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ اس زمانہ میں ایک حبیب صاحب عربستان سے آئے ہوئے تھے۔ چونکہ جمعدار اور ان کے متعلقین حضرت خواجہ محبوب اللہ قدس سرہٗ کے نسبی اعتبار کے علاوہ آپ کے زہد وتقویٰ کی وجہ سے بھی بہت عظمت کیا کرتے تھے اس لئے نو وارد حبیب صاحب نے آپ کے متعلق استفسار کیا تو لوگوں نے جواب دیا کہ یہ یہاں کے حبیب ہیں۔ ان حبیب صاحب نے اپنے خیال کے مطابق نہایت تحقیر سے جواب دیا کہ ہندوستان میں حبیب کہاں سے آئے خیر واقعہ رفت وگذشت۔

رات حبیب صاحب مذکور نے خواب میں دیکھا کہ ایک وسیع مقام ہے جس کے ایک جانب حجرہ ہے، حجرہ پر چلمن لگی ہوئی ہے اور حضرت سیدۃ نساء العالمین رضی اللہ عنہا اس میں رونق افروز ہیں۔ ان حبیب صاحب نے سلام عرض کیا تو سلام کا جواب دیتے ہوئے حکم ہوا کہ بیٹھ جاؤ میں یہاں اپنے بچہ کا وعظ سننے آئی ہوں تم بھی سنو۔ یہ پلٹ کر دیکھے تو قریب میں ایک تخت بچھا ہوا دکھائی دیا جس پر حضرت خواجہ سید محمد صدیق محبوب اللہ قدس سرہٗ تشریف رکھے ہوئے وعظ فرما رہے تھے۔ جب یہ خواب سے بیدار ہوئے تو توبہ کی اور سب سے اپنا خواب بیان کیا اور فرمایا کہ وہ بیشک برحق سادات ہیں، میں غلطی پر تھا۔ چنانچہ اس روز سے خود وہ حبیب صاحب بھی حضرت کی بہت تعظیم وتکریم کرنے لگے۔

حضرت کے القاب

حضرت کو بذریعہ کشف دربار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم ودربار غوثیتؓ سے مختلف القاب محبوب اللہ، تاج الاولیاء، رحمۃ اللہ، برکۃ اللہ، ھبۃ اللہ، عبد القادر ثانی، اس طرح پچیس خطاب سرفراز ہوئے جنھیں آپ کے سلسلہ کے اکثر حضرات بطور وظیفہ روزانہ ورد رکھتے ہیں جس میں عجیب وغریب برکات ہیں۔ ہر اسم ایک خاص کیفیت کا پتہ دیتا ہے منجملہ اور خطابات کے عبد القادر ثانی کے خطاب سے متعلق روایت ہے کہ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ جب یہ خطاب مجھے دربار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے سرفراز ہوا تو میں پریشان تھا کہ اب میں کس طرح

حضرت پیرانِ پیر رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں حاضر ہوسکوں گا، کہیں مجھ پر عتاب نہ ہوجائے کہ اب تو برابری کا دعویٰ ہے۔ اس خیال نے مجھ پر اس قدر وحشت طاری کردی کہ اس کا اظہار ناممکن ہے۔ یکایک حضرت پیران پیر غوث الاعظم دستگیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ ارشاد فرماتے ہیں:

"خواجہ میاں! پریشاں کیوں ہوتے ہو مرید وہی ہے جو اپنے مرشد میں پوری فنائیت حاصل کرے"۔

اس عنایت کے ارشاد سے مجھے بے حد مسرت ہوئی اور تمام پریشانی جاتی رہی۔ اس واقعہ کی حضرت کے خلفاء و مریدین سے متعدد اصحاب نے روایت کی ہے، اس واقعہ پریشانی سے دو امور پر روشنی پڑتی ہے ایک تو پہلوئے ادب کہ سچ ہے۔ ؎

جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے

دوسرے فنائیت تامہ کے حقیقۃً حضرت کا دست حق پرست گویا حضرت پیرانِ پیر رضی اللہ عنہ کا دست مبارک ہے اور آپ کا وجود اِن کا وجود ہے[1]

ایسا فنا ہوں آپ میں یا شاہِ اولیاءؒ
سب بولتے ہیں صورت پیرانِ پیر ہے

اس کا مزید ثبوت واقعات اور حالات سے بھی ملے گا جس کو ہم نے اپنے اپنے مقام پر پیش کیا ہے۔ خوشا قسمت ان کے جن کو یہ دامن نصیب ہوا۔ فالحمد للہ علیٰ احسانہٖ۔

تذکرۂ اجداد

آپ کے جدِ اعلیٰ حضرت سید محی الدین قدس سرہٗ بعہد اورنگ زیب عالمگیر بغداد سے وارد ہندوستان ہوئے اور عرصہ تک آپ کا خاندان برہان پور میں مقیم رہا۔ اسی دوران میں دکن میں سلطنت آصفیہ کی بنیاد پڑ رہی تھی مگر دشمن ہر طرف سے گھیرے ہوئے تھے اور ہر وقت جدال وقتال سے سابقہ تھا۔ ان ہی کی سرکوبی کیلئے اطراف واکناف سے مسلمان بہادر افسر لئے جانے لگے۔ چنانچہ نواب میر نظام علی خاں بہادر نے حضرت کے جدامجد حضرت میر حیدر علی خاں صاحب

---

[1] ماخوذ از النور جلد ۳ نمبر ۹

کو برہان پور سے طلب فرمایا۔ آپ کے ساتھ پنج بھیوں[1] کا خاندان بھی وارد حیدرآباد ہوا۔ پنج بھیوں کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ان میں چار حقیقی بھائی حضرت زید شہید بن سیدنا امام زین العابدین کی اولاد سے تھے اور ایک ان چاروں کے دوست تھے جن سے نسبی کوئی تعلق نہ تھا لیکن آپس کے برادرانہ تعلقات و ربط وضبط کی وجہ پانچ بھائی سمجھے جاتے رہے اور پنج بھیوں کے لقب سے مشہور ہوئے۔ اس سے پہلے یہ برادران اسلام تخت دہلی کے ملازم اور اپنی شجاعت و جوانمردی میں شہرہ آفاق تھے۔ یہ حضرات سرزمین دکن میں قدم رکھتے ہی جنگ و جدال میں مصروف ہوگئے۔ فتح وظفر اِن کے ہمرکاب تھی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل اور ان مجاہدین کی سرفروشیوں سے دکن کی سرحدیں وسیع ہوگئیں۔[2] ہر طرف امن وامان قائم ہوگیا۔ اس فتح وظفر کی خوشی میں ان چھے ۶ بہادروں کے نام بڑے بڑے مناصب اجرا ہوئے۔ خان بہادر کے خطابات، سلحداریاں، عماریاں، میانے عطا ہوئے۔

حضرت میر حیدر علی خان صاحب کو نہ صرف شجاعت وراثتاً حصہ میں ملی بلکہ آپ آبائی علم وفضل کے بھی واحد وارث تھے، عربی فارسی کے جید عالم، نہایت متقی اور صاحب دل تھے۔ تھوڑے ہی عرصہ مین آپ کے علم وفضل کی دکن میں کافی شہرت ہوگئی۔ آپ کو ''سیادت پناہ''[3] کا لقب دیا گیا۔ قدیم کاغذات میں آپ کو ''میر حیدر علی خاں اکبر سیادت پناہ'' کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے چونکہ پنج بھیوں میں بھی ایک میر حیدر علی خاں گزرے ہیں جو چھوٹے میر حیدر علی خاں کے لقب سے ملقب تھے۔ ۲۰ر جمادی الثانی ۱۲۵۸ھ کو آپ واصل بحق ہوئے۔ آپ کا

مزارِ پُرانوار مقبرہ حضرت عبداللہ صاحب شہیدؒ قریب درگاہ حضرت برہنہ شاہ صاحبؒ میں واقع ہے۔حضرت عبداللہ صاحب شہید اور آپ کا مزار ایک ہی چبوترہ پر واقع ہے۔ایک روایت خاندان میں مشہور ہے کہ آپ کے اور حضرت عبداللہ صاحب شہیدؒ کے مزار کے درمیان میں کھڑے ہوکر جو دعا کی جائے اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرماتا ہے۔

والد ماجد

آپ کے بعد آپ کے صاحبزادہ حضرت مولانا حافظ حاجی میر پرورش علی المعروف سید محمد بادشاہ حسینی قدس سرہٗ المتخلص بہ شاہ آپ کے جانشین ہوئے۔آپ علوم عربیہ میں فرد فرید، فارسی کے اعلیٰ انشاء پرداز و شاعر تھے۔آپ کو فن تصوف و شعر و سخن سے خاص لگاؤ تھا،اس وقت آپ کی تصانیف سے مختلف علوم و فنون کے چند قلمی کتابیں غیر مطبوعہ اور تین دیوان مطبوعہ موجود ہیں۔

نواب افضل الدولہ بہادر کی شہزادگی کے زمانہ میں آپ ان کے اتالیق رہے۔من بعد جب آپ نے ارض مقدس حجاز کا سفر فرمایا اور روضۂ اطہر کی زیارت کا شرف حاصل کیا تو اس خدمت سے یہ کہہ کر مستعفی ہوگئے کہ:

”ایسی بڑی سرکار میں ہاتھ باندھنے کے بعد اب میں کسی اور کے سامنے ہاتھ باندھنا نہیں چاہتا“۔

آپ کے زمانہ میں دکن میں عربوں و حبشیوں کی کثرت تھی کیونکہ شاہانِ سلف کو انھیں فوج میں ملازم رکھنے کا بیحد شوق تھا۔چنانچہ یہاں کے سب سے بڑے جمعدار عبداللہ بن علی مدبر جنگ تھے جو قبیلہ عولق کے بڑے سرداروں میں سے تھے،اُس وقت ان کے ماتحتین و متعلقین کی صحیح تعداد کا علم مشکل ہے۔بعض اٹھارہ ہزار بیان کرتے ہیں اور بعض اس سے کم و بیش،محلہ قاضی پورہ کے جانب غرب میں پنج بھیوں کی اولاد مقیم تھی اور شمال مغرب میں سکھ قوم کی آبادی ترقی کرگئی تھی۔درمیانی حصہ میں عبداللہ بن علی مدبر جنگ مع عروب و حبوش مقیم تھے۔جس سے یہ حصہ عرب کا ایک خطہ نظر آتا تھا۔بہرحال اس وقت قاضی پورہ ان جنگجو اقوام

کا مرکز بنا ہوا تھا۔عرب اور پنج بھیوں کی اولاد حضرت سید محمد بادشاہ حسینی صاحب قبلہؒ سے خاص عقیدت رکھتی تھی۔ان میں سے بعض حضرت سے بیعت بھی تھے جب کبھی ان جنگجو اقوام میں فساد برپا ہو جاتا تو اس سے تمام تر شہر خطرہ میں پڑ جاتا۔ان میں باہمی تصفیہ کے لئے آپ ہی مقرر ہوتے اور ہر ایک فریق کو سمجھا بجھا کر فساد رفع دفع فرما دیتے۔

آپ نے اپنے وقت میں بہت سی ملکی خدمات بھی انجام دی ہیں۔آپ کے اخلاق بہت وسیع تھے۔قوم کی خدمت میں ہمہ تن مصروف رہتے۔آپ کے واقعات میں بیان کیا جاتا ہے کہ روزانہ ناشتہ فرما کر مکان سے تشریف لے جاتے۔شام کو مکان واپس ہوتے،دن تمام غرباء و مساکین کی خبر گیری فرماتے۔اگر کسی کے پاس کچھ کھانے کو نہ ہوتا تو اپنے پاس سے انتظام فرما دیتے،کسی کو سودے وغیرہ کی ضرورت ہوتی تو آپ لادیتے،غرباء و مساکین کی عیادت فرماتے،حکیم کے پاس خود جا کر دوا لاتے،انھیں پلاتے۔بہر حال ہر روز آپ کا اسی طرح بندگان خدا کی خدمت میں صرف ہوتا۔ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ آپ اِسی طرح بندگان خدا کی خبر گیری فرماتے ہوئے رات کے وقت مکان کو تشریف لا رہے تھے،راستہ میں ایک ضعیفہ چکی کا پاٹ لئے بیٹھی تھی اور اس کو اپنے گھر لے جانا چاہتی تھی۔چونکہ اندھیری راتیں تھیں راستہ پر اِس زمانہ کی طرح روشنی کا بھی کوئی خاص اہتمام نہ تھا،اس ضعیفہ نے آپ کو کوئی معمولی آدمی خیال کر کے استفسار کیا کہ’’میاں مزدوری کرتے ہو‘‘آپ نے فرمایا کہ’’اماں کیا ہے‘‘تو اس نے کہا کہ باوا میں اس چکی کو اپنے گھر لے جانا چاہتی ہوں اگر تم اس کو میرے گھر پہنچا دو تو میں تم کو اتنے پیسے دوں گی،آپ نے بہت خوب کہہ کر اپنے رومال کا چٹہ بنا کر ان چکی کے پاٹوں کو اپنے سر پر اُٹھالیا اور اس ضعیفہ کے ساتھ ہو گئے۔وہ ضعیفہ اپنے گھر پہنچی،مکان کے اندر جا کر آپ کو بلایا،چراغ سلگا کر جب چکی کا پاٹ اُتارا تو اس کو معلوم ہوا کہ چکی کے پاٹ لانے والے اس کے مرشد ہیں،فوراً قدموں پر سر رکھ کر رونا شروع کیا کہ حضرت آج مجھ سے بہت بڑا قصور ہو گیا۔للہ حضرت معاف فرمائیں تو آپ نے نہایت خندہ پیشانی سے اس ضعیفہ کے قصور کو معاف فرمایا اور فرمایا کہ اماں کیا ہرج ہے اگر میں تمہارا ایک کام کر دیا۔

اس قسم کے اور بہت سے واقعات ایسے ہیں جن کو جمع کیا جائے تو ایک مستقل کتاب کی صورت ہو جائے۔ سر دست اختصار پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ انشاء اللہ المستعان اگر وقت ملے اور خداوند عالم توفیق عطا فرمائے تو آئندہ ہم ان تمام واقعات کو یکجا کرنے کی کوشش کریں گے۔

بہر حال اس زمانہ کے طبقۂ علماء و مشائخین و مصلحین میں آپ کا اسم گرامی آفتاب کی طرح روشن تھا، سرزمین دکن میں وہ کون تھا جو آپ سے واقف نہ ہو اور دل سے عظمت نہ کرتا ہو۔

آپ عرصہ تک ارض مقدس حجاز میں بھی مقیم رہے ہیں جس کی وجہ مروجہ بول چال کی زبان بھی بلا تکلف استعمال فرماتے تھے۔ اکثر عربوں کی مجالس میں آپ کے مواعظ و خطبات عربی ہی میں ہوا کرتے۔ آپ کی مجالس وعظ میں کثرت سے لوگ جمع ہوتے تھے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ ربیعین شریف میں آپ بارہ دن اور گیارہ دن وعظ فرمایا کرتے۔ ان محافل وعظ میں سامعین اس قدر کثرت سے جمع ہوتے کہ مکان کافی نہ ہوتا۔

آپ صاحب کشف و کرامات بھی تھے، آپ کے کرامات کے متعدد واقعات مشہور ہیں منجملہ اس کے گیارہویں شریف کی نیاز سے متعلق ایک واقعہ بہت مشہور اور متعدد اصحاب سے مروی ہے۔ آپ کا خوراک بہت کم اور بالعموم دو وقت کھانا تناول فرماتے لیکن ماہِ ربیع الثانی میں بعض دفعہ ایسا بھی ہوا کہ ایک ایک دن میں آپ کو بیس بائیس دعوتوں میں جانے کا موقع ملا (کیونکہ مریدین کے پاس کی دعوت اور وہ بھی سال میں ایک مرتبہ بڑے خاص اہتمام سے کی جاتی اگر مرشد شریک نہ ہوسکیں تو ان کو بیحد ملال گزرتا ہے) ہر جگہ آپ نے کھانے میں شرکت فرمائی۔ اور حیران کن بات یہ ہے کہ سب سے پہلی دعوت میں آپ نے جس قدر کھانا تناول فرمایا سب سے آخر کی دعوت میں بھی اتنا ہی یعنی ہر شخص یہی سمجھتا رہا کہ حضرت نے میرے ہی پاس کھانا تناول فرمایا ہے۔

آپ کو بیعت و خلافت سلسلۂ قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، رفاعیہ میں اپنے خسر محترم قطب الہند حضرت مولانا میر شجاع الدین صاحب قبلہ قدس سرہٗ سے حاصل تھی۔

آپ کا وصال ۲۳ ر ربیع الثانی ۱۲۸۶ھ کو ہوا۔ سنہ وفات لفظ ''غفور'' ۱۲۸۶ سے نکلتا ہے۔ آپ روبرو مسجد النور مدفون ہوئے۔ آپ کو اولاد تو بہت ہوئی لیکن آپ کی رحلت کے وقت صرف چار صاحبزادے ایک صاحبزادی تھیں۔ جن میں سب سے بڑے حضرت سیدی محمد صدیق محبوب اللہ قدس سرہٗ ہی تھے جو آپ کے بعد آپ کے جانشین ہوئے۔

نوٹ: ہم نے ناظرین کی مزید واقفیت کے لئے حضرت کا مختصر شجرۂ خاندانی بھی اسی فصل کے آخر پر نقل کیا ہے، ملاحظہ فرمایا جائے۔

حضرت کا ننھیال

حضرت کی والدۂ ماجدہ حضرت میر عبداللہ صاحب شہیدؒ کی صاحب زادی اور قطب الہند حضرت مولانا میر شجاع الدین صاحب قبلہ قدس سرہٗ کی پوتی تھیں جن کے علم و فضل و کمال کا چرچہ چار دانگ عالم میں ہے۔ حضرت قطب الہند سے حیدرآباد کا ہر فرد بشر بخوبی واقف ہے۔ آپ کو باعتبار علم و فضل اپنے زمانہ میں امتیاز خاص حاصل تھا۔

بلدۂ حیدرآباد میں سب سے پہلے آپ ہی نے مدرسہ و دارالاقامہ قائم کر کے سلسلۂ تعلیم کو جاری فرمایا۔ آپ کے مدرسہ سے بڑی بڑی زبردست ہستیاں انوار علوم سے مالا مال ہو کر نکلیں جیسے حضرت مرزا سردار بیگ صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ جو اسی مدرسہ سے مستفید ہو کر چمکے۔ آج جن کا نام نامی کسی مزید تعارف کا محتاج نہیں۔

طلباء مدرسہ پر حضرت کی خاص نگرانی رہتی اور ان سے اپنی اولاد کی طرح پیار و محبت فرماتے تھے۔ جامع مسجد بلدہ کی رونق بھی آپ ہی کی رہین منت ہے۔ ورنہ اس سے قبل تو جامع مسجد فیل خانہ بنی ہوئی تھی۔

حضرت کی تصانیف بھی اس وقت بہت سی موجود ہیں جن میں سے بعض طبع ہوئیں اور بعض ویسی ہی غیر مطبوعہ ہیں۔ فقہ، تصوف، قرأت، سماع وغیرہ سے متعلق آپ نے مختلف رسالے تحریر فرمائے ہیں۔ منجملہ اور تصانیف کے فقہ میں ایک رسالہ موسوم بہ کشف الخلاصہ مشہور و مقبول عام و خاص ہے۔

حضرت[1] کی بدولت بہت سے گمراہوں نے راہ پائی، آپ کی چشم وکرم نے غیر مسلموں کے قلوب میں بھی ایمان کا دیا روشن کر دیا۔ چنانچہ غلام رسول صاحب مرحوم (سنبھو پرشاد) مع متعلقین مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اس وقت ان کا مزار بھی حضرت کی گنبد شریف کے سائبان سے متصل ہے۔ اسی طرح غلام مرتضیٰ کمندان جن کا نام متیّا تھا مع اپنے تین سو قرابتداروں کے اور صاحب حسین کمندان جن کا پہلے صاحبو نام تھا مع اپنے دو سو عزیز و اقارب وغیرہ کے حضرت کے دست حق پرست پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔

حضرت کے کشف وکرامات کے اور بہت سے واقعات مشہور ہیں جن کو اجمالاً بھی پیش کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب کی صورت ہوگی۔

آپ نے ملکی وقومی خدمات میں بھی حصہ لیا ہے جس کا تفصیلی تذکرہ قدیم تواریخ میں موجود ہے۔ آپ کو سلسلۂ عالیہ قادریہ چشتیہ ونقشبندیہ ورفاعیہ میں حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب قبلہ قندھاری قدس اللہ سرہٗ العزیز سے بیعت وخلافت حاصل تھی۔ آپ کی بیعت کا واقعہ بھی عجیب ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ جب آپ نے علوم ظاہری کی تکمیل فرمائی تو آپ کو شیخ کامل کی تلاش ہوئی۔ آپ نے خیال فرمایا کہ مرشد ایسا ہو جو علم وفضل میں بھی یگانہ ہو اور اس سے کرامات کا صدور بچشم خود دیکھوں۔ چنانچہ اس زمانہ میں حضرت سلطان العارفین شیخ الکاملین مولانا شاہ رفیع الدین صاحب قبلہ قدس سرہٗ قندھار شریف ضلع ناندیڑ میں تشریف فرما تھے۔ جب آپ کو اطلاع ملی تو آپ سیدھے قندھار تشریف فرما ہوئے۔ حضرت کی خانقاہ سے دو وقت کا کھانا مقرر ہو گیا۔ آپ وہاں ٹھہرے رہے روزانہ حضرت کی خدمت میں حاضر رہ کر علمی مباحثے کیا کرتے جس کے بعد آپ کو علم ہوا کہ واقعی حضرت علم وفضل میں یگانہ ہیں۔ یعنی ایک شرط تو پوری ہوئی اب دوسری کہ کرامات کا صدور بچشم خود دیکھوں اس کے آپ منتظر تھے کہ ایک شخص حضرت کی خدمت میں بیعت کے لئے حاضر ہوا۔ حضرت قبلہ نے اس سے بیعت لی، بیعت کے بعد اس نے ایک مٹھائی کی ٹوکری جس میں سات لڈو تھے، حضرت کے ملاحظہ میں پیش کی

[1] از کتاب غوث الدکن مؤلفہ قاری مولانا شاہ تاج الدین صاحب قادری

تو حضرت نے وہ ٹوکری آپ کو دیکر فرمایا کہ میر صاحب اس ٹوکری کو لو اور جتنے صاحبین بیٹھے ہوئے ہیں ان سب کو اس طرح تقسیم کرو کہ ہر ایک کو سات سات لڈو پہنچیں آپ نے جب حضرت کا یہ ارشاد سماعت فرمایا تو حیران ہو کر کھڑے رہ گئے کہ ٹوکری میں کل سات لڈو ہیں ان سب کو کس طرح تقسیم ہو سکیں گے۔ جب حضرت نے آپ کے متحیر ہونے کو ملاحظہ فرمایا تو فرمایا کہ میر صاحب ہمارا رومال ٹوکری پر ڈھانک دو اور پھر ہر شخص کو سات سات عدد تقسیم کردو۔ آپ نے حسب الحکم حضرت قبلہ کا رومال ٹوکری پر ڈھانک کر ہر ایک کو سات سات لڈو تقسیم کر دیئے۔ اس کے بعد جب دیکھا تو پھر اس ٹوکری میں سات لڈو باقی تھے۔

اپنے پیر روشن ضمیر کی اس کرامت کو جس کا ظہور آپ ہی کے ذریعہ کرایا گیا۔ آپ نے جب دیکھا تو فوراً بیعت کی تکمیل کرلی۔ اس کے بعد عرصہ تک وہیں قیام فرما کر صحبت شیخ کامل سے استفادہ فرمایا، پھر حسب اجازت دکن واپس تشریف لائے۔

آپ کے ہمعصر شیوخ میں قابل ذکر حضرت شیخ جی حالی قدس سرہٗ وحضرت شاہ سعداللہ صاحب قدس سرہٗ وحضرت محمد علی صاحب خیرآبادی قدس سرہ العزیز وغیرہ ہیں۔ آپ کو اپنے ہمعصر شیوخ میں بھی امتیاز خاص حاصل تھا۔ یہ سب حضرات کرام آپ کا بہت احترام فرماتے تھے۔

آپ نے ۴ر محرم الحرام ۱۲۶۵ھ کو اس دار فانی سے ملک جاودانی میں انتقال فرمایا۔ سنہ وصال ''از دکن وائے آفتاب برفت'' سے نکلتا ہے۔

اس مصرعہ تاریخی سے متعلق ایک واقعہ کا اظہار نامناسب نہ ہوگا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت کے وصال کے بعد ایک صاحب حضرت حافظ محمد علی صاحب خیرآبادی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے حیدرآباد کے حالات ان سے دریافت کئے۔ وہ یہاں کے امراء کے کچھ واقعات اور عہدیداروں کے تغیر وتبدل کے حالات سنانے لگے تو آپ نے ان کو روک دیا اور فرمایا کہ میاں! وہاں کے اہل اللہ کے کچھ حالات سناؤ!! تو اُنھوں نے عرض کیا کہ حضرت مولانا شجاع الدین صاحب قبلہ کا وصال ہوگیا۔ اس خبر کے سنتے ہی آپ نے

ایک آہِ سرد کھینچی اور فرمایا کہ ''دکن کا آفتاب غروب ہوگیا''۔

حضرت قطب الہند کا مزار مبارک محلۂ رین بازار باغ حضرت وائم صاحب قبلہؒ میں واقع اور زیارت گاہ خاص و عام ہے۔

آپ کے صاحبزادہ حضرت میر عبداللہ صاحب شہید بیحد نیک، متقی، صاحب دل، جید عالم تھے۔

حضرت عبداللہ صاحب شہید کا مزار بھی حضرت قطب الہند کے مزار سے قریب ایک مقبرہ میں ہے جو حضرت عبداللہ صاحب شہید ہی کے نام سے موسوم مقبرہ شہداء یا چھوٹا مقبرہ کہلاتا ہے۔

حضرت میر عبداللہ صاحب شہید کو ایک صاحب زادی یعنی والدۂ ماجدہ حضرت خواجہ محبوب اللہ قدس سرہٗ جن کی شادی حضرت قطب الہند علیہ الرحمہ کے سامنے ہوئی اور دو صاحبزادے تھے۔ایک حضرت میر محمد دائم صاحبؒ جو حضرت قطب الہندؒ کے بعد اپنے جد امجد کے جانشین ہوئے، دوسرے حضرت میر محمد قائم صاحبؒ۔

O-O-O

مختصر شجرہ خانذانی
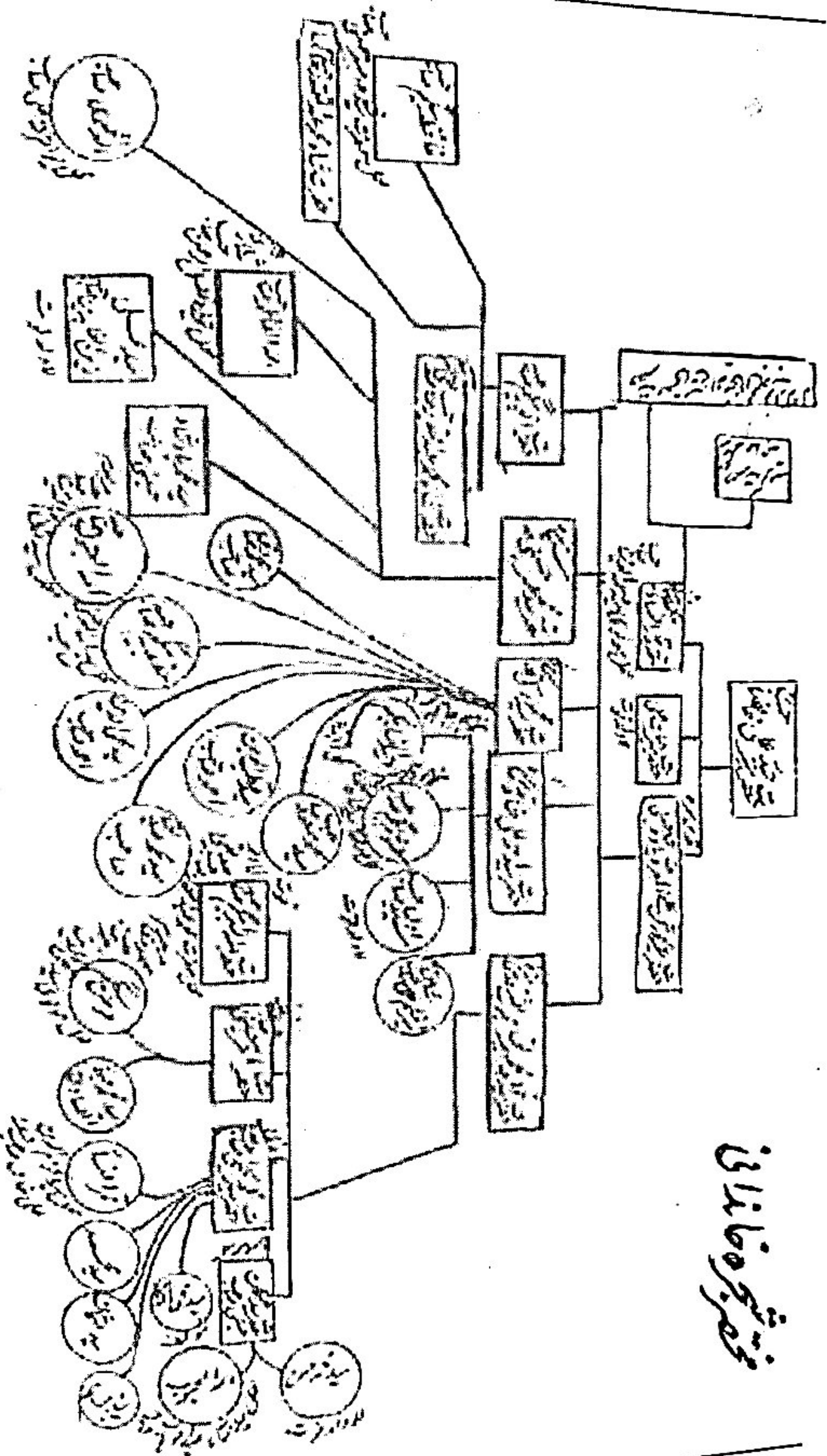
حضرت کے متعلق پیشین گوئیاں

حضرت[1] کی ولادت سے قبل آپ کی والدۂ ماجدہ نے بزمانہ حمل خواب میں دیکھا کہ جھولے میں ایک لڑکا ہے جس کی ڈوری سیدۃ نساء العالمین علیہا وعلیٰ ابیہا الصلوٰۃ والسلام کے دست مبارک میں ہے۔ اس ڈوری کو آپ ہلا رہی ہیں۔ آپ کی والدۂ ماجدہ فرماتی ہیں کہ مجھے دیکھ کر حضرت سیدہؓ نے بلایا اس جھولے کی ڈوری میرے ہاتھ میں دی اور ارشاد فرمایا کہ:

"یہ ہمارا بچہ ہے اس کی چندروز خدمت کر کے ہمارے پاس چلی آؤ"۔

حضرت سیدہؓ کے حکم کی تعمیل میں، میں جھولا جھلانے لگی۔ جب آپ خواب سے بیدار ہوئیں تو اپنے شوہر حضرت سید محمد بادشاہ حسینی قبلہ قدس سرہ سے خواب عرض کیا۔ حضرت نے خواب سنکر تعبیر دی کہ تم کو لڑکا ہوگا جس کی ڈوری سیدہؓ نے تمہیں سرفراز فرمائی ہے اور ہم اس بچہ کی خدمت کیلئے مامور کئے گئے ہیں۔ چنانچہ ویسا ہی ہوا کہ حضرت کی ولادت باسعادت ہوئی۔

آپ کی والدۂ ماجدہ آپ کا بیحد ادب فرماتی تھیں جب آپ باہر سے اندر تشریف لاتے تو سروقد اُٹھ کر تعظیم فرماتیں اور فرمایا کرتیں کہ یہ وہی صاحب زادہ ہے جس کی نگہبانی کے لئے سیدہ نے مجھے مقرر فرمایا ہے چنانچہ جب آپ اپنے والد ماجد کے بعد سجادہ نشین ہوئے تو آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کے دستِ مبارک پر تبرکاً تجدید بیعت کی حالانکہ اس سے پہلے آپ اپنے جد امجد حضرت مولانا میر شجاع الدین حسین قبلہ قدس سرہٗ سے بیعت تھیں۔

دردزہ سے قبل ہی آپ کے نانا قطب الہند حضرت مولانا میر شجاع الدین حسین قبلہ قدس سرہٗ اپنی پوتی کے گھر آنے والے کی پذیرائی کے لئے تشریف لاچکے تھے۔ ولادت کے بعد اپنے قرۃ العین لخت جگر کو گود میں لے کر دونوں آنکھوں کو بوسہ دیا اور آپ کی والدۂ ماجدہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ "اماں! یہ بچہ بڑی شان والا ہوگا"۔

---

[1] از رہبر طریقت مؤلفہ حضرت سید عمر صاحب قبلہ قدس سرہٗ

اور اکثر جب تشریف لاتے اپنے لاڈلے نواسے کو گود میں لیتے، بہت مسرت کے ساتھ دعا دیا کرتے۔ ایک[1] دفعہ خورد سالی ہی میں آپ نے اپنے دستِ مبارک سے اپنے محبوب نواسہ کو گلتی بھی چٹائی ہے۔

آپ کے والد ماجد نے ایک روز خواب دیکھا کہ عبداللہ بن علی جمعدار کی ڈیوڑھی کے شرقی جانب اپنے مکان کے قریب زمین سے آسمان تک ایک نورانی ستون کھڑا ہوا ہے صبح کو بیدار ہوتے ہی آپ نے فرمایا کہ اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ ''ہماری اولاد کا نور شہرہ آفاق ہوگا''۔

بعد میں اس خواب کو حضرت نے عبداللہ بن علی جمعدار مرحوم سے (جو حضرت کے بیحد معتقد تھے) بیان فرمایا تو جمعدار نے اس کی تعبیر یہ سمجھی کہ وہاں مسجد تعمیر کروانا چاہئے چنانچہ حضرت کی اجازت سے اسی مقام پر ایک مسجد تعمیر کرائی اور اس کا نام ''مسجد النور'' رکھا۔ اب بھی یہی نام اس کے کتبہ میں موجود ہے۔ اس مسجد کی تولیت بھی حضرت ہی کو تھی۔ ایک روز حضرت نے اپنے مریدین سے فرمایا کہ عبداللہ بن علی جمعدار سے جو خواب میں نے بیان کیا تھا وہ خدا تعالیٰ کے انوار اور رحمتوں کا نزول تھا جس سے ہم سرفراز ہیں اور ان شاء اللہ المستعان ہماری اولاد بھی رہے گی۔ ہمارے اور ہماری اولاد کے فیوض سے سرزمین دکن روشن ہو جائے گی۔ اس کا انکشاف پروردگار عالم نے اپنی عنایت سے خواب میں فرمایا تھا لیکن جمعدار ایک سپاہی مزاج عرب ہے اُنھوں نے اس سے مسجد بنانے کی تعبیر لی۔ چونکہ یہ بھی ایک نیک کام تھا اس لئے میں نے اس کی تردید مناسب نہ سمجھی، اب اسی مسجد کے روبرو حضرت کا مزار پُر انوار واقع ہے جہاں انوارِ الٰہی کا نزول کئی سال پیشتر عالم رویا میں دکھلا دیا گیا تھا۔

طفولیت

حضرت بچپن ہی سے تیز اور ذہین تھے، طبیعت میں شرارت نہ تھی۔ غور وفکر رحم و کرم اور جود وسخا کا مادّہ بہت زیادہ تھا۔ اخلاق و عادات کے باب میں ہم نے تفصیل سے واقعات پیش کئے ہیں۔ بچپن ہی سے لڑنے بھڑنے سے پرہیز فرماتے، آپس میں مل جل کر گزارتے، آپ

[1] از مولانا شرف الدین قادری

کی چھوٹی بہن (یعنی والدہ حضرت مولانا عبدالقدیر صدیقی) جو آپ سے سال ڈیڑھ سال ہی کی چھوٹی تھیں طبعاً اور بتقضائے ہم سنی دونوں میں بہت زیادہ محبت واُلفت تھی۔ دونوں اکثر ایک ہی جگہ ملکر کھیلا کرتے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ آپ اپنی والدہ محترمہ کے ہمراہ اپنی پھوپی (یعنی والدہ حضرت مفتی محبوب نوازالدولہ) کے پاس تشریف لے گئے۔ آپ کے ساتھ آپ کی بہن صاحبہ بھی تھیں، تشریف لے جانے کے بعد آپ کی والدہ صاحبہ قبلہ اور پھوپی صاحبہ دونوں مصروف کلام ہوگئیں۔ آپ اپنی ہمشیرہ کے ساتھ کھیلنے کے لئے نکلے، آپ کی پھوپی صاحبہ کی ایک پروردہ چھوکری تھی جو اگرچہ عمر میں آپ سے کچھ بڑی تھی لیکن پھر بھی کمسن ہی تھی اس کی شادی گھر کے ایک پروردہ لڑکے سے کردی گئی تھی اور یہ دونوں میاں بی بی وہیں رہتے تھے۔ اس پروردہ لڑکی کا شوہر چوہوں کی کثرت سے تنگ آکران کے مارنے کیلئے بازار سے سنکھیا لایا اور ایک بلند مقام پر محفوظ رکھ دیا تھا اور اپنی بی بی کو تاکید کردی تھی کہ خبردار اس کو ہاتھ نہ لگانا، لڑکی یہ سن کر خاموش ہوگئی۔ مگر اسے یہ خبر نہ تھی کہ یہ زہر ہے۔ جب وہاں کھیلنے کے ارادہ سے بھائی بہن پہنچے کشش ہم سنی دونوں بھائی بہن کو اس پروردہ لڑکی کے مقام پر لے گئی۔ جب یہ دونوں حضرات نکلے تو وہ پروردہ لڑکی بھی ساتھ ہوگئی کھیلتے ہوئے اس کمرہ میں گئے اور اس سنکھیا پر نظر پڑی جو ایک بلند مقام پر رکھی ہوئی تھی۔ اس لڑکی نے کہا کہ میرے شوہر نے بازار سے کھڑی لاکر رکھی ہے کسی طرح نکالنا چاہئے تاکہ کھائیں، ان دونوں حضرات نے بھی اس مشورہ کو منظور فرمایا کیوں کہ کھڑی کے سوندھے پن نے ادھر متوجہ کردیا مگر چونکہ وہ بلند مقام پر تھی ہاتھ پہنچتا نہ تھا تکیہ وغیرہ رکھا گیا اس پر چڑھ کر اسے نکالا گیا۔ اب اس کے بعد یہ بحث چھڑی کہ یہ ایک ہی ڈلی ہے کھانے والے تین ہیں تقسیم کیوں کر ہو مشورہ کے بعد اس ڈلی کو مالکۂ مکان یعنی والدہ حضرت مفتی محبوب نوازالدولہ مرحوم کے پاس پیش کیا گیا کہ آپ نے اسے تینوں میں تقسیم کردیا۔ چونکہ حضرتہ موصوفہ اپنی بھاوج سے باتوں میں مصروف تھیں اس پر غور ہی نہیں کیا کہ بچے کیا چیز لائے ہیں۔ بات کرتے کرتے اس کے تین ٹکڑے کردیئے اور تینوں میں خود ہی تقسیم کردیا اور سب سے بڑا ٹکڑا حضرت کو اور سب سے چھوٹا اس چھوکری کو ملا۔

تینوں نے اس کو اطمینان سے کھالیا اور پھر اپنے کھیل کود میں مصروف ہو گئے۔ حضرت کی والدہ صاحبہ تھوڑی دیر ٹھہرنے کے بعد بچوں سمیت اپنے مکان واپس ہوگئیں۔ گھر پہنچتے ہی صاحبزادہ اور صاحبزادی ہر دو کی طبیعت بگڑی قے و دست شروع ہو گئے اور مزاج کا کچھ اور ہی رنگ ہو گیا ادھر پروردہ لڑکی کی حالت بیحد خطرناک ہو گئی، سر سے پیر تک نیلی ہو گئی، آنکھیں چھت سے لگ گئیں۔ گھر کا گھر حیران کہ اس کو کیا ہو گیا ہے کیونکہ سنکھیا کھانے کے واقعہ کا تو کسی کو علم ہی نہ تھا اس عرصہ میں اس کا شوہر بھی آ گیا۔ جب اس نے اپنی بی بی کی یہ حالت دیکھی تو بہت پریشان ہوا ساتھ ہی اسے سنکھیا کا خیال آ گیا۔ دیکھا تو ڈلی اپنے مقام پر نہ تھی۔ دریافت کیا تو اس لڑکی نے تمام واقعہ بیان کیا۔ اس واقعہ کے سنتے ہی حضرت مفتی صاحب کی والدہ حواس باختہ ہو گئیں کہ یہ کیا ہوا میں نے بچوں کو اپنے ہاتھ سے خود زہر تقسیم کیا ہے فوراً آدمی کو خیریت کی کیفیت کے لئے روانہ کیا اور تمام واقعہ کہلوایا اور اس لڑکی کو بھی رفع سمیت کے لئے ادویات استعمال کرائی گئیں۔ وہ آدمی جب یہاں پہنچا تو یہاں بھی دونوں حضرات کی طبیعت کی خرابی کا حال سنا اور اصل واقعہ کی تفصیل بیان کی جس کے سنتے ہی حضرت کی والدہ ماجدہ سخت پریشان ہوئیں فوراً علاج شروع کیا گیا خداوند عالم کا فضل تھا کہ تینوں سنبھل گئے۔ مگر اس کا اثر آخر وقت تک بھی حضرت اور آپ کی بہن صاحبہ کی طبیعت پر رہا۔ یعنی دونوں حضرات کی طبیعت میں بیحد حدت و حرارت تھی بالخصوص حضرت کو کہ تینوں میں سب سے زیادہ آپ ہی نے کھایا تھا اس لئے اس کے اثرات بھی زیادہ ہی تھے۔

حضرت قبلہ گاہ مدظلہ فرماتے ہیں ہمیشہ حضرت کے چشمان مبارک کے کوہوں میں زرد رنگ کا میل ایسا رہتا جیسے بحالت آشوب کسی کی آنکھ میں رہتا ہے۔ آپ کو اکثر روزانہ تین چار اجابتیں پتلی آتیں رہتیں۔ کوئی گرم چیز طبیعت کے کبھی موافق نہ ہوتی اور یہ اثرات صرف حضرت تک ہی محدود نہیں رہے بلکہ آپ کی اولاد میں بھی آئے ہیں۔ چنانچہ سب صاحبزادوں کے معدوں میں انتہائی حدت ہے۔ تبخیر کی شکایت سے کوئی گرم چیز موافق نہیں آتی۔ اسی طرح حضرت کی بہن صاحبہ کی اولاد میں بھی یہ اثرات منتقل ہوئے ہیں۔

اس واقعہ سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ہی کے طفیل سے شاید خداوند عالم نے سب پر بھی اپنا فضل فرمایا ورنہ اس کمسنی میں سنکھیا کا کافی مقدار میں استعمال کرنا اور اس کے بعد صحیح سلامت رہنا عقل میں نہیں آتا گو کہ سنکھیا نے اپنا اثر ضرور دکھایا لیکن جیسا چاہئے ویسا اثر نہیں ہوا برخلاف اس کے اگر اتنا کوئی اور استعمال کرتا تو خدا جانے کیا سے کیا ہو جاتا۔ منکرین کو چھوڑئے کہ وہ تو معجزات کی بھی اتفاقات وغیرہ کہہ کر تاویل کر ہی لیتے ہیں مگر میں تو یہی کہوں گا کہ حضرت کا یہ ابتدائی تصرف تھا جو زمانۂ طفولیت میں ظہور پذیر ہوا۔ خاصانِ خدا سے ان کے بچپن میں بھی اپنی کمسنی کی مناسبت سے کچھ نہ کچھ خوارق ہو ہی جاتے ہیں۔

O-O-O

حلیہ ولباسِ مبارک

آپ کا سر مبارک بڑا، میانہ قد، جسم اطہر متوسط نہ دبلے نہ موٹے، رنگ اقدس چمپائی، چشمان مبارک بڑی بڑی متوالی، کتابی چہرۂ انور، پیوستہ وخمیدہ ابروئے پاک، بلند بینی مبارک، کشادہ و پیشانی نورانی، سر میں پیاری پیاری زلفیں، گرد ریش مبارک تھوڑی کے پاس ریش مبارک میں کچھ فرق تھا، کھڑاویں پائے مبارک میں:

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم   کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجا

حضرت مولانا شاہ محمد عبدالقدیر صاحب صدیقی حسرتؔ مدظلہ فرماتے ہیں کہ آپ کی نظر بے حد وسیع تھی۔ اگر کبھی حضرت کسی خیال میں خاموش تشریف فرما رہتے تو ہم کو یہ محسوس کرنے میں دقت ہوتی کہ حضرت کدھر ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ ہم جس جانب بھی خیال کرتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ حضرت ادھر ہی متوجہ ہیں۔ حضرت کے چہرۂ مبارک پر اس قدر رعب تھا کہ کوئی شخص بھی حضرت سے یک بیک ہم کلام نہ ہوسکتا تھا۔ اکثر مریدین[1] دو دو چار روز تک اپنا معروضہ بیان نہیں کرسکتے تھے روزانہ آکر مؤدب سامنے بیٹھتے اور رعب کی وجہ سے اتنی ہمت نہ ہوتی کہ دل کھول کر معروضہ کرسکیں۔ اکثر ایسا ہوتا کہ حضرت خود ہی دریافت فرماتے کہ کیا تم کچھ کہو گے تو معروضہ پیش کیا ورنہ خاموش رہے۔ بعض مریدین مجبور ہوکر حضرت کے رات دِن پیشی میں رہنے والے خادمین کو مجبور کرتے کہ وہ ان کا معروضہ پیش کریں لیکن وہ بھی توجہ اور عنایت کے وقت کے منتظر رہتے۔ جب کبھی حضرت کو متوجہ دیکھتے تو فوراً معروضہ پیش کرتے۔ حضرت کے سامنے بڑی سے بڑی شخصیت والا شخص بھی آتا تو مرعوب ہوجاتا معلوم ہوتا تھا کہ شہنشاہِ وقت کے دربار میں حاضر ہے۔

بیان[2] کیا جاتا ہے کہ نواب سر خورشید جاہ مرحوم کو حضرت کی قدم بوسی کا بیحد اشتیاق تھا،

---

[1] از: شاہ شرف الدین صاحب قادری

[2] از: حضرت قبلہ مدظلہ

چاہتے تھے کہ در دولت پر حاضر ہوکر قدم بوسی کا شرف حاصل کریں۔ چنانچہ نواب صاحب موصوف نے متعدد مرتبہ حضرت کے پھوپی زاد بھائی نواب مفتی محبوب نواز الدولہ مرحوم (جن کو حضرت بہت چاہتے تھے) اور حضرت کے خسر حضرت مولانا مولوی سید شاہ شیخن احمد صاحب شطاری قبلہؒ کے ذریعہ (جو بلدہ کے مشہور بزرگوں میں سے تھے اور حضرت کے خسر ہونے کی وجہ سے خود حضرت بھی حضرت ممدوح کا بہت احترام فرماتے تھے) معروضہ پیش کروایا کیونکہ انھیں اس بات کا یقین تھا کہ حضرت ان بزرگواروں کی سفارش کو مسترد نہ فرمائیں گے لیکن حضرت نے ان حضرات سے معافی چاہتے ہوئے صاف جواب دے دیا کہ میں فقیر ہوں اور وہ امیر! میں جس چیز کا طالب ہوں وہ ان کے پاس نہیں اور وہ جس چیز کے خواہاں ہیں میرے پاس نہیں۔ پھر کیوں میرے پاس آنا چاہتے ہیں؟ جب نواب صاحب کی یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہوئی تو اُنھوں نے سوچا کہ حضرت سے کسی ایسے مقام پر جہاں حضرت تشریف لے جاتے ہوں پہنچ کر قدم بوسی حاصل کی جائے۔ اس خیال کی تکمیل کے لئے اُنھوں نے دریافت کیا کہ حضرت اکثر کہاں تشریف لے جایا کرتے ہیں۔ تو اطلاع ملی کہ حضرت اپنے نانا حضرت مولانا میر شجاع الدین حسین قبلہ علیہ الرحمۃ کے مزار پر فاتحہ خوانی کے لئے اکثر تشریف لاتے ہیں۔ چنانچہ نواب صاحب ممدوح نے حضرت کی وہاں تشریف آوری کی خبر رکھی اور ایک دفعہ حضرت سے گنبد شریف میں شرف ملاقات حاصل کی اور جس وقت قدمبوسی حاصل کی تو سر سے پاؤں تک کانپ رہے تھے اور شدت رعب کے باعث اس وقت ان کی زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا۔ جب حضرت نے ان کی اس حالت کو ملاحظہ فرمایا تو خود ہی مسکرا کر استفسار فرمایا کہ ''نواب صاحب آپ کچھ فرمائیں گے'' اُنھوں نے عرض کیا کہ ''جی! کچھ نہیں صرف ایک معروضہ ہے کہ آپ یہاں سے مقبرۂ نواب تیغ جنگ مرحوم تک جو قریب ہے تشریف لے چلیں تو شاید مدفونین کی نجات کا باعث ہو''۔ حضرت نے ان کے اس معروضہ کو قبول فرمایا اور تشریف لے چلے۔ نواب صاحب نے عرض کیا کہ ''میانہ حاضر ہے حضرت اس میں تشریف رکھیں'' حضرت نے فرمایا کہ ''مجھے پیدل چلنے کی عادت ہے میں پیادہ چلوں گا آپ بیٹھ جائیں

اور پیدل ہی حضرت نے اس طرف کا قصد فرمایا۔ نواب صاحب کی پھر ہمت نہ ہوسکی کہ حضرت کی خدمت میں کچھ عرض کریں۔ آخر کار نواب صاحب بھی حضرت کے ہمراہ پیادہ مقبرہ کی طرف روانہ ہوئے۔ مقبرہ پہنچ کر پھول وغیرہ چڑھانے کے بعد نواب صاحب نے مدفونین کی مغفرت کی دعا کے لئے گزارش کی۔ حضرت نے سب کے لئے دعا فرمائی اور ایک قبر کی جانب اشارہ کر کے فرمایا یہ قبر کس کی ہے؟ نواب صاحب نے عرض کیا کہ جی یہ ایک ملازمہ تھی۔ حضرت نے فرمایا کہ "سب سے اسی کی حالت اچھی ہے"۔ اور وہاں سے واپس ہوئے۔

لباسِ مبارک

حضرت کا لباس مبارک بالکل سیدھا سادہ ہوا کرتا تھا۔ عام مشائخین کی طرح آپ جبہ و قبہ کا استعمال نہیں فرماتے تھے ہمیشہ جسم مبارک پر چوبغلہ اور سر پر ٹوپی۔ بعض خاص اوقات میں مثلاً جمعہ عیدین، شادی وغیرہ میں بہ خیال پیروی سنت عمامہ بھی باندھتے تھے۔ ابتداً حضرت عام مشائخین کی طرح لباس پہنتے تھے لیکن جب ۱۸۵۷ء کے واقعہ کے بعد بعض اہل دہلی دکن میں وارد ہوئے تو اہل دکن ان کے چوبغلوں کا مضحکہ اُڑاتے تھے، راستہ راستہ ان پر پھبتیاں کسی جاتی تھیں۔ غالباً یہ طریقہ حضرت کو ناگوار خاطر ہوا۔ آپ نے تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ وہی لباس اختیار فرمایا۔ ابتداءً تو آپ کا بھی جہاں نے خوب مضحکہ اُڑایا لیکن رفتہ رفتہ اس کا رواج عام ہوگیا۔ آج کل تو دکن کے باشندوں کی خاصی تعداد یہ لباس پہنا کرتی ہے بلکہ مشائخین کا یہی لباس سمجھا جا رہا ہے۔

حضرت کے پیر میں آپا شاہی جوتا، کاندھے پر رومال، ہاتھ میں اکثر چھوٹی سی تسبیح رہا کرتی تھی۔ ظاہری وضع وقطع میں بے انتہا سادگی ملحوظ خاطر رہتی کہ عوام الناس یعنے اصحاب بصارت کو ظاہراً طور پر حضور کی صحیح شخصیت کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔ مگر ارباب بصیرت کی دوربین نگاہیں پہچان ہی لیتی تھیں:

بہر رنگ کہ خواہی جامعہ می پوش   من انداز قدرت را می شناسم

حضرت کو امراء و عہدہ داروں سے زیادہ میل جول، ان کے پاس جانا بالکل پسند نہ تھا۔

ان کے پاس سے دعوت نامے آتے مگر آپ تشریف نہ لے جاتے۔ اکثر اپنے برادران عزیز کو بھیج دیا کرتے۔ بہت کم ایسا ہوا ہے کہ آپ نے شرکت فرمائی۔

چنانچہ ایک وقت کا واقعہ مولانا شرف الدین صاحب قادری سے مروی ہے کہ نواب بشیر الدولہ مرحوم کے پاس دعوت میں ایک دفعہ آپ تشریف لے گئے۔ حضرت سید عمر صاحبؒ فرماتے تھے کہ میں بھی ہمراہ تھا۔ مکانِ دعوت پر پہنچنے کے بعد آپ نے مقام دعوت پر جانے کا جب قصد فرمایا تو دربان آپ کو ظاہری وضع وقطع سے پہچان نہ سکا روک دیا۔ حضرت سید عمر صاحب قبلہؒ فرماتے تھے کہ وہاں کے دربان کی اس حرکت پر مجھے بیحد غصہ آیا چاہا کہ بڑھ کر اس کو ڈانٹ ڈپٹ کروں جب آپ نے میرے اس ارادہ کو محسوس فرمایا تو اشارہ سے خاموش رہنے کا حکم دیا تب تو میں مجبور ہو کر خاموش رہ گیا۔ تھوڑی دیر بعد آپ بڑھے تو پہرہ کے دوسرے جوان نے پھر روک دیا پھر آپ خاموش ٹھہر گئے۔ تھوڑی دیر توقف کے بعد آپ آگے بڑھے تو تیسرے جوان نے آپ کو سختی سے روکنا چاہا۔ اس عرصہ میں داعی صاحب یعنے نواب بشیر الدولہ مرحوم کی جو قریب ہی میں کھڑے تھے نظر پڑ گئی جوں ہی حضرت کو دیکھا دوڑتے ہوئے آئے اور استقبال کر کے لے گئے۔ چونکہ حضرت کو تشریف لے جاتے کچھ تاخیر ہو گئی تھی اس لئے تمام دستر خوان پُر ہو گئے تھے۔ نواب صاحب نے حضرت کے لئے بالا خانہ پر انتظام کرایا اور اوپر لے گئے۔ حضرت نے کھانا تناول نہیں فرمایا۔ اگرچہ نواب صاحب بہت اصرار کرتے رہے مگر آپ نے نواب صاحب سے معافی چاہ لی۔ اس کے بعد نواب صاحب نے آپ سے عرض کیا کہ حضرت میرے مکان کو ملاحظہ فرمائیں تو آپ کے قدوم میمنت لزوم کی برکت سے اللہ تعالیٰ ہر بلا سے محفوظ رکھے گا۔ آپ نے ان کی اس استدعا کو شرف قبولیت بخشا اور ان کے ساتھ ہو گئے۔ نواب صاحب نے اپنے مکان کے تمام حصوں میں حضرت کو گھمایا اور ہر چیز وضاحت کے ساتھ آپ کو دکھائی۔ جس کے بعد آپ دولت سرا کو واپس ہوئے۔

راوی صاحب بیان فرماتے ہیں کہ روزانہ چار بجے حضرت کی خدمت میں میں حاضری دیا کرتا تھا۔ حسب عادت اس روز بھی حاضر ہوا تو آپ نے مسکرا کر مجھ سے فرمایا کہ سنئے! میں

نے عرض کیا جی کیا پیر و مرشد! تو فرمائے کہ ''آج ہم کو بشیر الدولہ اپنی دیوڑھی دکھانے لے گئے تھے'' اس کے بعد متعجبانہ انداز میں ''کیا ہے نہیں معلوم ان کی باتیں سمجھ میں نہیں آتیں'' فرما کر خاموش ہو گئے۔

ہم تمام حضرت کی پیشی میں رہنے والوں کی عادت تھی کسی کے غیاب میں اگر حضرت کچھ ارشاد فرماتے تو بعد میں اس کو دوسرے غیر موجود اشخاص کے سامنے دہرا دیا جاتا تھا۔ چنانچہ اس ارشاد کو بھی حضرت کے برخاست فرمانے کے بعد جب میں دوسروں کے سامنے دہرایا تو حضرت سید عمر صاحب قبلہؒ نے صبح کا تمام واقعہ سنایا۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دعوت میں حضرت کی رونق افروزی تحت امر تھی یوں تو حضرت کی ہر حرکت تحت امر ہی ہوتی تھی۔ جیسا کہ اور دوسرے واقعات سے جن کو ہم نے آگے نقل کیا ہے وضاحت ہوگی مگر اس واقعہ سے نفس کشی و شان استغناء کا خاص مظاہرہ ہوتا ہے جو آپ کا خصوصی رنگ ہے۔

آپ کو سادگی بہت پسند تھی۔ تکلفات قطعاً پسند نہ تھے جس کا تفصیلی تذکرہ ان شاء اللہ تعالیٰ اخلاق و عادات کے بیان میں آئے گا۔

آپ کا لباس سیدھا سادہ ہوا کرتا قیمتی پوشاک کو پسند نہ فرماتے حالانکہ اس زمانہ میں عام طور پر قیمتی لباس استعمال کیا جاتا تھا۔ مثلاً ہمرو یا مشروع کے تنبان (پاجامے) اور اسی کے شاہے، شربتی ململ یا آغابانی کے انگرکھے وغیرہ مگر آپ نے ان انگرکھوں تنبان وغیرہ کو کبھی پسند نہ فرمایا۔ ہمیشہ سادہ لباس ہی زیب تن فرماتے رہے۔

لباس بھی اس زمانہ کے رواج کے خلاف چست اور جسم کے برابر بہت پسند تھا۔ ڈھیلے ڈھالے لباس کو پسند نہ فرمایا کرتے حتیٰ کہ حضرت قبلہ گاہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ اگر کرتے کا گلہ ذرا کھلا رہتا تو آپ کو ناگوار گزرتا فوراً اس کو درست کروا دیتے۔

حضرت کو زرد رنگ بہت مرغوب خاطر تھا۔ کبھی کبھی عمامہ چادر زرد رنگوا کر استعمال فرمایا کرتے تھے اسی وجہ سے آپ کے مزار مبارک پر غلاف زرد رنگ کے اڑھائے جاتے ہیں اور چوکھنڈی بھی اسی رنگ سے رنگی جاتی ہے۔

اور دیگر واقعات سے اس کا پتہ چلتا ہے ہے کہ زرد رنگ کو حضرت نے از خود اختیار نہیں فرمایا بلکہ بذریعہ کشف یہ رنگ حضرت کی طرف منسوب ہوا۔

O-O-O

حضرت کا علم و فضل و شوق مطالعہ

حضرت حافظ و قاری تھے فن تجوید میں آپ کا سلسلۂ روایت حضرت مولانا میر شجاع الدین صاحب قدس سرہٗ سے ملتا ہے۔ عربی، فارسی، ادب نہایت بہتر تھا۔ منطق فلسفۂ ہیئت سب میں حضرت کو خاص دخل تھا۔ تفسیر، حدیث، فقہ میں تو اچھا تبحر تھا۔ حضرت کی ابتدائی تعلیم حضرت مولوی شاہ علی صاحب مرحوم و حضرت شمس الدین صاحب فیضؒ سے ہوئی۔ من بعد حضرت مولانا نیاز محمد صاحبؒ و حضرت مولانا محمد زماں خاں صاحب شہیدؒ کے پاس تکمیل کی۔ آپ کے ہم سبق حضرات میں سے ایک مولوی مسیح الزماں خاں صاحب مرحوم (جو اعلحضرت مرحوم کے استاد اور حضرت شہیدؒ صاحب کے بھائی تھے) ہیں۔ حضرت اکثر اپنے اساتذہ کے متعلق فرماتے تھے کہ ''مولوی نیاز محمدؒ صاحبؒ تبحر عالم تھے اور حضرت شہید صاحبؒ طالب علموں کی تعلیم اور نگہداشت میں خاص ملکہ رکھتے تھے''۔ حضرت کا فقہی مسلک حنبلی تھا۔ ابتداء میں آپ حنفی المشرب تھے لیکن بعد میں بر بناء حکم باطنی حضرت نے تبدیل مشرب فرمایا اور فقہ حنبلی میں ایک کتاب موسوم بہ ''زاد آخرت'' نہایت سلیس اُردو میں شرح و بسط کے ساتھ تصنیف فرمائی جو کتاب الطلاق تک ہوئی تھی کہ حضرت نے پردہ فرمایا چنانچہ یہ کتاب اسی حد تک طبع بھی ہو چکی ہے۔

چونکہ اب حضرت کے تبدیل مشرب کے متعلق تذکرہ چھڑ چکا ہے اس لئے یہاں ایک واقعہ کا لکھنا بیجا نہ ہوگا۔ حضرت نے جب تبدیل مشرب فرمایا تو بر بناء حکم باطنی آپ نے اپنے تمام مریدین کو بھی تبدیل مشرب کا حکم فرمایا۔ اکثر اصحاب نے فوراً تعمیل حکم کی لیکن حضرت کے برادر خورد حضرت مولانا سید شاہ محمد عمر حسینی صاحب قدس سرہٗ مذہب حنبلی اختیار کرنے میں کچھ متامل تھے اور یہی عرض کرتے رہے کہ حضرت! مجھے حنفی مذہب کے مسائل یاد ہیں اور حنبلی مذہب کے مسائل یاد نہیں، اس لئے تامل ہے۔ اسی دوران میں مولانا موصوف نے خواب

دیکھا کہ حضور غوث پاک تشریف فرما ہیں اور سامنے آپ بھی حاضر ہیں۔ حضرت پیران پیرؒ آپ سے مخاطب ہو کر ارشاد فرماتے ہیں کہ کیوں سید عمر میں نے تم سے کتنی دفعہ حنبلی ہونے کے لئے کہا لیکن تم اب تک حنبلی نہیں ہوئے۔ مولانا ممدوحؒ نے جواب میں وہی عرض کیا کہ حضرت مجھے حنفی مذہب کے مسائل یاد ہیں حنبلی مذہب کے مسائل یاد نہیں اس لئے پس وپیش ہے۔ اس پر حضرت پیرانِ پیرؒ نے ارشاد فرمایا کہ وہ ایسے کتنے ہیں؟ آؤ میں ابھی تمہیں بتائے دیتا ہوں اس کے بعد وضو نماز وغیرہ کے مسائل مختصر طور پر سمجھائے۔ اس خواب کے دیکھتے ہی صبح مولانا موصوفؒ حضرت کی خدمت مبارک میں خواب عرض کرنے حاضر ہوئے۔ آپ نے ملاحظہ فرماتے ہی ارشاد فرمایا کہ دیکھو چنو میاں! (حضرت مولانا سید محمد عمر قبلہؒ کو حضرت اسی نام سے یاد فرماتے تھے) دلیل لے کر آرہے ہیں اور آتے ہی فرمایا کہ ہاں! کہو کیا خواب دیکھا۔ مولانا نے اپنا تمام خواب عرض کیا اور اسی روز سے حنبلی ہوگئے۔ اس واقعہ سے نتیجہ کے طور پر دو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ آپ کا حکم دربار غوثیت کے حکم کے مطابق تھا۔ دوسرے یہ کہ حضرت کو فنائیت تامہ حاصل تھی۔ حضرت کا ہر حکم گویا کہ حضرت پیران پیر کا حکم تھا اور آپ کے سامنے جو کچھ عرض کیا گیا وہ حضرت پیر دستگیرؒ سے عرض کرنے کے برابر تھا کیونکہ مولانائے ممدوح کو اس خواب سے پیشتر کوئی حکم دربار غوثیت سے نہیں ملا تھا۔ ہاں حضرت محبوب اللہ اقدس سرہٗ نے فرمایا تھا اور اس حکم کو بارگاہِ غوثیہ نے اپنا حکم فرمایا۔

فن تصوف

حضرت کو فن تصوف سے خاص دلچسپی تھی اور اس میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ حضرت مولانا حسرت مدظلہ فرماتے ہیں کہ میں کبھی قدمبوسی کے لئے حاضر ہوتا تو آپ مسائل تصوف پر تقریر فرماتے۔ ایسا معلوم ہوتا کہ گویا علم کا دریا بہہ رہا ہے۔ بعض اوقات مجھ سے ارشاد ہوتا کہ مولوی (حضرت محبوب اللہ مولانا حسرتؔ کو اسی لقب سے یاد فرمایا کرتے تھے اور یہ اس زمانہ کا دیا ہوا لقب ہے جبکہ مولانا بہت کم عمر تھے۔ حضرت کے اس لقب سے یاد فرمانے کا یہ اثر ہوا کہ آج مولانا ایسے مولوی ہوئے جن کی بلدۂ حیدرآباد میں تو کیا ہندوستان میں نظیر ملنی دشوار ہے)

فلاں مسئلہ کے متعلق فلاں کتاب میں کیا لکھا ہے اور اس کا کیا مطلب ہے؟ میں عرض کرتا کہ اس طرح لکھا ہے پھر آپ اس مسئلہ کی تفہیم فرماتے اور ایسی نئی نئی باتیں بیان فرماتے کہ کسی کتاب میں کسی مصنف نے بھی نہیں لکھی تھیں اسی تفہیم کا آج یہ اثر ہے کہ میں بڑی سے بڑی کتاب دیکھتا ہوں اور جس مسئلہ پر نظر پڑتی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کوئی نئی بات ہی نہیں ہے۔

فن طب

آپ کو فن طب میں بھی دخل تھا[1] چنانچہ آپ نے ایک کتاب نسخہ جات وغیرہ کی بھی تحریر فرمائی ہے جو غیر مطبوعہ ہے۔ حضرت مولانا شاہ محمد عبدالمقتدر صاحب صدیقی فضلؔ مدظلہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سے ہی سنا ہے کہ فن طب آپ کو بذریعہ کشف حاصل ہوا۔ اس کی مزید تصدیق کتاب نسخہ جات سے ہوتی ہے اکثر نسخوں سے متعلق آپ نے فرمودہ حضرت سرور عالمیان ﷺ ''فرمودہ حضرت مولیٰ مشکل کشاؑ'' فرمودہ حضرت پیرانِ پیر تحریر فرمایا ہے۔ اس کتاب کے اکثر و بیشتر نسخے نہایت مجرب و زود اثر ثابت ہوئے اور بعض نسخہ جات تو ایسے بھی ہیں کہ جن کو دیکھنے کے بعد عقل حیران ہو جاتی ہے۔ بہت سے اطباء نے ان نسخوں کا تجربہ کیا جس کا تفصیلی بیان ان شاء اللہ المستعان معالجات کے باب میں آئے گا۔

خوشنویسی (خطاطی)

آپ کو خوشنویسی میں بھی اچھا دخل تھا جس کا آپ کے تحریرات سے پتہ چلتا ہے آپ کے لکھے ہوئے بعض قطعات بھی اس وقت موجود ہیں، قلم میں خاص کیفیت ہے۔ کششوں اور دوائر میں خاصہ بانکپن ہے، جس کو اس فن سے تھوڑا بہت بھی لگاؤ ہے وہی اس کا کچھ اندازہ لگا سکتا ہے۔ آپ کے شکست قلم میں بھی عجیب بانکپن و پختگی ہے۔ عربی میں ثلث و یاقوت بھی خوب جانتے تھے بعض عربی قطعات بھی آپ کے لکھے ہوئے موجود ہیں۔ آپ نسخ و نستعلیق

[1] آپ کو فن طب میں حکیم رضا علی صاحب سے تلمذ رہا ہے۔ جیسا کہ اسی کتاب کے دیباچے میں حضرت مولانا عبدالقدیر صاحب صدیقی نے بیان کیا۔ (ناشر)

میں بھی بخوبی مہارت رکھتے تھے۔اس فن میں آپ کو مولوی محمد حسین صاحب ہفت قلم سے تلمذ حاصل ہے جو اس وقت کے ممتاز خوشنویسوں میں شمار کیے جاتے تھے۔

فن آتشبازی وغیرہ

فن آتشبازی وصابون سازی وغیرہ میں بھی آپ کو دخل تھا۔ چنانچہ اس فن میں بھی آپ نے ایک رسالہ تحریر فرمایا ہے جو غیر مطبوعہ ہے۔اس فن میں آپ حضرت شمس الدین صاحب فیض کے شاگرد ہیں۔

حضرت کو مطالعہ کتب کا بیحد شوق تھا اور اس سے خاص دلچسپی تھی۔ گھنٹوں مطالعہ میں مصروف رہتے تھے۔ حضرت قبلہ گاہی مدظلہ فرماتے ہیں کہ حضرتؒ کی اکثر عادت شریف تھی کہ جب مطالعہ فرماتے تو دونوں کہنیاں زمین پر ٹیک کر تشریف رکھتے اور کتاب سامنے کھلی رہتی۔ چنانچہ ہم نے حضرت کو اسی طرح تشریف رکھے مطالعہ میں مسلسل چار چار گھنٹے منہمک دیکھا ہے۔ حضرت حقہ کے عادی تھے۔ مطالعہ کے لئے تشریف رکھتے تو حقہ سامنے رکھا ہوتا ایک آدھ کش آپ کھینچتے اور مطالعہ میں مصروف ہو جاتے تو اس قدر انہاک ہو جاتا کہ حقہ ٹھنڈا ہو جاتا مگر حضرت کو خبر تک نہ ہوتی۔ پھر جب خیال آتا اور نیچہ اُٹھا کر کش لگاتے تو حقہ جل گیا ہوتا فرماتے کہ ''ارے حقہ ٹھنڈا ہو گیا''۔

بسا اوقات مجھے یاد فرماتے کہ ''یحییٰ! حقہ بھر دو'' (چونکہ میں اکثر حضرت کی خدمت مبارک میں رہا کرتا تھا اور حقہ کا خاص انداز سے بھرنا حضرت ہی نے بطور خاص مجھے سکھایا بھی تھا اس لئے اکثر مجھے ہی یاد فرمایا کرتے تھے کیونکہ دوسروں کا بھرا ہوا حقہ پسند نہ آتا تھا) میں فوراً حکم کی تعمیل کرتا۔ پھر آپ ایک آدھ کش کھینچتے اور مطالعہ میں مشغول ہو جاتے پھر حقہ ٹھنڈا ہو جاتا۔ اسی طرح کئی کئی بار حقہ بھرنے کی ضرورت ہوتی۔ اکثر اوقات لیٹے ہوئے بھی مطالعہ فرماتے تھے۔ آپ کے تمام کتب خانہ کی کتابیں غیر مجلد ہیں جو مجلد بھی تھیں ان کی پیش قیمت جلدیں آپ نے توڑ دیں کیونکہ لیٹے ہوئے مطالعہ میں مجلد کتاب تکلیف دہ ہوتی ہے۔

آپ کا کتب خانہ بیحد وسیع تھا لیکن باوجود اس کے بھی آپ کو اس قدر شوق تھا کہ جب

کوئی اچھی کتاب نظر سے گزرتی تو آپ خرید ہی لیتے چنانچہ ہر ماہ ایک دوئی کتابیں ضرور خرید فرماتے رہتے تھے۔ مولانا سید عبدالجبار صاحب قادری (جن کو حضرت سے بیعت حاصل تھی) بیان فرماتے تھے کہ ایک روز حضرت چوک تشریف لے گئے، میں بھی ساتھ تھا۔ ایک صاحب ایک کتاب لئے بیٹھے تھے آپ نے اس کو ملاحظہ فرمایا اور ان سے دام پوچھے۔ اُنھوں نے قیمت کچھ زیادہ بتائی مگر آپ نے کچھ اصرار نہ فرمایا بلکہ منہ بولی قیمت دیکر کتاب خرید لی۔ میں نے عرض کیا کہ ''جی! اس کے دام زیادہ بتائے جارہے ہیں۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ ''یہ جواہر بے بہا ہیں ان کو کون نکالنا چاہتا ہے لیکن نہیں معلوم کہ اس بیچارے کو ایسی کیا ضرورت درپیش ہے جو اسے بیچ رہا ہے''۔

آپ کے کتب خانہ کی تمام کتابوں کو دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک کتاب بھی اس میں ایسی نہیں ہے جو حضرت کی نظر سے نہ گزری ہو اور آپ کے کتب خانہ کی کتابیں تو یقیناً آپ کی نظر سے گزری ہی ہونگی۔ مولانا حسرت مدظلہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد ماجدؒ کی زبان سے بارہا یہ الفاظ سنے ہیں کہ ''اپنے کتب خانہ کی پوری کتابیں میں نے نہیں دیکھیں مگر خواجہ میاں صاحبؒ (یعنی حضرت) نے پوری کتب دیکھ لی ہیں کیونکہ حضرت اکثر اپنے بہنوئی (حضرت مولانا عبدالقادر صاحب) کے پاس کی کتابیں مستعار لاکر ملاحظہ فرماتے اور بعد مطالعہ واپس فرمادیا کرتے تھے۔ آپ مطالعہ بھی بہت تیز فرماتے تھے اور آپ کا حافظہ بھی بہت قوی تھا۔ چنانچہ ایک وقت حضرت اپنے بہنوئی (مولوی صاحب موصوف) کے پاس سے ایک ضخیم کتاب لائے اور اسی روز شام تک اس کو واپس فرمادیا۔ مولوی صاحب ممدوح کو خیال گذرا کہ حضرت نے شائد پوری کتاب کا مطالعہ نہیں فرمایا کیونکہ اس قدر تھوڑے عرصہ میں اس پوری کتاب کا دیکھنا ممکن نہیں۔ دوسری دفعہ جب حضرت سے ملاقات ہوئی تو مولوی صاحب نے دریافت فرمایا کہ ''کیا آپ نے یہ کتاب پوری دیکھ لی۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ ''ہاں! میں نے پوری دیکھ لی'' مولوی صاحب اس جواب سے بیحد متحیر ہوئے۔ مختلف مضامین سے متعلق جس پر اس میں بحث کی گئی ہے استفسار فرمایا کہ آپ نے فلاں مسئلہ کو ملاحظہ فرمایا تو

آپ نے جواب میں اس کی پوری وضاحت فرمائی کہ ہاں! اس بارے میں اس طرح لکھا ہے بلکہ بعض بعض وقت تو آپ نے کتاب کی پوری پوری عبارت سنادی۔ جس کے بعد مولوی صاحب کی حیرت کی کوئی انتہا نہ تھی کہ اس قدر قلیل عرصہ میں جس کے کامل مطالعہ ہی میں شبہ ہورہا تھا وہ کتاب گویا یہاں حفظ ہوچکی تھی۔

O-O-O

آپ کے اخلاق و عادات

حضرت اسم با مسمیٰ خلق مجسم تھے طبیعت میں شرم و حیا بہت تھی۔ بزرگوں کا ادب، چھوٹوں کا لحاظ، والدین کی اطاعت بہت فرماتے تھے۔

والدین کی اطاعت

والد ماجد کے وصال تک آپ کے تمام کاروبار کے نگران والد ماجد ہی رہے (افسوس ہے کہ اس زمانہ کے تفصیلی واقعات بوجہ امتداد زمانہ ہمیں نہ مل سکے) والد ماجد کے وصال کے بعد والدہ ماجدہ کے زیر نگرانی آپ کے تمام کاروبار انجام پاتے رہے۔ حالانکہ آپ سن شعور کو پہنچ چکے اور متاہل ہو چکے تھے لیکن پھر بھی آپ اپنی اور دوسرے چھوٹے بھائیوں کی (جو والد ماجد کے وصال کے وقت بالکل کم سن تھے) تمام تنخواہیں والدہ ماجدہ کے سامنے پیش فرما دیتے وہ جو کھلاتیں کھاتے، جو وہ دیتیں لیتے، جو پہناتیں پہنتے، جو حکم دیتیں تعمیل فرماتے، کبھی کسی بات میں آپ کو تامل نہ ہوتا اور ہر وقت یہ خیال پیش نظر رہتا کہ والدہ ماجدہ کو کسی بات پر رنج نہ پہنچے حالانکہ والدہ ماجدہ خود آپ کا بیحد خیال رکھتیں اور احترام فرماتی تھیں جیسا کہ ہم نے اس سے پیشتر بیان کیا ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت اوقات کے بہت پابند تھے۔ والدہ ماجدہ کے زمانہ میں وقت مقررہ پر خاصہ کے لئے تشریف لاتے اگر دسترخوان تیار نہ ہوتا تو بلا کسی ایک لفظ فرمائے واپس ہو جاتے۔ حضرت کے واپس تشریف لے جانے پر والدہ ماجدہ ملازمین پر خفا ہوتیں کہ کیوں وقت پر ان کے لئے کھانے کا انتظام نہیں کیا گیا۔ دسترخوان پر تشریف رکھتے اور اگر کبھی کوئی سالن پسند خاطر نہ ہوتا تو جلد ہاتھ کھینچ لیتے مگر والدہ ماجدہ کے خیال سے کبھی کسی ملازمہ وغیرہ سے یہ نہ فرماتے کہ آج فلاں سالن خراب کیوں پکایا گیا۔ حضرت کی دست کشی پر آپ کی

والدہ ماجدہ سمجھ لیتیں کہ آج کھانا پسند نہیں آیا۔ بعض اوقات ایسا ہوتا کہ حضرت کھانا برابر تناول نہ فرمانے کی وجہ آپ کے محل مبارک میں علیحدہ خفیہ طور پر سالن وغیرہ تیار کرواتیں اور آپ سے عرض کرتیں تو آپ اس کو تناول فرمالیا کرتے مگر اس کا بے حد خیال رہتا کہ اس علیحدہ انتظام کی اطلاع والدہ ماجدہ کے کانوں تک نہ پہنچنے پائے کہ مبادا رنج پہنچنے کا باعث ہو۔

والدہ ماجدہ کے پاس کے ملازمین، چھوکریوں وغیرہ پر خواہ وہ کیسا ہی قصور کیوں نہ کریں نہ کبھی خود خفا ہوتے اور نہ اپنے محل میں اس کی اجازت دیتے۔

بھائیوں کے ساتھ سلوک

والد ماجد کے وصال کے وقت سوائے حضرت کے باقی دوسرے بھائی سب چھوٹے تھے اس لئے والد ماجد کے سامنے صرف آپ کی، اور آپ کی بہن (محل حضرت مولوی عبدالقادر صاحب صدیقی) کی شادی ہوئی، والد کے بعد والدہ محترمہ سب کی کفیل تھی۔ والدہ کے سامنے منجھلے بھائی (یعنی حضرت احمد علی شاہ صاحب) کی شادی ہوئی۔ دوسرے دو چھوٹے بھائی چونکہ ابھی کمسن تھے۔ اس لئے ان کی شادیاں نہ ہوسکیں۔ والدہ کے بعد ان چھوٹے بھائیوں کی ہر طرح کی نگرانی وغیرہ سب آپ کے ہی ذمہ ہوئی جس کو آپ نے اس خوبی کے ساتھ انجام دیا جیسا کہ ایک شفیق باپ اپنی اولاد کے ساتھ کرسکتا ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ والد ماجد کے وصال کے وقت یوں تو دوسرے سب بھائی چھوٹے تھے لیکن یہ دو بھائی (یعنی حضرت مکی میاں صاحبؒ وحضرت سید عمر صاحبؒ) بہت صغیر سن تھے۔ ایک دفعہ والد ماجد کے وصال کے تھوڑے عرصہ بعد ان دونوں میں سے کسی ایک کی شرارت پر آپ نے تنبیہاً ایک طمانچہ مارا یا گوش مالی دی اور وہ روتے ہوئے والدہ کے پاس شکایت لے گئے چونکہ والد کا انتقال ہو کر زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا۔ غم تازہ تھا والدۂ محترمہ کا دل دُکھا ہوا تھا۔ والدہ نے آپ کو یاد فرمایا اور غمگین لہجہ میں آپ سے فرمایا کہ میاں! یہ بچے یتیم ہوگئے ہیں، تم ان کو اس طرح مار پیٹ کرو گے تو کیسا ہوگا؟ والدہ کے اس ارشاد سے آپ اس قدر متاثر ہوئے کہ اس روز سے پھر کسی بھائی کو آپ نے ہاتھ نہیں لگایا اور نہ کسی بات پر خفا ہوئے۔

بعض اوقات بعض اصحاب نے توجہ بھی دلائی تو آپ انجان ہوتے رہے۔اس کے بعد جب ان کی جانب متوجہ ہوئے تو اس خوبی سے تربیت کی کہ ہر بھائی کو سرزمین دکن پر آفتاب کی طرح چمکا دیا یعنی آج ان کے حالات وغیرہ کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کو شموس دکن کہا جائے تو بجا ہے۔

تقسیم متروکہ پدری

بیان کیا جاتا ہے کہ والدۂ ماجدہ کے انتقال کے بعد جب سب بھائی ذی شعور ہو گئے تو آپ نے والد ماجد کے متروکہ کی تقسیم فرمائی۔متروکہ میں آپ نے تمام اچھی اچھی چیزیں اپنے بھائیوں کو عطا فرمائیں اور خود پرانے مستعملہ اشیاء کو اپنے لئے پسند فرمایا۔جب آپ کو توجہ دلائی گئی کہ اس ناکارہ سامان سے کیا حاصل ہے تو آپ نے فرمایا کہ یہی چیزیں بڑی کام کی ہیں کیونکہ یہ بزرگوں کے استعمال میں زیادہ رہی ہیں۔اس میں ان کے خیر و برکات ہیں۔

متروکہ پدری میں جائیداد غیر منقولہ سے کئی مکانات تھے جس میں اچھے بڑے اور قابل رہائش مکانات آپ نے بھائیوں کے قیام کے لئے عطا فرمائے اور خود چھوٹے سفالی مکانات اور کچھ افتادہ زمین لے کر اپنے منشاء کے مطابق وہاں جدید مکانات تعمیر کروائے اور اسی میں رہنے لگے۔

بھائیوں کی شادی

متروکہ پدری کی تقسیم کے بعد آپ نے اپنے چھوٹے بھائیوں کی ماہواریں جن کی ابھی شادی بھی نہیں ہوئی تھی انھیں کے تفویض فرمادیں اور فرمایا کہ اس کو جمع کرو تا کہ آئندہ تمہاری شادی بیاہ میں رقم کام آئے۔جب نسبتوں کا قرارداد ہوا اور شادی کی تیاری شروع ہوئی تو حضرت نے بھائیوں سے دریافت فرمایا کہ تمہارے پاس اب تک کس قدر رقم جمع ہے لے آؤ تو ہر دو بھائیوں کے پاس سے سوائے قلیل رقم کے کچھ نہ ملا۔پھر آپ نے اپنے پاس سے تمام رقم کا انتظام فرما کر شادی کی تیاری شروع فرمائی اور اس طرح تمام تقاریب عمدگی سے انجام پائے

جیسے شفیق والدین کے زیر سایہ انجام پاسکتے تھے۔ شادی کے تھوڑے عرصہ بعد آپ نے ہردو بھائیوں کے سپرد ان کا انتظام خانہ داری فرمایا۔ کہا جاتا ہے کہ جب آپ نے ان کے لئے علیحدہ انتظام فرمایا تو اس پر ہردو بھائی بہت مصر رہے کہ ہمارے لئے علیحدہ انتظام کی ضرورت نہیں ہم آپ ہی کے زیرنگرانی جس طرح آج تک گزارتے رہے اب بھی گزارنا چاہتے ہیں لیکن آپ نے ہردو کو سمجھا منا کر کہ ہماری خوشی ہے کہ ہم اپنے سامنے تمہاری گھر زندگی اور اپنے معاملات کو آپ سرانجام دیتے دیکھیں۔

ان واقعات کے دیکھنے سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ آپ کا سلوک بھائیوں کے ساتھ کیسا مشفقانہ تھا۔

بھائیوں کا ادب

لیکن اس جا یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ آپ کے بھائیوں کا ادب بھی آپ کے ساتھ ویسا ہی تھا جیسے سعادت مند بیٹے باپ کا کرتے ہیں۔ عام کہاوت ''بڑا بھائی باپ داخل'' کے ایک ایک حرف پر عمل تھا۔ غرض یہ تمام بھائی بھی حضرت کو والد ماجد ہی کی طرح سمجھتے رہے اور آپ کے ادب کا لحاظ اور تعمیل حکم اسی طرح کرتے تھے جیسے کہ والد کے ساتھ سعادت مند اولاد کرتی ہے بلکہ کچھ اس سے بھی زیادہ۔ یہاں ایک واقعہ کا اظہار نامناسب نہ ہوگا۔ مولانا شمس الدین صاحب صدیقی منصف وظیفہ یاب بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت احمد خیرالدین صاحبؒ کے وعظ میں حضرت تشریف لائے اور آپ کے ساتھ آپ کے تینوں بھائی ایسے مؤدب تھے جیسے کہ والد کے ساتھ بیٹے رہا کرتے ہیں۔ تمام سامعین محفل وعظ کی نظریں انھیں حضرات کی جانب لگی ہوئی تھیں اور نگاہوں ہی میں تحسین وآفرین ہورہی تھیں۔

بہن کے ساتھ برتاؤ

حضرتؒ اپنی بہن سے بہت محبت فرماتے تھے۔ بہن یا بہن کے بچوں میں کوئی بیمار ہوجاتا اور اس کی اطلاع آپ کو ملتی تو آپ فوراً خود تشریف لے جاتے، زنانہ کو روانہ فرماتے۔

علیٰ ہذا بہن بھی آپ کا بیحد ادب واحترام فرماتی تھیں اور آپ کے ساتھ ان کا بھی یہی طرز تھا کہ ہر ذرا سی بات میں برابر حصہ لیتی تھیں۔

آپ کی بہن نے آپ کے سامنے انتقال فرمایا بوقت انتقال بہن کی اولاد میں صاحبزادے ایک صاحبزادی تھی (جس کی تفصیل مختصر شجرۂ خاندانی سے جس کو ہم نے آگے نقل کیا ہے، معلوم ہوسکتی ہے) ہمشیر نے بوقت انتقال اپنی اولاد سے متعلق آپ کو وصیت فرمائی تھی، جس کا آپ کو اور آپ کے محل میں اس قدر خیال رہا کہ ہمیشہ ہمشیر کے بچوں کو اپنے بچوں کے برابر سمجھتے رہے۔ محل حضرت مولانا فضل مدظلہ بیان فرماتی ہیں کہ متعدد دفعہ ایسا ہوتا کہ آپ کے محل میں یعنی پیرانی بی صاحبہ (حضرت کے محل مبارک کو سب لوگ اسی نام سے پکارتے تھے) ہم کو کسی جگہ ساتھ لے جاتیں اور لوگ آپ سے دریافت کرتے کہ آپ کو کتنے بچے ہیں تو آپ فرماتے کہ مجھے پانچ بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔ یعنی اپنے بچوں کے ساتھ دونوں بھانجوں اور ایک بھانجی کو بھی شامل فرمالیتی تھیں اور بھانجی بہوؤں کے ساتھ بھی بالکل بیٹیوں کا سا سلوک رہتا۔ اجنبی لوگ یہ سمجھ نہ سکتے تھے کہ یہ بھانجی بہو ہے یا حقیقی بیٹی۔

حضرت سید شاہ اصغر حسینی چشتی علیہ الرحمۃ جانشین حضرت شاہ خاموش علیہ الرحمۃ (جو آپ کے بھانجے داماد ہوتے تھے) بیان فرماتے کہ خوشدامن صاحبہ کے انتقال کے بعد سے حضرت نے میرے ساتھ بالکل ایسا ہی محبت کا برتاؤ فرمایا جیسا کہ حقیقی سسر کا داماد کے ساتھ رہتا ہے۔ مہینوں مجھے معہ زنانہ بلا کر مہمان رکھتے۔ عیدین میں برابر رسم و رواج کے مطابق سلوک فرماتے۔ ہمیشہ ہر بات میں خیال رکھتے۔ کبھی یہ محسوس ہونے نہیں دیا کہ ہماری خوش دامن صاحبہ کا انتقال ہوگیا ہے۔

سُسرال و عام برادری کے ساتھ طرز

آپ اپنے خسر و خوشدامن صاحبہ کا بیحد احترام فرماتے اور ہمیشہ ان کا خیال رکھتے۔ برادران نسبتی یعنی حضرت مولانا سید غلام غوث صاحب شطاری و حضرت مولانا سید محمد علی صاحب شطاری علیہما الرحمہ کے ساتھ بیحد محبت ومودت سے رہتے۔ اسی طرح ان حضرات کا

بھی آپ کے ساتھ ایسا ہی طرز تھا۔ ہر دو برادران نسبتی کو آپ سے بیحد محبت تھی اور آپ کا احترام فرمایا کرتے تھے جس کا اندازہ قطعات تاریخ مندرجہ اذکار غیب سے جو آپ کے وصال کے بعد ان ہر دو برادران نسبتی نے تحریر فرمائے ہیں، ہوسکتا ہے۔

حضرت کا عام اہل قرابت کے ساتھ بھی ویسا ہی سلوک تھا، ہر ایک کے غم و مسرت میں برابر کا حصہ لیتے اور ان کے آڑے وقت کام آتے۔ صلۂ رحمی کے خیال میں ہمیشہ پیش نظر رہتا تھا۔

دارالشفاء والی بی بی سے ایک واقعہ مروی ہے کہ ایک دفعہ راوی صاحبہ کے فرزند کا ایک مقدمہ عدالت دارالقضاء بلدہ میں دائر تھا۔ اس زمانہ میں مفتی محبوب نواز الدولہ مرحوم ناظم عدالت تھے چونکہ راوی صاحبہ علاوہ قرابت کے نسبت غلامی بھی رکھتی تھیں اور رات دن خدمت میں حاضر رہنے کی وجہ حضرت کی نظر عنایت بھی زیادہ تھی اس لئے ان کے فرزند مولوی ضیاء الدین صاحب نے حضرت کی خدمت مبارک میں حاضر ہو کر تمام واقعہ عرض کیا اور آپ سے استدعا کی کہ اگر حضرت ایک سفارشی رقعہ عنایت فرمائیں تو میرا کام نکل جائے گا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ نہیں! چلئے میں خود چل کر مفتی صاحب سے کہتا ہوں اور ساتھ لئے مفتی صاحب کے پاس رونق افروز ہوئے۔ اولاً مفتی صاحب سے صاحب مقدمہ کا تعارف کرایا کہ آپ ان کو جانتے ہیں؟ یہ ہمارے اور آپ کے عزیز ہوتے ہیں ان سے یہ قرابت ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ ''ان کا فلاں مقدمہ آپ کے اجلاس پر ہے اور یہ حق بجانب ہیں۔ اگر آپ ان کے موافق تصفیہ کردیں تو آپ کے لئے باعث بھلائی ہوگا ورنہ آپ نقصان اُٹھائیں گے''۔ کہتے ہیں کہ مفتی صاحب علیہ الرحمہ آپ کی زبان مبارک سے یہ کلمات سن کر بیحد متاثر ہوئے کیونکہ وہ حضرت سے علاوہ محبت کے عقیدت بھی رکھتے تھے۔ عدالت کو جاتے ہی مثل طلب کی اور فوراً تعمیل حکم کردی۔

عام طرز

آپ کا عام طرز سب کے ساتھ یکساں تھا۔ ہر ایک کا بہت خیال رکھتے۔ اہل محلہ، ملازمین،

مریدین، معتقدین سب سے خوش خلقی سے پیش آتے ان کی خوشی وغمی میں شریک ہوتے۔

عبدالحلیم صاحب مرحوم بیان کرتے تھے کہ میرے حقیقی بھائی عبدالعظیم نامی نے حضرت سے داخل سلسلہ ہونے کا معروضہ کیا تو آپ نے اجازت نہ دی مگر چونکہ وہ تیاری کر چکے تھے کھانا تیار ہو گیا تھا، پھول آچکے تھے، مجبوراً انھوں نے حضرت فیض الدین شاہ صاحبؒ سے (جن کا مزار اندرون فتح دروازہ واقع ہے) بیعت کی۔ چند روز بعد عبدالعظیم صاحب کا انتقال ہو گیا تو میں نے اس خیال سے کہ ان کو حضرت سے تو بیعت نہیں ہے حضرت کو اطلاع نہ دی۔ صرف ان کے مرشد کے پاس اطلاع کرائی یکا یک حضرت خود تشریف فرما ہوئے اور فرمایا کہ تمہارے بھائی کا انتقال ہو گیا اس لئے میں آیا ہوں۔

چونکہ غسل وغیرہ ابھی نہیں ہوا تھا اس لئے آپ ان کے مکان کے سامنے کی مسجد میں جس کو لیموں والی مسجد کہتے ہیں تشریف رکھے اور اپنے برادر حضرت مکی میاں صاحب قبلہؒ کو غسل دینے کا حکم دیا، میت تیار کی گئی، مسجد میں نماز کے لئے لائے۔ اس عرصہ میں مرحوم کے مرشد حضرت فیض الدین شاہ صاحبؒ بھی آچکے تھے، امامت کے لئے مرحوم کے مرشد نے حضرت ہی کو بڑھایا۔ آپ ہی نے امامت کی۔ اس کے بعد تھوڑی دور ساتھ چلے اور حضرت مکی میاں صاحب قبلہؒ کو حکم دیا کہ قبر تک ساتھ جاؤ، دفن کے بعد فاتحہ پڑھ کر آنا کہ یہ میرا ہی مرید ہے۔

حضرت کو تنہائی بہت پسند تھی، چیخ پکار سے نفرت رہتی کیوں کہ اس سے آپ کے خیال اور محویت میں فرق آتا تھا۔

اپنے کسی کام کے بگاڑے پر خفا ہونا یا کسی پر بلاوجہ بگڑنا یا خفا ہونا آپ کی عادت میں داخل نہ تھا۔ ہاں! کسی پر جبر و تعدی کی جاتی یا کسی سے خلاف احکام شریعت کوئی فعل سرزد ہوتا تو آپ فوراً ٹوک دیتے اور بعض اوقات خفا بھی ہو جاتے مگر خفگی کی حالت میں بھی زبان سے ناشائستہ الفاظ نہ نکلتے ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ کا ہمیشہ خیال رہتا۔

آپ کے پاس کچھ نو مسلم پروردہ لڑکے لڑکیاں بھی تھے۔ ان پر بھی آپ کی نگاہِ کرم رہتی

ان کی بیحد ناز برداری فرماتے تھے۔

بیان[1] کیا جاتا ہے کہ پروردہ بچے بعض اوقات آپ کے ساتھ ناز بھری شوخی بھی کر جاتے تو آپ مسکرا کر خاموش ہو جاتے۔ اگر کوئی توجہ بھی دلاتا تو فرماتے کہ ان کی ماں ہے نہ باپ! اب یہ ہمارے ساتھ ناز نہ کریں تو کس کے ساتھ کریں گے۔

ہمدردی و جود و سخا

آپ فطرۃً ہمدرد و فیاض واقع ہوئے تھے۔ ہر ایک کے ساتھ خواہ وہ اپنا ہو یا پرایا، ہمدردی فرماتے حتیٰ کہ جانوروں کا بھی خیال رکھتے تھے۔

حضرت قبلہ مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ آپ کبھی خاصہ کے لئے تشریف رکھتے اور روٹی تناول فرماتے۔ اگر بلی آواز دیتی تو آپ مسکرا کر اس سے مخاطب ہو کر فرماتے کیا بھوک لگی ہے، کھانا کھائے گی، اور اپنے سامنے سے روٹی کے ٹکڑے توڑ توڑ کر اس کو ڈالتے جاتے جب تک وہ کھاتی جاتی آپ ڈالتے جاتے۔ جب وہ کھیلنا شروع کرتی تو آپ روٹی ڈالنا موقوف فرماتے۔

عبداللہ خاں صاحب جوکلی بیان کرتے ہیں کہ حضرت کے ایک خادم ابراہیم سالار نامی جوکل میں رہتے تھے۔ بیچارے بہت کثیر العیال اور جز معاش تھے۔ بڑی تکلیف سے ان کی بسر ہوتی تھی۔ ایک دفعہ گاؤں سے آکر ایک عرصہ تک حضرت ہی کے پاس ٹھہرے رہے۔ گاؤں میں ان کے بیوی بچے سخت حیران و پریشان تھے۔ ایک روز گاؤں سے ایک صاحب کے ذریعہ ان کی بی بی نے کہلوایا کہ ہم یہاں بھوکے پیاسے مر رہے ہیں اور آپ کو ہماری کچھ بھی خبر نہیں۔ آخر کب تک آپ وہاں ٹھہرے رہیں گے؟ جب یہ پیام انھیں پہونچایا گیا تو وہ بیحد برہم ہوئے اور کہنے لگے کہ ''میں کیا کروں اگر مرتے ہیں تو مر جانے دو۔ کیا چوری کروں کہاں سے لاؤں؟'' اس گفتگو کی آواز حضرت تک پہنچ گئی آپ فوراً اندر تشریف لے گئے۔ اتفاقاً اسی روز کچھ تنخواہ کی رقم آئی ہوئی تھی، آپ نے سو یا پچاس روپے لا کر انھیں سرفراز فرمایا،

---

[1] از: زہرہ بی صاحبہ

جب وہ رقم ان کو ملی تو وہ بہت متعجب ہوئے اور عرض کیا کہ میں اسے کیا کروں تو آپ نے فرمایا کہ یہ رقم لے جاؤ اور اپنے اہل و عیال کے لئے خورد و نوش کا انتظام کرو۔

بیان کیا جاتا ہے کہ سرما کا موسم تھا صبح کے وقت ایک روز حضرت باہر شال اوڑھے تنہا آرام فرما رہے تھے، گو آپ کی آنکھ نہ لگی تھی لیکن شال سر سے پیر تک اوڑھے ہوئے خاموش لیٹے تھے جس سے دیکھنے والے کو نیند کا شبہ ہوتا تھا۔ اس مقام پر سوائے حضرت کے کوئی اور نہ تھا۔ اتفاقاً ایک چور آموجود ہوا۔ جب حضرت کو تنہا آرام فرماتے دیکھا تو نزدیک آیا اور بہت دیر تک دیکھتا رہا اور آپ اسی طرح خاموش لیٹے رہے۔ جب اس کو یقین ہو گیا کہ آپ نیند میں ہیں تو آہستہ سے شال پر ہاتھ بڑھایا اور اس کو کھینچنا شروع کیا۔ شال کا کچھ حصہ آپ کے جسم کے نیچے بھی دبا ہوا تھا آپ نے اس کو بھی آہستہ آہستہ چھوڑ دیا اور اسی طرح خاموش لیٹے رہے کہ اس کو بیداری کا شبہ بھی نہ ہو سکے۔ جب وہ تمام شال کھینچ کر رخصت ہوا تو آپ وہاں سے اُٹھ کر اندر تشریف لائے اور کسی سے اس کا ذکر بھی نہیں فرمایا جب بعض لوگوں نے آپ سے شال کے متعلق دریافت کیا تو فرمانے لگے کہ آج ایک صاحب آئے تھے اور اس طرح لے گئے تو لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت وہ کون تھا؟ اور آپ نے اسے کیوں چھوڑ دیا تو فرمانے لگے کہ اب اس کے نام و نشان کی کیا ضرورت ہے؟ نہیں معلوم اس بے چارہ کو ایسی کیا ضرورت درپیش تھی جو آیا تھا میں بھی اسی خیال سے انجان ہو گیا اور آنکھیں میچ لیں کہ وہ اطمینان سے لے جا سکے۔ سبحان اللہ ع

خالی گیا نہ چور بھی در سے حضور کے

اور ایک واقعہ بھی اسی طرح مروی ہے کہ حضرت باہر قالین پر آرام فرما رہے تھے۔ ایک چور آیا۔ اِدھر اُدھر دیکھا تو کوئی نظر نہ آیا۔ آپ آنکھیں بند کئے ہوئے لیٹے تھے۔ خیال کیا کہ شائد آپ کی آنکھ لگ گئی ہے حالانکہ آپ بیدار ہی تھے۔ بہر حال تھوڑی دیر توقف کے بعد قالین کو کسی صورت آپ کے نیچے سے کھینچ لینے کی سوچی۔ قالین کے ایک کونے کو آہستہ کھینچ کر دیکھا۔ جب آپ نے اس کی اس نیت کا اندازہ لگایا تو زور زور سے خراٹے لینے لگے تا کہ اسے

اچھی طرح نیند کا یقین ہو جائے۔ اس کے بعد ایک کروٹ اس طرح بدلی کہ قالین چھوڑ کر نیچے آ گئے اور وہ قالین سمیٹ کر چلتا بنا۔ اس طرح متعدد طریقوں سے جودو کرم کا دریا بہا ہے۔

جناب شاہ شرف الدین صاحب قادری بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ چوک کو تشریف لے گئے۔ ایک ضعیفہ کچھ پرانا سامان لئے بیٹھی تھی جس میں ایک تلوار بھی تھی۔ حضرت نے اس تلوار کے دام پوچھے تو اس ضعیفہ نے پانچ یا سات روپے بیان کئے آپ نے تلوار اُٹھالی اور قیمت دے دی۔ مکان تشریف لانے کے بعد آپ نے اپنے منجھلے برادر حضرت احمد علی شاہ صاحبؒ کو تلوار دکھائی اور اس کے متعلق رائے دریافت فرمائی تو ممدوح نے عرض کیا کہ ''حضرت اس کا پھل بہت اچھا ہے'' آپ نے یہ تلوار کتنے میں لی'' آپ نے دام فرمایا تو ممدوح نے عرض کیا کہ حضرت کو بہت سستی ملی ہے۔ یہ کسی صورت بیس روپیے سے کم قیمت کی نہیں ہے۔ آپ یہ سن کر خاموش ہو گئے اس کے بعد سے روزانہ تکملہ کی رقم لئے ہوئے چوک جاتے اور ہر ایک سے اس ضعیفہ کا پتہ دریافت فرماتے تا کہ وہ مل جائے تو اس کے تکملہ کی رقم اسے دی جائے۔ ہر چند آپ نے دریافت کیا لیکن کہیں اس کا پتہ نہ چلا۔ جس شخص سے آپ پوچھتے یہی کہتا کہ نہیں معلوم وہ کون تھی کہاں رہتی ہے؟ کافی عرصہ کے بعد اتفاقاً ایک روز وہ ضعیفہ پھر اسی طرح کچھ سامان لئے نظر آئی۔ آپ نے فوراً اس کے نزدیک پہونچ کر دریافت فرمایا کہ تم ہی نے مجھے تلوار بیچی تھی وہ ضعیفہ گھبرائی کیونکہ اس کے خیال میں وہ تلوار جس قیمت میں بیچی گئی تھی اس قدر مالیت کی نہ تھی، اس ضعیفہ نے خیال کیا کہ شائد وہ تلوار حضرت واپس فرمانا چاہتے ہیں۔ اس نے اس خیال سے گھبرا کر عرض کیا کہ میں نے دام کہے اور آپ نے تلوار لے لی۔ اب میرے پاس رقم بھی خرچ ہوگئی۔ آپ نے فرمایا کہ گھبراؤ نہیں۔ وہ تمہاری تلوار بہت اچھی ہے۔ اس نے پھر اسی طرح پریشان ہو کر جواب دیا کہ اگر اچھی ہے تو ہے خوب ہے تو ہے اب آپ لے چکے ہیں۔ آپ نے پھر اس کو تسلی دی اور فرمایا کہ میں واپس کرنا نہیں چاہتا بلکہ یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس کی قیمت اس سے زیادہ ہے جس قیمت میں کہ تم نے میرے ہاتھ بیچی ہے۔ اس کے تکملہ کی رقم ہے لو۔ تم ناواقف تھیں تمہیں علم نہ تھا کہ وہ کس مالیت

کی ہے تم نے اپنا نقصان کیا ہے۔ جب حضرت نے اسے اور رقم عطا فرمائی تو وہ مسرت سے پھولوں نہ سمائی اور حیرت واستعجاب سے کہ دنیا میں ایسے بھی خاصان خدا ہیں، دعائیں دینے لگی۔اس کے بعد حضرت وہاں سے واپس تشریف فرما ہوئے۔سبحان اللہ

رحم وکرم

آپ بہت رحم دل وکریم النفس تھے کوئی کیسا ہی قصور کیوں نہ کرے آپ اس کو معاف فرما دیا کرتے۔

بیان[1] کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ آپ پتھرگٹی کے راستے سے تشریف لا رہے تھے۔آپ کی عادت شریف تھی کہ راستہ چلتے تو بازو بازو سے چلتے چنانچہ حسب عادت آپ کنارے کنارے تشریف لا رہے تھے۔جسم مبارک پر چوبغلہ سر پر ٹوپی، ہاتھ میں چھوٹی سی تسبیح، کپڑے قدرے میلے تھے۔اتفاقاً آپ کے پیچھے سے ایک حمال اناج کا تھیلہ سر پر اُٹھائے آرہا تھا۔آپ کے لباس وضع وقطع سے اس نے آپ کو معمولی آدمی تصور کیا پھر تو اس کو مذاق سوجھا۔آپ کے قریب ہوا تو آپ بازو ہٹ گئے وہ اور قریب ہوا تو آپ اور ہٹے۔یہاں تک کہ راستہ کے بالکل کنارے چلنے لگے اس کے باوجود بھی اس نے قریب ہوتے ہوتے اس قدر زور سے ایک ٹکر دی کہ اس ٹکر سے آپ سنبھل نہ سکے اور قدم مبارک لغزش کر گئے آپ زمین پر گر پڑے۔ چونکہ اسی وقت پانی کا چھڑکاؤ ہوا تھا، زمین پر کیچڑ بھی تھا آپ کے تمام کپڑے کیچڑ میں بھر گئے کلاہ مبارک ایک طرف جا گری۔آپ نے ٹوپی لی اور کپڑے جھٹکتے ہوئے اس کو ایک لفظ فرمائے بغیر تشریف لے چلے۔راستہ والے دوکاندار یہ دیکھ کر دوڑے ہوئے آئے اور اس مزدور کو پکڑ کر مار پیٹ کی ٹھانی۔کوئی کہتا تھا کہ نالائق تو نے ان کو کیا سمجھا جو ایسی گستاخی کی؟ کوئی کچھ اور کوئی کچھ کہنے لگا۔جب اس شور وشغب کی آواز آپ کے کانوں تک پہنچی تو آپ فوراً پلٹے اور لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اس کو چھوڑ دو اس کا کوئی قصور نہیں وہ بیچارہ مجبور تھا کہ اس کے سر پر وزن تھا، قصوروار تو میں ہوں مجھے کنارے ہٹ کر چلنا چاہئے تھا۔آپ لوگ

---

[1] از جناب شاہ شرف الدین صاحب قادری

بجائے میرے اس کو کیوں ڈانٹ رہے ہیں؟ لوگوں نے ہر چند عرض کی کہ نہیں حضرت سب اس کی شرارت ہے۔ ہم جب سے دیکھ رہے تھے کہ وہ آپ کے ساتھ شرارت کیے جا رہا تھا۔ ہم آج اس کو سزا دیں گے۔ آپ اس میں کچھ نہ فرمائیے لیکن آپ نے سب کو سمجھا بجھا کر اس مزدور کو چھڑوالیا اور اپنے سامنے اس کو رخصت کر کے مکان تشریف لائے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کے پاس کا ایک چھوکرا فاضل نامی جوان تھا، بچپن سے آپ کے پاس ہی رہتا۔ گھر کے کام کاج کیا کرتا تھا ''جوانی دیوانی'' مثل مشہور ہے۔ آوارہ صحبتوں میں قابو سے باہر ہوگیا۔ ایک دفعہ حضرت کے تنخواہوں کی رقم آئی ہوئی قلمدان میں رکھی تھی چونکہ گھر کا بچہ تھا تمام باتوں سے واقف تھا کہ کونسی چیز کہاں رکھی جاتی ہے آپ کے غیاب میں موقع پا کر اس قلمدان کے ایک خانہ کو جس میں رقم رکھی ہوئی تھی اُٹھا لے گیا۔ جب حضرت باہر سے تشریف لائے اور کسی ضرورت کے تحت قلمدان کو دیکھا تو رقم نہ پائی۔ دریافت کیا تو کچھ پتہ نہ چلا۔ تمام گھر میں ہل چل مچ گئی کہ کون آیا تھا؟ رقم کس نے لی؟ لیکن کچھ معلوم نہ ہوسکا۔ حضرت تو صرف ایک دفعہ دریافت فرما کر خاموش ہو رہے۔ مگر آپ کے تمام خادمین کو اسی کی کھوج اور تلاش رہی اور وہ چھوکرا جو رقم لے کر چلتا بنا تو پھر صورت ہی نہیں دکھائی۔ سب کو اسی کی جانب شبہ ہوا۔ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ وہ آج دو تین روز سے جلسہ بازی میں مصروف ہے۔ بعض لوگوں نے اس کا پتہ چلایا اور گرفتار بھی کر لیا تو معلوم ہوا بہت ساری رقم صرف ہو چکی ہے اور اب بالکل تھوڑی سی باقی ہے۔ حضرت کے منجھلے برادر حضرت احمد علی شاہ صاحب قبلہؒ نے اس کو سپرد پولیس کرنے کی تجویز کی۔ جب آپ کو اس کا علم ہوا تو آپ بیحد خفا ہوئے اور اپنے بھائی سے فرمایا کہ خبردار! ایسی حرکت نہ کرنا۔ اگر اس نے کچھ رقم لی بھی تو میرے پاس سے لی تمکو اس کی کیا پڑی ہے البتہ اس کے پاس جس قدر رقم اب موجود ہے لے لو اور اس کو چھوڑ دو۔ حسب الحکم جس قدر رقم اس کے پاس موجود تھی اسے لے کر چھوڑ دیا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت کے پاس قدیم سے ایک ہندو خیاط آیا کرتا تھا۔ آپ اپنے اکثر ملبوسات کی سلوائی کا کام اسی سے لیا کرتے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ بازار سے کپڑا خرید کر لاتے

اور اس کے حوالہ کر دیتے کہ اس کے چوبغلے یا پاجامے سی کر لائے ۔ وہ اس کپڑے کو لے جاتا اور من مانے سی کر لا دیتا کبھی آپ نے اس سے پلٹ کر یہ نہیں پوچھا کہ اس کپڑے میں اتنے چوبغلے یا پاجامے ہوتے تھے اور تو نے اتنے کم کیسے لائے بلکہ وہ جس قدر لاتا لے لیتے۔

مولانا شرف الدین صاحب بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت نے بازار سے خرید کر ایک ململ کا تھان اس خیاط کو چوبغلے سینے کے لئے دیا۔ وہ اس تھان کو لے گیا اور تین چوبغلے سی کر لا دیئے۔ اتفاقاً اس روز حضرت کے برادر حضرت مکی میاں صاحبؒ بھی موجود تھے۔ جب وہ چوبغلے لایا تو برادر موصوف نے دریافت کیا کہ حضرت نے کتنا کپڑا دیا تھا۔ ارشاد ہوا کہ ایک تھان دیا تھا۔ صاحب موصوفؒ نے عرض کیا کہ حضرت تھان میں چھ چوبغلے ہوتے تھے۔ وہ صرف تین سی کر لایا ہے تو آپ نے فرمایا کہ وہ ہمیشہ تو دو ہی لاتا تھا۔ برادر صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اس نے کپڑا غائب کر دیا ہے اس سے باز پرس کرنی چاہئے تو آپ نے فرمایا کہ نہیں! رہنے دو اور بغیر ایک لفظ فرمائے اس کو اُجرت دے کر رخصت فرمایا اور اس کے بعد بھی ہر وقت اسی سے کام لیتے رہے اور وہ اسی طرح کرتا مگر کبھی آپ نے اس سے استفسار تک نہیں فرمایا۔

بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا کہ وہ تھان میں چار چوبغلے تیار کر کے لاتا آپ فرماتے کہ یہ چار کیسے؟ خیاط عرض کرتا کہ حضرت یہ تھان بڑا تھا (حالانکہ تھان اتنا ہی ہوتا ہے) یہ جواب سنتے اور مسکرا کر آپ خاموش ہو جاتے۔

حضرت قبلہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ آپ کے پاس قدیم سے ایک ہندو اصلاح ساز آیا کرتا تھا جو اپنے فن کے اعتبار سے کچھ زیادہ واقف بھی نہ تھا مگر حضرت کی اس پر نظرِ عنایت تھی۔ اس کا یہ حال تھا کہ جس وقت جی چاہتا آتا کوئی وقت مقرر نہ ہوتا۔ اکثر دوپہر میں آتا جس کی وجہ سے سبھوں نے اس کا نام ہی دوپہری رکھ دیا تھا، چونکہ وہ عرصہ سے آتا تھا اور حضرت کی عنایت بھی تھی، اس لئے شوخ ہو گیا تھا۔ جب کبھی آتا تو حضرت سے عرض کرتا کہ ''میاں اصلاح بنوایئے'' بعض وقت حضرت فرماتے کہ ''اس وقت میں کام میں ہوں پھر آ۔ پھر وہ عرض کرتا کہ

''نہیں میاں بنوا لیجئے'' پھر حضرت فرماتے کہ ''نہیں پھر آ'' پھر وہ اسی طرح عرض کرتا کہ ''نہیں میاں بنوا لیجئے'' اس کے اس بیجا اصرار پر خادمین کو بُرا معلوم ہوتا لیکن آپ کبھی خفا نہ ہوتے بلکہ ''کیا تنگ کرتا ہے بھئی'' ۔ فرماتے ہوئے اس کی طرف متوجہ ہو جاتے، اصلاح بنواتے وقت کبھی آئینہ بھی ملاحظہ نہ فرماتے، بس صرف تشریف رکھتے ۔ اس کے جس طرح جی میں آتا بال کترتا مگر آپ ایک لفظ بھی نہ فرمایا کرتے ۔ جب وہ عرض کرتا کہ جی اصلاح ختم ہوگئی تو آپ اُٹھ جاتے ۔

نوٹ: ''یہ اصلاح ساز حضرت کے وصال کے بعد بھی عرصہ دراز تک رہا جس کو ہم نے بھی دیکھا ہے ۔ جب کبھی حضرت کا ذکر مبارک آتا تو اس کی آنکھوں میں آنسو آجاتے اور وہ بیان کرتا تھا کہ ایک دفعہ حضرت نے مجھے ایک رومال سرفراز فرمایا تھا جس کو میں نے احتیاط سے اُٹھا رکھا ہے اور اپنے اہل وعیال کو وصیت کی ہے کہ جب میں مرجاؤں تو اس رومال کو میرے سینہ پر رکھ دینا تاکہ میری نجات کا باعث ہو ۔ بعض حضرات نے اس رومال کی خبر سنکر اس سے مطالبہ کیا کہ اگر تو وہ رومال ہم کو دیدے تو ہم تجھ کو اتنے روپیے دیتے ہیں مگر اس نے انکار کر دیا اور کہا کہ خوش قسمتی سے مجھے یہ چیز ملی ہے میں کسی قیمت میں اس کو دینا نہیں چاہتا'' ۔

مدح وستائش

آپ کو ستائش سے اس قدر تنفر تھا کہ اگر کوئی شخص آپ کی تعریف کرتا تو آپ کو ناگوار گزرتا، آپ کے چھوٹے بھائی حضرت سید عمر صاحب قبلہؒ مکہ مسجد میں بعد نماز جمعہ قرآن مجید کے ایک رکوع کی تفسیر بیان فرماتے تھے اور وعظ میں اکثر آپ بھی تشریف فرما ہوتے ۔ بسا اوقات منبر کے پیچھے چپکے سے جاکر بیٹھ جاتے ۔ اکثر ایسا ہوتا کہ جوں ہی آپ تشریف لے جاتے محفل میں ایک کیف پیدا ہو جاتا، اسی طرح ایک دفعہ حسب عادت آپ چپکے سے جاکر منبر کے پیچھے تشریف فرما ہوئے اور حضرت کے برادر موصوف کی نظر پڑ گئی، ممدوح پر وجدانی کیفیت طاری ہوئی اور اثنائے وعظ میں موصوف نے آپ کی طرف اشارہ کر کے آپ کی

تعریف شروع کردی کہ میرا پیرا یساز بردست ہے، ایسی شان والا ہے، کسی کو چشم بصیرت ہوتو دیکھے۔ اِدھر موصوف نے آپ کی مدحت سرائی شروع کی، اُدھر آپ کا چہرۂ مبارک غضب ناک ہوا۔ ایک رنگ آتا ایک رنگ جاتا تھا حتیٰ کہ وعظ ختم ہوا محفل برخاست ہوئی، حضرت سید عمر صاحب قبلہؒ نے جوں ہی آ کر قدم بوسی حاصل کی آپ خفا ہونے لگے کہ آج تم کو یہ کیا سوجھی کہ اس طرح منبر پر میری تعریف شروع کردی۔ برادر صاحب موصوف گھبرا کر معافی کے خواہاں ہوئے جس کے بعد ارشاد ہوا کہ بس آج سے مکہ مسجد کا وعظ موقوف کرو اور ہماری مسجد (یعنی مسجد النور قاضی پورہ) ہی میں بعد نماز جمعہ وعظ کیا کرو۔ چنانچہ اس تاریخ سے پھر آپ کے وصال تک مسجد النور ہی میں وعظ ہوتا رہا جب حضرت نے اس عالم سے پردہ فرمایا تو پھر مکہ مسجد میں وعظ شروع ہوا۔

کبر و نخوت سے نفرت

آپ کو ہر اس کام سے جس سے کبر و نخوت کا اظہار ہوتا، تنفر تھا اور جن لوگوں کو اپنی شان وتمکنت کا خیال رہتا آپ اُن سے ملنے سے بھی پرہیز فرمایا کرتے تھے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت اپنے والد ماجد کا عرس شریف ابتداء میں رسم ورواج زمانہ کے مطابق فرماتے تھے۔ رقعات بھی تقسیم ہوتے، دوست احباب، اہل قرابت مدعو کیئے جاتے۔ ایک دفعہ اسی عرس کی تقریب میں ایک مولوی صاحب بھی مدعو تھے جو آپ کے بچپن کے ساتھی تھے۔ دسترخوان تیار ہوا، آپ سب کو کھانے کیلئے لے گئے۔ حضرت کی عادت شریف تھی کہ آپ دروازہ پر انتظام کرنے اور لوگوں کو دیکھ دیکھ کر چھوڑنے کو بُرا خیال فرماتے تھے اور اس قسم کے انتظام سے ہمیشہ منع فرمایا کرتے۔ اسی وجہ سے جو غرباء آجاتے وہ حضرت کے دروازہ پر تشریف لانے کے منتظر رہتے تاکہ مقام طعام پر بسہولت پہنچ جائیں۔ چنانچہ اس روز بھی حسب عادت آپ نے دروازہ پر جس قدر غریب لوگ بے دعوتی کھڑے تھے ان کو چھوڑ دیا۔ ان مولوی صاحب کے بازو ایک غیر معمولی آدمی کو جگہ ملی جس کے جسم پر لباس بھی صاف نہ تھا۔ یہ امر مولوی صاحب کو بہت ناگوار گزرا۔ ناگواری میں جلدی جلدی تھوڑا سا

کھا کر اُٹھے اور بعض لوگوں سے کہا کہ اگر بد مزگی سے انتظام نہیں ہو سکتا ہے تو کسی کو دعوت ہی نہ دینی چاہئے۔ جب یہ روایت حضرت کے کانوں تک پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ اُنھوں نے بالکل سچ کہا بے شک آج سے ہم کسی کو دعوت نہ دیں گے چنانچہ اس تاریخ سے پھر آپ نے اعراس میں دعوت کا طریقہ ہی مسدود فرما دیا۔ آج تک بھی اسی تقلید میں آپ کے سلسلے کے اکثر گھرانوں میں اعراس کے موقع پر دعوتی رقعات کی تقسیم بالکل موقوف ہے۔ جو چاہے آئے اور جو چاہے کھائے۔ اب ان تقاریب کے مواقع پر وہی اصحاب آتے ہیں جن کو خلوص و محبت ہے۔ ان کو نہ آؤ بھگت کا خیال رہتا ہے نہ عدم توجہ کی شکایت۔

استغناء

حضرت میں شان استغناء بہت تھی۔ امراء و حکام وغیرہ سے میل جول بھی پسند نہ فرماتے۔ امراءعظام قدم بوسی کے آرزو مندر رہتے۔ بہت کم ان کی یہ آرزو پوری ہوتی، متعدد دفعہ دعوت کے رقعے روانہ کرتے لیکن آپ اکثر تشریف نہ لے جاتے، دولت خانہ پر حاضر ہونے کی استدعا کرتے تو اجازت نہ ملتی۔ اس سے پیشتر آپ کے حلیہ ولباس مبارک کے باب میں نواب سر خورشید جاہ مرحوم کا ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے۔

حضرت قبلہ گاہی مدظلہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ صحن مسجد میں چار بجے تشریف فرما تھے، نواب صفدر یار جنگ سرکردہ پولیس بلدیہ حاضر ہوئے اور جوتا اُتار کر مسجد میں داخل ہونا چاہا۔ حضرت نے اپنی کلاہ مبارک ٹیڑھی کر لی اور پیر لانبے فرما دیئے اور ان کی طرف ملاحظہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ''ہم بانکے میاں کے نوکر ہیں کسی سے ڈرتے نہیں'' اس ارشاد کے ساتھ ہی سرکردہ صاحب موصوف پر ایسا اثر ہوا کہ اُتارا ہوا جوتا پھر پہن اور مسجد میں داخل ہونے کے ارادہ کو فسخ کر کے واپس چلے گئے مگر یہ راز کھل نہ سکا کہ اُن کی آمد کس غرض کے تحت تھی اور حضرت کا یہ ارشاد کس بناء پر تھا؟ لیکن آثار سے یہ پایا جاتا تھا کہ غالباً وہ کچھ سرکاری پیام لے کر حاضر ہوئے تھے۔

جب حضرت نے اس عالم سے پردہ فرمایا تو سرکردہ صاحب موصوف پچھاڑیں کھا کھا کر

رورہے تھے اور کہتے تھے کہ ہائے! میں نے بڑی غلطی کی جو ایسی زبردست ہستی کو کھودیا اور کچھ حاصل نہ کیا۔

حضرت قبلہ گاہی مدظلہ بیان فرماتے ہیں کہ آپ کو علاقہ نواب سرخورشید جاہ مرحوم سے مبلغ چودہ روپیہ سکہ عثمانیہ ماہوار ملا کرتے تھے اور نواب موصوف کے اسٹیٹ کا نقیب خود مکان پر تنخواہ لاکر پہنچادیا کرتا تھا۔ ایک دفعہ آپ مراقبہ میں تھے کہ نواب صاحب موصوف کا نقیب ماہوار لے کر حاضر ہوا۔ حضرت کو مراقب دیکھ کر کچھ دیر انتظار کیا۔ اتفاقاً اس روز خادمین میں سے بھی کوئی حاضر نہ تھا۔ اس لئے کچھ دیر انتظار کے بعد وہ آگے بڑھا اور آپ کو پہلے آواز دی۔ بعدازاں ہاتھ سے ہلاکر اپنی طرف متوجہ کیا۔ اس وقت اس کی اس حرکت سے آپ بہت ناراض ہوئے کیونکہ آپ کی کیفیت میں اس کی وجہ فرق آگیا اور نامعلوم کہ اس وقت کن واقعات کا انکشاف ہورہا تھا۔ آپ نے اس سے سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ میں تمہارے نواب کا ملازم نہیں ہوں ماہوار واپس لے جاؤ مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ اس ملازم نے واپس جاکر ماہوار واپس کرتے ہوئے خزانہ پر تمام واقعات کا اظہار کیا، خزانہ سے نواب صاحب کے پاس عرض کیا گیا۔ نواب صاحب بہت پریشان ہوئے کہ نہیں معلوم کہ حضرت کے اس عتاب کی وجہ سے کیا آفت آئے۔ آخر نواب صاحب نے مفتی محبوب نواز الدولہ مرحوم کو بلوایا اور ان کے ذریعہ حضرت کے پاس معافی کہلوائی اور عرض کیا گیا کہ اس ماہوار کو قبول فرمائیں۔ مفتی صاحب نے ہر چند عرض کیا لیکن آپ نے آئندہ ماہوار لینے سے قطعاً انکار ہی فرمادیا۔ بالآخر مجبور ہوکر مفتی صاحب موصوف نے وہ ماہوار نواب صاحب کے پاس سے منگوا کر اپنے پاس جمع کرنا شروع کیا تاکہ کسی ضرورت کے وقت ترکیب سے اس کو حضرت کی خدمت میں پیش کیا جاسکے۔ مگر مفتی صاحب کو آپ کے وصال تک اس کا موقع نہ مل سکا۔ جب حضرت کا وصال ہوا تو انھوں نے اس ماہوار کی مجتمع رقم کو حضرت کے محل محترم کی خدمت میں پیش فرمادیا اور کوشش کرکے اس جائیداد کو آپ کے چھوٹے صاحبزادہ حضرت سید محمد باقر حسینی صاحب کے نام جاری کردیا جو آج تک جاری ہے۔

حضرت قبلہ مدظلۂ العالی بیان فرماتے ہیں کہ ایک پیرہن جن کو آپ کے والد ماجد قدس سرہٗ سے بیعت تھی اور جو حضرت کرامت شاہ دولہ علیہ الرحمۃ کی بی بی تھیں۔ان کے نام حضرت کرامت شاہ دولہؒ کے عود وگل سے متعلق ماہانہ ۵۰ روپئے اور عرس کے لئے سالانہ ۳۱۰ روپئے سرکار سے ملا کرتے تھے اور ان کو کوئی اولاد بھی نہ تھی (اس زمانہ میں یہ طریقہ رائج تھا کہ معاشدار اپنی معاش کو کسی بھی عزیز وغیرہ کے نام اپنی زندگی میں عوض روبرو کرواسکتا تھا اور شاہان سلف بلحاظ پرورش اس قسم کی منظوریاں عطا فرمادیا کرتے) ان بی بی کا کچھ محلات شاہی سے بھی تعلق تھا اس لئے اُنھوں نے ایک دفعہ حضرت سے معروضہ کیا کہ ''مجھے کوئی اولاد نہیں اس لئے میرا ارادہ ہے کہ اس معاش کو آپ کے نام منتقل کروادوں، حضرت اس کی اجازت مرحمت فرمائیں'' اس کے جواب میں حضرت نے فرمایا کہ میں اپنے والد ماجد کا جانشین ہوں۔ اب کسی اور کا جانشین نہیں ہوسکتا البتہ اگر تم اس طرح کرنا چاہتی ہو تو اس معاش کو منجھلے میاں (حضرت احمد علی شاہ صاحبؒ) کے نام جاری کروادو کیونکہ وہ مفتی صاحب کے داماد ہونے والے ہیں۔انھیں اس کی ضرورت ہے۔(مخفی مبادکہ اس وقت حضرت احمد علی شاہ صاحبؒ کی حضرت مفتی محبوب نواز الدولہ مرحوم کی صاحبزادی سے نسبت تھی، حضرت موصوف کی آمدنی کم تھی اور مفتی صاحب مرحوم کے پاس امیرانہ شان وشوکت) بالآخر ایسا ہی ہوا کہ وہ معاش حضرت کے حکم کے تحت حضرت احمد علی شاہ صاحبؒ کے نام جاری ہوئی جو آج تک ان کے خاندان میں چلی آرہی ہے۔سبحان اللہ لوگ اپنے اور اپنی اولاد کے لئے معاشوں کے حصول میں ممکنہ جدوجہد کرتے اور قسم قسم کے اثرات ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں کہ بہرصورت معاش ہاتھ آجائے لیکن حضرت کا یہ حال تھا کہ ازخود بلاکسی خواہش کے بھی معاش پیش کی جاتی ہے تو آپ انکار فرمادیتے ہیں۔

اسی طرح مال ومتاع سے متعلق بھی حضرت کا یہی حال تھا۔چنانچہ حضرت قبلہ گاہی مدظلہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت کے ایک خادم کا (جو خاندان شاہی سے تعلق رکھتے تھے) انتقال ہوگیا جو بہت مالدار تھے۔ان کے انتقال کے بعد حسب طریقۂ قدیم مرحوم کا سامان

ایک فہرست کے ساتھ بغرض ایصال ثواب حضرت کی خدمت میں روانہ کیا گیا (قدیم زمانہ میں یہ طریقہ رائج تھا کہ جب کسی مرید کا انتقال ہو جاتا تو اس کا روزمرہ کے ضروریات کا سامان بغرض ایصال ثواب مرشدین کے پاس روانہ کیا جاتا۔ مرشدین اس سامان سے اکثر غریب واجب الرحم اشخاص کی امداد کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ہمارے چشم دید واقعات ہیں کہ اس قسم کے سامان سے بہت سی ایسی غریب لڑکیوں کی جن کے والدین مفلوک الحال تھے یا جن کا کوئی سرپرست نہ تھا شادی کا انتظام ہوا ہے۔ بہرحال ایصال ثواب کا یہ ایک بہترین طریقہ تصور کیا جاتا تھا) مؤلف۔

ان صاحب کے روانہ شدہ سامان کا اندازہ ہزاروں کا کیا جاتا ہے۔ جب یہ سامان آیا تو ساتھ کے ملازمین نے فہرست حضرت کے دستخط کے لئے پیش کی۔ آپ نے فرمایا کہ یہ سامان میں لینا نہیں چاہتا کیونکہ یہ ورثاء کا حق ہے لہذا واپس لے جاؤ۔ اس جواب سے لانے والے ملازمین پریشان ہو گئے کیونکہ میت کا سامان لے جانے کے بعد پھر واپس لانا شگون بد سمجھا جاتا تھا اور اس زمانہ میں توہم پرستی زیادہ تھی، دوسرے معاملہ امراء کا اس لئے جب ان ملازمین نے زیادہ اصرار کیا تو آپ نے فرمایا کہ اب میں ایک بات نہیں سن سکتا اُٹھاؤ اور فوراً لے جاؤ۔ اس کے بعد اور دوسرے لوگوں نے بھی معروضہ کیا کہ حضرت اس کو قبول فرمانا لیکن آپ نے کسی کی نہ سنی اور تمام سامان واپس فرما دیا۔

حضرت کی شان استغناء سے متعلق ایک اور واقعہ حضرت قبلہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک میستری سے ملاقات ہوئی جو گتہ داری کرتا اور بڑا مالدار تھا۔ اس نے مجھ سے دریافت کیا کہ آپ کے والد ماجد کا نام؟ تو میں نے حضرت کا اسم گرامی لیا، اِس نام مبارک کے سنتے ہی اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، کہنے لگا کہ حضرت کا مکان میرے ہی ہاتھ سے تیار ہوا ہے۔ اس وقت میں اوڑ تھا۔ یوں تو میں نے بہت سے نوابوں، جاگیرداروں کے پاس کام کیا ہے لیکن ایسی استغناء کی شان کسی میں نہیں دیکھی جیسی کہ حضرت میں تھی۔ مزدوروں کو لانا، تعمیر سے متعلق ضروری سامان کا مہیا کرنا، یہ سب کچھ حضرت نے میرے ہی ذمہ فرمایا تھا۔ میں

جب کبھی جا کر عرض کرتا کہ فلاں چیز ختم ہوگئی اس کے لئے اس قدر رقم کی ضرورت ہے یا آج کے مزدوروں کو اتنی مزدوری دینی ہے تو حضرت بلا کسی مزید استفسار کے فوراً اتنی ہی رقم دیدیا کرتے، کبھی آپ نے یہ دریافت نہیں فرمایا کہ آج کتنے مزدوروں نے کام کیا؟ یا فلاں چیز اس قدر جلد کیسے ختم ہوگئی؟ وغیرہ

ہم بالکل اسی طرح بے تکلف کام کیا کرتا تھے جیسے کہ اپنے گھر کا کام ہے۔ حضرت ہی کی دعا کی برکت ہے کہ آج میں معمولی اوڑ سے میستری بنا اور میستریوں میں بھی عزت کی نگاہ سے دیکھا جا رہا ہوں۔

عجز وانکسار

آپ کی طبیعت میں عجز وانکسار بہت تھا۔ ہر ایک کے ساتھ بہت انکسار سے ملاقات فرماتے اور اپنے آپ کو ایک معمولی آدمی سے زیادہ ظاہر ہونے نہ دیتے۔

آپ نماز جمعہ اکثر اپنے مکان کی مسجد میں ادا فرماتے۔ اس زمانہ میں جامع مسجد (مکہ مسجد) میں جمعہ کا کوئی خاص اہتمام نہ تھا جیسا کہ اس زمانہ میں ہے اس لئے آپ مکان ہی کی مسجد میں نماز جمعہ ادا فرمایا کرتے تھے۔ ابتدائی زمانہ میں امامت بھی خود ہی فرمایا کرتے اور اس قدر پراثر خطبہ ادا فرماتے کہ سامعین میں غیر معمولی رقت پیدا ہوتی مگر آخر زمانہ میں آپ اکثر امامت نہیں فرماتے تھے بلکہ اپنے بھائیوں میں سے کسی کو نماز پڑھانے کا حکم فرمادیا کرتے۔

ایک دفعہ نماز جمعہ کے لئے بہت دیر تک آپ کا انتظار رہا، جب آپ رونق افروز نہ ہوئے تو بھائیوں میں سے ایک صاحب نے خطبہ ادا فرما کر نماز پڑھائی۔ جب نماز ختم ہوئی تو سب کے پیچھے آپ بھی نماز ادا فرما رہے تھے اور آپ کے سر کے بال گیلے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ حمام سے فارغ ہونے کے بعد بال سکھائے بھی نہیں گئے۔ جسم مبارک پر جو پیرہن تھا وہ بعض مقام پر پھٹا ہوا تھا۔ سبھوں نے عرض کیا کہ پیرومرشد! آپ کی تشریف آوری کا ہم کو علم نہ ہوسکا۔ آج آپ اس طرح ہم سب کے پیچھے کیوں رونق افروز رہے؟ تو آپ کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے فرمایا بھائی! میں بہت گنہ گار ہوں آج اس لئے تم سب کے پیچھے چپکے سے آکر نماز ادا کی

کہ شائد تم سب کے طفیل سے خداوند عالم مجھ پر بھی کچھ فضل فرمادے۔ سبحان اللہ کیا انکسار کیسا عجز ہے ؎

جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے

خداوند عالم کا محبوب جن کے دامن سے لپٹ کر سینکڑوں نے نجات پائی جن کا وسیلہ لے کر ہزاروں نے عتاب الٰہی سے چھٹکارا پایا جس کے صدقہ میں لاکھوں دامن گل مقصود سے پر ہوئے۔ اس ذات مقدس کے خوف کا یہ عالم ہے فرماتے ہیں کہ ''شائد تم سب کے طفیل سے خداوند عالم مجھ پر بھی کچھ فضل فرمادے''۔ اس جا حضرت ہی کا ایک شعر نقل کیا جاتا ہے جس سے آپ کے خوف الٰہی کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے:

اے خلق سب کو ڈر ہے نیستاں میں شیر کا
ڈر مجھ گناہ گار کو ہے بال بال میں

تکلفات ورسوم سے بیزاری

آپ کو سادگی بہت پسند تھی۔ بیجا تکلفات کو پسند نہ فرماتے تھے، رسوم سے سخت کراہیت تھی۔ حضرت قبلہ گاہی بیان فرماتے ہیں کہ میری چھ یا سات سال کی عمر تھی، رمضان شریف کا مہینہ آیا، سحر کے وقت اکثر میں اُٹھتا اور سب کے ساتھ سحری کھاتا، صبح کہتا میں بھی روزہ دار ہوں۔ کھانے کے لئے مجھ سے بہت کچھ کہا جاتا مگر میں روزہ رکھنے پر مصر رہتا۔ اسی طرح کئی دفعہ گیارہ بارہ بجے دن تک میں نے کچھ نہ کھایا لیکن اس کے بعد سمجھا منا کر مجھے کھلا دیا گیا۔ ایک روز اسی طرح میں نے حسب عادت سحر کے بعد تقریباً نصف دن گزار دیا آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا تو میں نے عرض کی کہ جی! میں روزہ ہوں تو آپ مسکرا کر خاموش ہو گئے اور حضرت والدہ صاحبہ قبلہؒ سے فرمایا کہ اچھا افطار کی تیاری کرو، والدہ صاحبہ نے ہر چند کہا کہ یہ روزہ کیسا؟ نہ کچھ لباس بنایا گیا نہ اور کسی قسم کی تیاری کی گئی، نہ کسی کو اطلاع دی گئی (کیونکہ یہاں کے رسم ورواج کے مطابق روزہ کشائی کے موقع پر قریبی رشتہ دار مدعو کئے جاتے ہیں اور روزہ دار بچہ کے لئے نئے کپڑے بنائے جاتے ہیں) ایسا ہی ہے تو پھر آئندہ کسی روز روزہ

رکھایا جاسکتا ہے لیکن آپ نے کسی کی ایک نہ سنی اور فرمایا کہ ''سب ہو جائے گا، افطار تیار کرو اور مجھے ساتھ لیجا کر چوک سے کچھ کپڑا خرید فرمایا۔ فوراً ایک جوڑہ تیار کرایا گیا اور نہایت سادگی سے روزہ کشائی کی تقریب انجام پائی جس کا علم قریب وقت افطار تک آپ کے تینوں بھائیوں کو بھی نہ ہو سکا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ تقاریب کے مواقع پر خصوص کے ساتھ کہ عام رسم کے مطابق باجہ نوازی کو بھی آپ پسند نہ فرماتے بلکہ منع فرماتے اور فرماتے کہ شادی کے موقع پر اعلنو بالدفوف کا حکم ہے اس لئے دولہا کے ساتھ اگر باجہ رکھا جائے تو درست اس کے علاوہ باجے کا استعمال درست نہیں۔ علی ہذا القیاس تقاریب کے مواقع پر خویش و اقارب کے ہاتھ میں روپے رکھنے کے عام رواج کو بھی آپ ناپسند فرماتے اور اپنے پاس کی کسی تقریب میں کسی کو اس طرح ہاتھ میں روپے رکھنے کی اجازت نہ دیتے اور خود بھی اس طرح عمل نہ فرماتے تھے۔ اکثر فرماتے کہ یہ ایک مہمل رواج پڑ گیا ہے جس کی وجہ سے کبھی بعضوں کو سخت ندامت بھی ہوتی ہے کیونکہ ہر شخص اپنے حسب استطاعت سلوک کرتا ہے۔ ایسی صورت میں مالدار کے مقابل میں غریب کو سخت بار گزرتا ہے کہ ہم اس کے برابر سلوک نہ کر سکے۔ چنانچہ آج تک آپ کے گھر میں یہی رواج ہے کہ کسی تقریب کے موقع پر آپ کے گھر کے لوگ نہ خود اس طرح کسی کو دیتے ہیں نہ دوسرے کو اس طرح اپنے پاس کی کسی تقریب میں دینے کی اجازت ہے جس کی وجہ سے اس قدر آرام ہے کہ آپ کے گھر کے لوگوں کو کہیں جانا بار ہے نہ آپ کے پاس کسی تقریب میں کسی کو آنا بار۔ کاش یہ رواج عام ہو جائے اور بیجا تکلفات کا خاتمہ ہو کر آرام نصیب ہو کیونکہ ہماری نظر سے بعض واقعات ایسے بھی گزرے ہیں کہ محض ہاتھ میں روپیہ نہ ہونے کی وجہ بعض اصحاب نے قریبی رشتہ داروں کی اہم تقاریب میں شرکت نہیں کی اور بعد میں معافی چاہی کیونکہ تقریب میں شرکت کے بعد رسم و رواج کے مطابق عمل نہ کرنا موجب ذلت تصور کیا جاتا ہے۔

شادی کے موقع پر پُر تکلف پخت و پز کو بھی آپ نے ناپسند فرمایا اور اپنے صاحبزادے

حضرت سید عثمان حسینی صاحب قبلہ قدس سرہٗ العزیز کی شادی میں بگھارے کھانے کی پخت کی۔ اس پر قرابت واحباب و مریدین سے بعض حضرات نے توجہ بھی دلائی تو فرمایا کہ یہ بہترین غذا ہے۔ اس سے سستی کاہلی نہیں پیدا ہوتی۔ برخلاف اس کے بریانی سے سستی پیدا ہوتی ہے اور خدا کی یاد میں فرق آتا ہے۔

خلاف احکام شرع شریف جو بیجا رسوم جاری ہو گئے ہیں ان کو سخت ناپسند فرماتے، آپ کے ارشادات میں ایک ارشاد یہ بھی ہے:

''جس رسم و عادت کا شرع میں اچھا یا بُرا ہونا معلوم نہ ہوا اس میں دخل نہ دے نہ کسی کو اس کا حکم کرے نہ انکار جب تک کہ معلوم نہ ہو جائے''۔

بیان کیا جاتا ہے کہ تسمیہ خوانی کا جو عام رواج ہے یہ بھی حضرت کو کچھ پسند نہ تھا۔ اسی طرح قبور پر پھول چڑھاتے وقت سلام کے پڑھائے جانے اور سلام کے وقت سب کے کھڑے ہونے کو بھی آپ نے ناپسند فرمایا۔ اکثر فرمایا کرتے کہ میلاد شریف کے ذکر مبارک کے بعد سلام اور قیام مستحب ہے باقی ہر دفعہ سلام کے وقت قیام کا کہیں ثبوت نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر تو تشہد میں بھی سلام بھیجا جاتا ہے۔ درود شریف میں بھی سلام کے جملے استعمال کئے جاتے ہیں اور قیام نہیں ہوتا۔ اس لئے یہ عمل بیجا رسوم میں داخل ہے چنانچہ بعض بزرگان دین بالخصوص حضرت قطب الہند مولانا میر شجاع الدین صاحب قبلہ قدس سرہٗ کے عرس شریف میں آپ اکثر تشریف فرما ہوتے اور صندل مالی و چادر چڑھاتے وقت جب سلام خوانی ہوتی تو آپ اسی طرح اپنے مقام پر تشریف فرما رہتے۔ کبھی آپ نے قیام نہیں فرمایا۔ آپ کے والد ماجد علیہ الرحمہ کے عرس شریف کے موقع پر ابتداء حسب رواج بروز صندل، صندل مالی وغیرہ ہوا کرتی تھی بعد میں آپ نے اسی خیال کے تحت اس کو مسدود فرمادیا۔ وجہ اس کی یہ ہوئی کہ ایک دفعہ صندل مالی کے بعد آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ محفل میں سے ایک صاحب نکل کر صندل کے ہاتھ فوراً دھو دیئے اس پر آپ خفا ہوئے اور فرمایا کہ بزرگوں کے مزار پر جو صندل چڑھایا جاتا ہے ان ہاتھوں کو اس کراہت کے ساتھ دھو دیا جاتا ہے۔ یہ عمل سخت بدتمیزی و بے ادبی میں داخل ہے۔

یوں تو ابتداء ہی سے آپ کو یہ غیر مشروع رسوم ناگوار تھے۔اس پر یہ سوء ادبی بے حد ناگوار گزری۔اس لئے یکلخت آپ نے اس کو مسدود ہی فرمادیا۔چنانچہ اس کے بعد سے اب تک آپ کے گھرانے میں بروز صندل صرف ختم قرآن مجید ہوتا ہے اور پھول چڑھادیئے جاتے ہیں۔اسی طرح پھول چڑھانے میں بھی چادر اندازی کو آپ ناپسند فرمایا کرتے تھے۔

ادب واحترام

اظہار حق میں آپ کبھی کوتاہی نہ فرماتے، جب کبھی کوئی بات نامناسب معلوم ہوتی یا کسی کو غلط اقدام کرتے ملاحظہ فرماتے فوراً اس سے باز رہنے کی ہدایت فرماتے۔آداب کا بیحد خیال ملحوظ رہتا۔چنانچہ آپؒ کے برادر مفتی محبوب نواز الدولہ مرحوم کے پاس ایک تقریب تھی جس میں مہمانوں کو شیرنی تقسیم کی گئی۔وہ شیرینی اس طرح تقسیم ہو رہی تھی کہ پہلے کاغذ رکھ کر اس پر مٹھائی رکھی جاتی۔آپ کے پاس جو کاغذ رکھا گیا تو آپ نے اس کو ملاحظہ فرمایا کہ ایک مجلس عزاء کا اشتہار ہے جس پر حضرت سیدنا امام حسین علیہ السلام کا نام مبارک لکھا ہوا ہے۔ جب اس کاغذ پر مٹھائی رکھی گئی تو آپ سخت ناراض ہوئے اور اظہار افسوس فرمایا کہ کس طرح اوراق متبرکہ کی بیحرمتی کی گئی ہے۔(اس قسم کی بدعنوانیاں اب بھی ہوتی رہتی ہیں، متعدد دفعہ ردی میں ایسے متبرک اوراق بھی دستیاب ہوجاتے ہیں جن کے احترام کا لحاظ ہر فرد مسلم پر فرض ہے لیکن زمانے کی نئی ہوا نے اب تو اس قسم کے ادب واحترام ہی سے دنیا کو بے نیاز کر دیا ہے۔کسی بندۂ خدا کے دل میں یہ احساس بھی نہیں ہوتا کہ ایسے متبرک اوراق اگر مل جائیں تو کیا کیا جائے۔چنانچہ بعض دفعہ گندگی کی موری میں ہوا سے اُڑ کر پڑے ہوئے ایسے اوراق بھی ملتے ہیں جس کے دیکھنے کے بعد جسم کے رونگھٹے کھڑے ہوجائیں۔مساجد میں راستوں پر اشتہار تقسیم ہوتے ہیں، جن میں محترم اسماء لکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ناظرین کا یہ عالم کہ اشتہار دیکھا اور راستہ پر پھینک دیا۔اب وہ ہوا سے اُڑ کر کدھر بھی جائے۔بہر حال اللہ تعالیٰ ہم کو ادب واحترام کی توفیق عطا فرمائے)۔

حضرت اکثر اپنے مریدین ومتوسلین کو ادب واحترام کا خیال رکھنے شدت سے تاکید فرمایا کرتے کہ ''باادب بانصیب'' مشہور ہے۔ایک شاعر نے خوب لکھا ہے:

ادب فضلیست از تاج الٰہی　　بنہ بر سر برو ہر جا کہ خواہی

پابندی شریعت

حضرت کو پابندی شریعت کا بیحد خیال رہتا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا کہ ''یہی وہ سیدھا راستہ ہے جس میں کسی طرح کا خطرہ نہیں'' آپ نے اپنے متبعین کو ہر دم اس کا خیال رکھنے کی شدت سے تاکید فرمائی اور فرمایا کہ ''قرآن اور حدیث پر عمل کرو اس کو ہاتھ سے جانے نہ دو''۔ جیسا کہ ارشادات کے باب میں ہم نے صراحت کی ہے اور خود بھی اس قدر شدت سے خیال رکھتے کہ حدود شریف سے ذرا سا تجاوز بھی ناگوار خاطر گزرتا۔ چنانچہ میر روشن علی صاحب (جن سے حضرت کی ایک پروردہ لڑکی منسوب تھی) بیان کرتے ہیں کہ میری خالہ صاحبہ کو حضرت ہی سے بیعت تھی۔ ایک دفعہ خالہ صاحبہ نے آپ کی دعوت کی، آپ نے فرمایا کہ بروز دعوت میں خود آجاؤں گا۔ حسب وعدہ جب تشریف فرمائی ہوئی تو مکان دعوت سے عورتوں کے ڈھول بجا کر گانے کی آواز سنائی دی۔ اس آواز کے سنتے ہی آپ فوراً لوٹے، خالہ صاحبہ کو جب اس کی اطلاع ملی کہ آپ خفا ہو کر واپس ہو رہے ہیں تو وہ دوڑتے ہوئے آئیں اور آپ کو راستہ میں روک کر عرض کیا کہ حضرت یہ گانا میرے گھر نہیں بلکہ پڑوس کا ہے تب آپ ان کے ساتھ ہوئے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت کے والدین کے مزار پہلے گچ [1] کے پختہ بنے ہوئے تھے۔ بعد میں بہ خیال اتباع سنت و پابندی احکام شریعت آپ نے ان گچ کے مزار کو توڑ کر مٹی کے بنوادیئے۔ آپ کے اس عمل پر تمام برادری و احباب میں خوب نکتہ چینی ہوئی جہال نے جو جی چاہا کہا، لیکن آپ نے کسی کی پرواہ نہ کی۔

ظرافت وخوش مزاجی

آپ بعض اوقات لطیف مذاق بھی فرمایا کرتے۔ اکثر بچوں یا بوڑھوں سے ہنسی کی باتیں

[1] از: رہبر طریقت

فرماتے لیکن مذاق میں کبھی ایسی بات زبان مبارک سے نہ نکلتی جس سے کسی کا دل دُکھے اور رنج پہنچے یا وہ بات جو صداقت پر مبنی نہ ہو۔

حضرت قبلہ مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ اکثر جب آپ خاصہ کے لئے تشریف رکھتے تو اپنے والد ماجد کی ایک ضعیف خادمہ سے جن کا بہت لحاظ فرماتے تھے ہنسی کی باتیں فرمایا کرتے کیونکہ وہ بطور خاص آپ کے سامنے بٹھائی جاتی تھیں تا کہ آپ خاصہ اچھی طرح تناول فرمائیں۔ یہ بی بی افیون کی عادی تھیں۔ جب تک حضرت دسترخوان پر تشریف رکھتے یہ اِدھر اُدھر کے تذکرے چھیڑ کر آپ کی دل بہلائی کرتیں، آپ ان کی باتیں مسکراتے ہوئے سماعت فرمایا کرتے۔ بعض دفعہ آپ ہم سے مخاطب ہوکر فرماتے کہ ہم ایک نقل سناتے ہیں سنو اور کسی افیونی کا قصہ چھیڑ کر ان بی بی کو بار بار مسکراتے ہوئے ملاحظہ فرماتے جاتے۔

حضرت قبلہ مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ آپ ایک دفعہ اپنے ایک خادم محمد صاحب نامی چوبینہ فروش کے پاس دعوت میں تشریف لے گئے۔ دعوت سے فارغ ہوکر باہر برآمد ہوئے تو مکان دعوت کے سامنے جعفر صاحب میاں مجذوبؒ (جو بڑے صاحب کشف و کرامت بزرگ اور جن سے بلدہ کے اکثر لوگ بخوبی واقف ہیں) دکھائی دیئے کہ ایک ایک قدم اُٹھاتے اور تولے کھڑے ہیں (یہ ان کی عادت تھی کہ اسی طرح گھنٹوں میں راستہ طے کرتے تھے) آپ نے مسکراتے ہوئے ان سے دریافت فرمایا کہ ''جعفر صاحب کیا انڈے سے رہے ہو''۔ اُنھوں نے سر کھجاتے ہوئے نیچی نظر کرکے ادب سے جواب دیا کہ ''جی نہیں میاں! بچے نکالتا ہوں''۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ جناب شاہ شرف الدین صاحب قادری سے مروی ہے کہ یہی جعفر صاحب میاں مجذوبؒ اندرون احاطۂ مسجد النور اسی طرح قدم تولتے کھڑے تھے۔ اس وقت بھی آپ نے ایسا ہی استفسار فرمایا کہ ''کیا جعفر صاحب انڈے سے رہے ہو''۔ اُنھوں نے عرض کیا کہ ''جی نہیں میاں! بچے نکالتا ہوں''۔

ایک دفعہ حضرت مولانا حسرتؔ و حضرت مولانا فضل مدظلہما اور ان کے بھائی مولوی عبدالشاکر صاحب مرحوم کو حضرت کی ہم طعامی کا شرف حاصل ہوا۔ مولوی عبدالشاکر صاحب

تریاق سیاہ استعمال کرتے تھے۔ حضرت نے مسکرا کر فرمایا کہ دستر خوان پر عبدالشاکر موجود ہیں اور کچھ میٹھا نہیں ہے۔ ساتھ ہی دروازہ پر دستک دی گئی اور کہیں سے حصہ آیا۔ اس میں میٹھی سھریاں تھیں، آپ نے فرمایا کہ یہ عبدالشاکر کی ضیافت ہے۔

جانوروں کا شوق

آپ کو جانوروں کا بھی شوق رہا۔ جانوروں میں کبوتر کے دو جوڑے بعض دفع آپ کے پاس رہے لیکن ان پر کسی قسم کی قید و بند نہ تھی جہاں چاہیں جائیں اور جب چاہیں آئیں کیونکہ آپ جانوروں کے مقید رکھنے کو پسند نہ فرماتے اور اس طرح مقید کرنے سے منع فرماتے تھے۔ کبوتر اُڑانے یا لڑانے سے بھی منع فرماتے اور جو اس طرح کرتا اس پر خفا ہوتے تھے۔

آپ کے پاس چھوٹے گھوڑے (یابو) بھی بعض دفعہ رہا کرتے۔ گو آپ ان پر کبھی سوار نہ ہوتے مگر کوئی اچھا جانور نظر سے گزرتا تو خرید لیتے۔ ایک دفعہ آپ نے دو یابو خریدے اور گھر پر باندھ دیئے گئے۔ آپ کے خادمین سے ایک خادم حاجی عبداللہ صدیق صاحب جو میوہ کی تجارت کرتے تھے لیکن دوکان جیسی چاہے ترقی نہیں کی تھی۔ ایک روز آپ کی قدم بوسی کے لئے حاضر ہوئے تو آپ نے ان دو یابوں میں سے ایک یابو انھیں سرفراز فرمایا کہ ''اس کو لے جاؤ'' اُنھوں نے عرض کیا کہ حضرت اس کو کیا کروں تو ارشاد ہوا کہ ''اس کو تم اپنے پاس رکھو''۔

بیان کیا جاتا ہے کہ جس تاریخ سے وہ یابو سرفراز ہوا اس تاریخ سے ان کی تجارت میں ترقی شروع ہوئی۔ یہاں تک کہ تجارت لاکھوں تک پہنچ گئی اور اپنے ہم پیشہ اصحاب میں بڑی وقعت کی نظر سے دیکھے جانے لگے۔

اسی طرح دوسرا یابو بھی آپ نے ایک دوسرے خادم شیخ داؤد صاحب نامی کو سرفراز فرمایا جو دیہات میں معمولی حیثیت سے زندگی گزارا کرتے تھے۔ اس سرفرازی نے یہاں بھی عجیب تصرف کیا کہ انھیں بھی اسی تاریخ سے اس قدر ترقی ہوئی کہ آج دیہات میں وہ بڑی عزت و وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔

حضرت کی سیر و سیاحت

آپ کے سفروں سے متعلق ہم کو پورا مواد نہ مل سکا پھر بھی جس قدر معلومات بہم پہنچے ہدیہ ناظرین کئے جاتے ہیں۔

حج بیت اللہ شریف

آپ کا ابتدائی سفر حج وزیارت کی غرض سے والدین کے ساتھ ۱۲۷۹ھ و ۱۲۸۰ھ میں ہوا تھا۔ جس وقت غالباً حضرت کی عمر شریف بھی سولہ سترہ سال ہی کی تھی۔ اسی سفر میں آپ کے منجلے بھائی حضرت سید محمود مکی صاحب قبلہ قدس سرہٗ مکہ معظمہ میں تولد ہوئے۔ اسی وجہ آپ کا عرف ''مکی میاں'' تھا۔ وہ عام طور پر اسی نام سے پکارے جاتے تھے اور بعد میں اپنے والد ماجد کا سایہ سر سے اُٹھ جانے کی وجہ حضرت ہی کی زیر نگرانی تعلیم وتربیت ظاہری و باطنی سے مالا مال ہوکر سرزمین دکن پر آفتاب عالمتاب کی طرح چمکے، آج جن کا نام نامی کسی مزید تعارف کا محتاج نہیں ہے۔

حضرت سیدی خواجہ محبوب اللہ قدس سرہٗ العزیز کا دوسرا سفر حرمین شریفین بعد وصال والد ماجد علیہ الرحمہ آپ کی والدہ محترمہ کے ساتھ مع متعلقین ہوا۔ اس وقت آپ کے ہمراہ آپ کا زنانہ بھائی بہن (یعنی محل حضرت عبدالقادر صاحب صدیقیؒ) و بہنوئی بھی تھے۔ مولوی محمد فتح اللہ صاحب صدیقی جو حضرت مولوی عبدالقادر صاحب صدیقیؒ کے برادر خورد ہیں بیان فرماتے ہیں کہ میں صغرسنی سے ہی اپنے برادر محترم ہی کے زیر پرورش تھا اس لئے اس سفر کے موقع پر میں بھی ان کے ہمراہ تھا۔ اس سفر کے کیفیات بیان سے باہر ہیں۔ ہر جا عجیب وغریب کیفیت رہتی تھی۔ جہاز کا سفر، اونٹوں کا سفر عجیب پُر کیف تھا۔ اثناء راہ میں متعدد مقامات پر حضرت کے وعظ ہوتے، محافل وعظ بھی خاص ہوتی تھیں۔ حرمین شریفین کی حاضری میں بھی

ایک خاص کیفیت رہتی۔ قصہ مختصر یہ ہے کہ زبان اس کے بیان سے عاجز ہے۔ اہل حرمین حضرت کا بہت احترام کرتے اور آپ کو بزرگ سمجھتے تھے۔ بہت عرصہ تک حضرت مدینہ طیبہ میں قیام فرما کر واپس تشریف فرما ہوئے۔

حضرت بیان فرماتے تھے کہ جب میں مدینہ طیبہ پہنچا تو اس وقت تک مجھ پر کشف باطنی نہ ہوا تھا۔ ایک دفعہ میں اپنی قیامگاہ کی چھت پر جہاں سے روضۂ اطہر صاف نظر آتا تھا بیٹھ کر ذکر میں مشغول ہوا۔ پچاس مرتبہ لا الــــہ الا اللہ کا ذکر کیا تھا کہ انشراح قلب ہو کر سیر باطن سے سرفراز ہوا۔

سبحان اللہ! حضرت خواجہؒ پر اپنے نانا جان سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کرم سے بہ آسانی آن ہی میں اس نعمت سے مستفید ہوئے جس کیلئے دوسرے برسوں محنت شاقہ برداشت کرتے ہیں، سچ ہے:

ذرہ خورشید ہو قطرہ بنے دریا بیدم
جس پہ سرکار مدینہؐ کی عنایت ہو جائے

ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ یختص برحمتہٖ من یشاء

مکافات عمل اور سرفرازی میں بہت بڑا فرق ہے۔ لاکھ جزائے اعمال ایک سرفرازی کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ وہاں دینا چاہتے تھے حیلہ مطلوب تھا اس کو عمل کا بدل سمجھنا غلطی ہے۔

حضرت فرماتے تھے کہ مدینہ طیبہ کے زمانۂ قیام میں جنات سے سخت مقابلے رہے (مخفی مباد کہ یہ تمام واقعات ابتدائی زمانہ کے ہیں اسی زمانہ میں ایک رات خواب[1] دیکھا کہ ایک مقام پر اس قدر لوگ جمع ہیں کہ پاؤں رکھنے کے لئے جگہ ملنی دشوار ہے بمشکل تھوڑی دور اس مجمع کو طے کرتے ہوئے آگے بڑھا تھا کہ ان کی شکلیں نامانوس معلوم ہونے لگیں۔ سوال کیا کہ تم کون لوگ ہو؟ اُنھوں نے کہا کہ ہم جن ہیں۔ ان سے پوچھا کہ تمہاری خوراک کیا ہے۔ اُنھوں نے کہا کہ ہماری غذا کوئلے اور ہڈیاں! اور ہنستے ہوئے یہ بھی کہا کہ ہم انسان کو بھی کھا جاتے ہیں۔ ان کے ایسا کہنے سے آپ کو کسی قدر دہشت ہوئی۔ آپ نے یا غوث کہہ کر پکارا۔ یکا یک ایک

تخت ہوا پر اُڑتا ہوا نمودار ہوا جس پر حضرت پیرانِ پیر غوث الاعظم دستگیر رضی اللہ عنہ تشریف فرما ہیں اور فرماتے ہیں کہ خواجہ میاں! تم تو تم ہو، اگر تمہارے مرید کا بھی ان پر گذر ہو تو یہ جل مریں گے"۔ یہ ارشاد ہونا تھا کہ ان کی مجلس میں آگ لگ گئی اور تمام محفل درہم برہم ہو گئی۔

اس کے بعد حضرت پیرانِ پیرؒ نے آپ[1] کے سینہ بے کینہ پر ایک نام لکھ کر ارشاد فرمایا کہ جو کوئی اس کو پڑھے گا ہم اس کے خواب میں آتے ہیں۔ بس ایسا ہی ہوا کہ جب ضرورت محسوس ہوئی میں نے اس ارشاد کی تعمیل کی، فوراً میرے کام بن گئے اور تمام پریشانیاں رفع ہو گئیں۔ اس اسم مبارک کی حضرت نے بعض خاص خلفاء کو بھی اجازت دی تھی، جس کسی نے صدق دل سے اس کو پڑھا سرکار پیرؒ کے دیدار سے مشرف ہوا۔ پھر تو حضرت کا جنات پر بھی وہ اثر قائم ہوا کہ نام سے کانپ اُٹھنے لگے۔ چنانچہ زہرہ بی نامی حضرت کی پروردہ جو اس وقت حضرت کے ساتھ تھیں بیان کرتی ہیں کہ میں چھوٹی تھی۔ حضرت کے محل مبارک نے مجھے کسی کو بلا لانے کا حکم دیا۔ انھیں بلانے نکلی۔ مدینہ طیبہ میں ایک گلی جنات کے نام سے مشہور ہے جس کی دیواروں پر جا بجا عملیات کے کیلے نصب تھے۔ میں ان تمام واقعات سے ناواقف تھی۔ اس گلی سے گزری، سن کا مقتضا راستہ میں پیشاب کا تقاضا ہوا، اسی گلی میں بیٹھ گئی۔ کیونکہ راستہ میں راہرو نہ تھے۔ پیشاب سے ابھی فارغ بھی نہیں ہوئی تھی کہ یکا یک ایک شخص کو جو سفید پوشاک پہنے ہوئے تھا، دیکھی کہ میرے بازو سے گزرتے گزرتے مجھے ٹکر دی اور سر پر ایک چپت رسید کی، میں نے اس سے کہا کہ واہ واہ جاتے جاتے ٹکر بھی دیتے ہو اور پھر سر پر بھی مارتے ہو۔ اچھا ٹھہرو میں حضرت سے کہتی ہوں۔ اس کے بعد اُن صاحب کو بلانے گئی اور ان تمام واقعات کا ان سے ذکر کیا۔ وہ یہاں کے حالات سے باخبر تھے، اُنھوں نے مجھ سے استفسار کیا کہ تم کدھر سے آئیں۔ میں نے راستہ بتایا وہ سن کر خاموش ہو گئے اور گھر آنے کے بعد بیگم صاحبہ سے عرض کیا کہ اس بچی کو ادھر سے نہ آنے جانے دیجئے۔ ورنہ ایک نہ ایک روز اس کی جان پر بن جائے گی۔ یہ سن کر بیگم صاحبہ بھی مجھ پر خفا ہوئیں اور آئندہ احتیاط کے لئے مجھے تاکید فرمائی۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی دوسرا ہوتا تو نہ معلوم اس حرکت پر اس کی

---

[1] از: رہبر طریقت

کیا گت بنتی مگر چونکہ حضرت کا اثر تھا اس لئے آپ کے آدمی پر اس سے زیادہ ان کی دست اندازی نہ ہوسکی۔ واقعات مذکورہ بالا سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت کو ابتدائی سرفرازی بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے اور دوسری سرفرازی دربار غوثیتؒ سے ہوئی اور درجات کمال عطا ہوئے۔

قصبہ جوکل

حضرت کے چند خادمین موضع جوکل جاگیر علاقہ راجہ رائے رایاں میں (جوشمس آباد سے آگے واقع ہے) رہتے ہیں۔ اس موضع میں خادمین کے اصرار پر بعض تقاریب وغیرہ کے مواقع پر متعدد مرتبہ آپ تشریف لے گئے ہیں۔ شیخ داؤد نامی حضرت کے ایک خادم کے ہاں کسی تقریب میں حضرت تشریف لے گئے تھے، داعی صاحب نے اپنے بعض احباب کو بھی اس موقع پر مدعو کیا تھا، چنانچہ بعض قلعہ گولکنڈہ سے بھی آئے تھے۔ ان آنے والے مہمانوں میں بعض شوقین طبع بھی تھے جن کے لئے ناجائز انتظامات بھی کئے گئے تھے۔ (محمد وزیر صاحب صوبہ دار مرحوم جو بعد حضرت کے خاص خادمین میں ہو گئے تھے) بیان کرتے ہیں کہ اس وقت مجھے حضرت سے غلامی کی نسبت نہ تھی بلکہ میں حضرت سے واقف بھی نہ تھا البتہ اکثر اوقات شیخ داؤد جن کے ہاں ہم مدعو تھے حضرت کی تعریف کرتے اور بعض واقعات سناتے رہتے تھے جس کی وجہ مجھے حضرت سے ملنے کا اشتیاق تھا۔ اس تقریب کے موقع پر شیخ داؤد صاحب نے مجھے اور میرے ساتھی دو تین اصحاب کو پہلے ہی سے بلا لیا تھا اور چونکہ اس وقت ہم لغویات میں مشغول تھے۔ اس لئے ہمارے لئے کچھ پینے کھانے کا اہتمام ہوا تھا۔ گاؤں کے عاشور خانے میں بیٹھ کر اپنے اشغال میں مصروف تھے کہ یکا یک ہم میں سے بعض نے جو حضرت سے واقف تھے یہ کہہ کر بھاگنا شروع کیا کہ ''حضرت آرہے ہیں'' ہم بھی اس مشغلہ سے علیحدہ ہو کر بیٹھ گئے۔ اتنے میں دیکھا کہ حضرت میلا سا چوبغلہ، سر پر ٹوپی، کندھے پر موٹا رومال ڈالے بائیں ہاتھ میں بانس کی لکڑی، سیدھے ہاتھ میں چھوٹی تسبیح لئے آگے آگے اور آپ کے پیچھے پیچھے ایک دو صاحب اور بھی تشریف لا رہے ہیں۔ چونکہ میں پہلے سے واقف تھا اور نہ حضرت کا

لباس عام مشائخین کرام کی طرح تھا شناخت مشکل ہوئی اس لئے میں نے ساتھ والوں سے پوچھا کہ حضرت کونسے ہیں؟ لوگوں نے حضرت کو بتایا، اس کے ساتھ ہی ہمارے ساتھیوں میں سے ایک صاحب کی زبان سے نکلا کہ "یہ بوریے والوں کے مرشد ہوں گے، ہمارے کیوں ہوتے" میں نے یہ سن کر اپنے ساتھی کو ڈانٹا کہ بزرگوں سے ایسی گستاخی نہ کرنی چاہئے۔ خیر۔ چونکہ ہم زیادہ فاصلہ پر تھے اس لئے اس گفتگو کی آواز حضرت تک نہ پہنچی اور نہ حضرت نے ہم کو اچھی طرح ملاحظہ فرمایا۔ حضرت مکان پر تشریف لے گئے اور ہم پھر اپنے اشغال میں مصروف ہو گئے۔ تھوڑے عرصہ بعد میزبان نے ہم سے کہا کہ چلئے دسترخوان تیار ہے۔ ہم سب اُٹھے۔ جب پہنچے تو دیکھا کہ دسترخوان پر حضرت بھی تشریف رکھتے ہیں، اتفاقی بات کہ مجھے جگہ بھی ملی تو دسترخوان پر حضرت کے مقابل۔ بیٹھتے ہی حضرت نے اپنے دست مبارک سے تھوڑا کھانا مجھے سرفراز کیا اور اسی طرح تھوڑا تھوڑا ہمارے بعض ساتھیوں کو بھی، جس وقت ہم کھانے لگے تو ہم پر سرور کی کیفیت اچھی طرح طاری تھی، لیکن جب کھانا کھا کر اُٹھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا ہم نے کچھ نشہ کیا ہی نہیں، حالانکہ نشہ بھی معقول مقدار میں کیا گیا تھا۔ میں اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا کہ "بھئی! یہ تو بہت بڑے بزرگ معلوم ہوتے ہیں۔ دیکھو! فقط تھوڑا سا کھانا دیکر ہمارا سارا نشہ ہرن کر دیا اور ہم سب اپنی گستاخیوں پر سخت نادم ہوئے، چنانچہ اس کے بعد ہی میری عقیدت اور بڑھی اور روز بروز بڑھتی گئی یہاں تک کہ نسبتِ غلامی سے سرفراز ہوا۔

ایک اور مرتبہ بھی حضرت اسی موضع جوکل میں خادمین کے اصرار پر رونق افروز ہوئے تھے۔ آپ کے ساتھ آپ کے بھائی و صاجبزادے بھی تھے۔ عبداللہ خان صاحب (جو حضرت کے خادم ہیں) بیان کرتے ہیں کہ صبح کے وقت حضرت مکان کے باہر چبوترے پر تشریف فرما تھے اور تمام خادمین سامنے حاضر، آپ حقہ پی رہے تھے۔ مشرق کی جانب بار بار ملاحظہ فرماتے اور حقہ کا دم لیتے تھے۔ بالآخر دریافت فرمایا کہ کیا ادھر کوئی بزرگ رہتے ہیں یا کسی کا مزار ہے؟ خادمین نے عرض کی کہ حضرت کوئی نہیں البتہ حضرت محبوب سبحانیؒ کا چلہ ہے۔ آپ نے فرمایا

کہ نہیں کچھ فاصلہ پر کوئی ہیں؟ تو عرض کیا گیا جی ہاں حضرت جہانگیر پیر رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے جو یہاں سے چند میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ ارشاد ہوا کہ ہم چلیں گے۔ وہ ہم کو دعوت دے رہے ہیں۔ یہ سن کر سب خاموش ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت مردانے سے برخاست فرما کر زنانے میں تشریف فرما ہوئے جہاں کچھ قریبی قصبات کی عورتیں قدمبوسی کے لئے آ گئی تھیں۔ ملنے اور بات چیت کرنے میں ظہر کا وقت آ گیا۔ اس کے بعد آپ نے شکرام میں سوار ہو کر (جو حضرت کی سواری میں تھی) حضرت جہانگیر پیر رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی جانب رُخ فرمایا چونکہ فاصلہ زیادہ تھا اور یہاں دن کا زیادہ حصہ گزر چکا تھا، سواری بھی تیز رفتار نہ تھی، چلتے چلتے دیر ہو گئی اور سر مغرب درگاہ شریف پہنچے۔ فاتحہ خوانی سے فارغ ہو کر مراقب ہوئے۔ (مخفی مباد کہ حضرت جہانگیر پیر علیہ الرحمۃ حیدرآباد کے مشہور بزرگان دین میں سے ہیں۔ آپ کا مزار مرجع خلائق وزیارت گاہ خاص وعام ہے، مگر وہاں کی خصوصیات یہ ہیں کہ بعد مغرب کسی کو ٹھہرنے کی اجازت نہیں جس قدر زائرین حاضر ہوتے ہیں قبل مغرب ہی برخاست کر جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہاں کے خدمتی بھی بعد مغرب وہاں نہیں ٹھہر سکتے بلکہ قریب کے موضع میں رات گزارتے ہیں، جنگل میں ایک چھوٹی سی چوکھنڈی ہے اطراف وجوانب میں کوئی عمارت یا مکان بھی نہیں۔ وہاں کی اور خصوصیات کے منجملہ ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ صدہا زائرین روز بروز حاضر ہو کر بکرے ذبح کرتے اور پکوان کرتے ہیں جس کی وجہ سے کچرا کوڑا بھی خوب ہو جاتا ہے۔ جا بجا ہڈیاں، لکڑیاں، راکھ، کوئلہ، پیاز کی پتی، کھانے کے دانے وغیرہ کے ڈھیر لگ جاتے ہیں لیکن سب کے برخاست کے بعد جب صبح ہوتی ہے تو جنگل تمام صاف ستھرا دکھائی دیتا ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ تمام جنگل میں صفائی کی گئی ہے حالانکہ نہ کوئی جاروب کش ہی مقرر ہے نہ خدمتی۔ عوام میں یہ مشہور ہے کہ شیر آتے ہیں اور جنگل کی صفائی کر جاتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

خاصانِ خدا کے احوال ہماری عقلوں سے اسی طرح پرے ہیں جیسے ان کی کیفیات۔ قصہ مختصر چونکہ حضرت کو وہاں پہنچتے پہنچتے ہی مغرب ہو چکی تھی اسلئے وہاں تشریف رکھنے میں اور بھی دیر ہو گئی اندھیرا خاصا ہو گیا۔ جنگل میں ایک سناٹے کا عالم تھا کیونکہ سب برخاست کر چکے

تھے۔اس وقت یا حضرت تھے یا حضرت کے صاحبزادے اور خدام جو ہمراہ رکاب موجود تھے۔ حضرت کے منجھلے صاحبزادے، مولف کے والد ماجد قبلہ گاہ مدظلہ بیان فرماتے ہیں کہ میں بہت کم سن تھا اور یہ پہلے ہی سن چکا تھا کہ وہاں رات میں شیر آیا کرتا ہے تو جوں جوں رات کی تاریکی بڑھتی جارہی تھی میں گھبرا کر بار بار حضرت سے عرض کرتا جاتا تھا کہ اب چلنا چاہئے رات ہورہی ہے مگر حضرت مجھے اشارہ سے خاموش رہنے کی ہدایت فرماتے اور پھر آنکھیں میچ کر مراقب ہوجاتے۔جب مغرب کے بعد بھی کافی وقت گزر گیا اور تاریکی بہت بڑھ گئی، آٹھ بجنے کے قریب وقت آگیا تو میں نے شدت سے تقاضا شروع کیا کہ حضرت اب چلنا چاہئے۔ میں نے سنا ہے کہ رات میں یہاں شیر آتے ہیں، میرا جی ڈر رہا ہے تو حضرت نے کچھ خفگی سے مجھ کو ارشاد فرمایا کہ کیوں ڈرتے ہو کیا ہم نہیں ہیں؟ کس نے کہا تم سے کہ یہاں شیر آتا ہے؟ اور پھر اسی طرح تشریف فرمارہے۔ کچھ دیر خاموشی کے بعد میں نے پھر تقاضا شروع کیا تو بالآخر آپ یہ فرماتے ہوئے کہ یہ بچہ کیا ستاتا ہے؟ وہاں سے اُٹھے فاتحہ پڑھی اور فرمایا کہ دیکھو غلاف کے نیچے کیا ہے، ساتھ کے خادمین نے بڑھ کر دیکھا تو ایک کڑھائی بریانی کی گرم گرم رکھی تھی، معلوم ایسا ہوتا تھا کہ ابھی دیگ سے نکالی گئی ہے۔آپ نے فرمایا کہ ''اسے لے لو حضرت کی جانب سے ہماری دعوت کی گئی ہے'' تمام حاضرین کو حیرت تھی کہ رات کا وقت سب کو برخاست کئے عرصہ گزرا، یہ بریانی کہاں سے آئی؟ کون لایا؟ اور پھر اس قدر گرم کیسی؟ لیکن یہ معمہ حل نہ ہوسکا۔

وہاں سے برخاست فرماکر حضرت نے قریبی موضع میں رات بسر فرمائی۔پچھلی سے پہلے پھر جوکل تشریف فرما ہوئے۔عبداللہ خاں صاحب بیان کرتے ہیں کہ میں کوتوالی میں ملازم تھا نوکری سے فرصت نہ ملنے کی وجہ سے اس وقت حاضر نہ ہوسکا تھا۔حضرت کے گاؤں کو تشریف لے جانے کی خبر سن کر دوسرے روز جب گاؤں میں پہنچا تو معلوم ہوا کہ آپ حضرت جہانگیر پیر رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ شریف کو تشریف لے گئے ہیں۔رات میں اپنے گاؤں ہی میں قیام کیا، پچھلی سے حضرت کے لئے ناشتہ تیار کرواکر گاؤں سے روانہ ہوا، ابھی میں تھوڑی دور

ہی تھا کہ حضرت نے اپنے ہمراہیان رکاب سے ارشاد فرمایا کہ دیکھو عبداللہ خاں ہمارے لئے ناشتہ لے کر آرہے ہیں، سبھوں نے عرض کیا کہ حضرت کہاں ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اب آتے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد ہی میں پہنچا پھر حضرت نے راستہ ہی میں تھوڑی دیر ٹھہر کر ناشتہ فرمایا اور پھر گاؤں کی طرف تشریف لائے۔

باغوں کو روانگی

آپ کی عادت شریف تھی کہ اکثر بیرون شہر کسی باغ وغیرہ کو مع زنانہ تشریف لے جاتے اور ہفتہ عشرہ قیام فرما کر مکان واپس ہوتے۔ اس تفریحی سفر میں شائد یہ خیال پیش نظر ہوتا کہ مرد تو اکثر باہر نکلتے ہی رہتے ہیں لیکن عورتوں کو ایسے مواقع کم پیش آتے ہیں جس کی وجہ سے اکثر ان کی صحت متاثر رہتی ہے۔ زہرہ بی صاحبہ (حضرت کی پروردہ) بیان کرتی ہیں کہ آپ اکثر پہاڑی شریف کو ماما رمضانی کے مکان میں جس میں اب سرکاری مدرسہ ہے، تشریف لے جاتے۔ ہفتہ عشرہ قیام فرماتے۔ زمانہ قیام میں پخت وپز کا انتظام بھی عورتوں کے ذمہ نہ رہتا بلکہ مردانہ میں پیر بھائیوں کے تفویض فرما دیا کرتے تاکہ عورتوں کو سیر وتفریح کا اچھا موقع ملے۔ اس کے علاوہ بھی دوسرے باغوں کو بارہا تشریف لے گئے ہیں۔ جب کبھی کسی باغ کو جانے کا ارادہ ہوتا تو سرکاری رتھ خانہ سے رتھ مطلوبہ میں طلب فرما لیتے کیونکہ اس زمانہ میں شاہان سلف کی مراعات سرے سرکاری سواریاں معززین کو مطلوبہ میں ملا کرتی تھیں۔

ایک دفعہ آپ مع متعلقین اپنے پھوپیرے بھائی حضرت مفتی محبوب نواز الدولہ مرحوم کے باغ واقع درگاہ حضرت حسین شاہ ولی رحمۃ اللہ علیہ کو تشریف فرما ہوئے۔ آپ کے ہمراہ آپ کے تینوں بھائی اور چند مریدین بھی تھے اس زمانہ میں آپ کے محل میں حاملہ تھیں، تشریف لے جانے کے کچھ عرصہ بعد ہی آپ نے مراجعت کا ارادہ فرمایا اور حکم دیا کہ رتھ منگوائی جائے، ہم آج ہی واپس جائیں گے۔ تمام بھائیوں نے عرض کی حضرت آج ایک روز توقف فرمائیں تو کل ہم سب ہمراہ رکاب واپس ہوسکیں گے۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ نہیں! ہمیں آج جانا ضروری ہے، تم لوگ کل آسکتے ہو۔ میں آج نہیں ٹھہر سکتا، حضرت کو روکنے

کی بہت کوشش کی گئی لیکن ناکام رہی۔ رتھ آئی اور آپ سوار ہو کر دولت خانہ کو واپس ہوئے آپ کے محل میں فرماتی تھیں کہ جس وقت میں وہاں سے نکلی اس وقت تک میری طبیعت بالکل صاف تھی، کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ تھی لیکن جوں ہی میں نے مکان کے دروازہ میں قدم رکھا مجھے دردِ زہ محسوس ہونے لگے پچھلی کو زچگی ہوگئی اور آپ کے منجھلے صاحبزادے (حضرت قبلہ مدظلہ) تولد ہوئے۔ اس وقت سب کو معلوم ہوا کہ آپ نے جو عجلت سے واپسی کا قصد فرمایا تھا اس کا مقصد یہی تھا ورنہ جنگل کے مقام پر بڑی دشواریوں کا سامنا ہوتا۔

برہنہ صاحب نامی حضرت کے ایک خادم بیان کرتے تھے کہ میں حضرت کے ہمراہ باغ درگاہ حضرت حسین شاہ ولی صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں تھا، جب حضرت واپس ہوئے تو میں وہیں آپ کے برادران عزیز کے ساتھ ٹھہرا رہا۔ گرما کا موسم ہونے کی وجہ ہم سب زیر سماں سو گئے تھے۔ جس رات زچگی ہوئی اس رات میں آسمان پر بار بار روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ دوسرے روز جب حضرت کے سب برادر صاحبان باغ سے واپس ہوئے تو میں بھی ہمراہ آیا۔ آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ "تمھیں رات میں کچھ تماشا دکھائی دیا" میں نے رات کا تمام واقعہ عرض کیا کہ "واقعی رات میں متعدد دفعہ آسمان پر روشنی دکھائی دی"۔

اس ولادت کے بعد دو تین روز تک حضرت کا یہ حال تھا کہ تھوڑے تھوڑے عرصے سے بیٹھے بیٹھے یکا یک سروقد اُٹھ کھڑے ہوتے۔ بعض حضرات نے پریشان ہو کر عرض کیا کہ حضرت اس طرح بار بار کیوں اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ مزاج مبارک ناساز تو نہیں؟ تو آپ نے جواب دیا کہ نہیں، بزرگانِ دین مبارکباد دینے کیلئے تشریف لاتے ہیں تو تعظیماً اُٹھ کھڑا ہونا پڑتا ہے۔

مجاہدات

ریاضت واتباعِ حکم

حضرت کا ہر فعل حکم کی تعمیل میں ہوتا تھا چنانچہ حضرت قبلہ مدظلہ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت بعض وقت کھانے کے لئے تشریف رکھتے اور لقمہ اُٹھاتے اُٹھاتے ہاتھ روک لیتے۔ بعض دفعہ ایک آدھ لقمہ اُٹھاتے اور ہاتھ روک لیتے مگر کبھی آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ مجھے کھانا نہ کھانے کا حکم ہورہا ہے۔ بلکہ عموماً کھانے یا سالن کے پسند خاطر نہ ہونے کا عذر فرمادیتے۔ اکثر اوقات اس طرح آپ نے آٹھ آٹھ روز کھانا تناول نہیں فرمایا، آپ کے کھانا چھوڑنے کی اطلاع جب ہوتی تو آپ کے بھائیوں اور خوشدامن صاحبہ کے پاس سے کھانا تیار ہوکر آتا لیکن آپ کسی کھانے کو بھی پسند نہ فرماتے پھر جب حکم ہوتا تو گھر میں جو کچھ بھی موجود ہوتا طلب فرماتے اور تعریف فرماتے ہوئے تناول فرمالیا کرتے۔ یا کبھی خوشدامن صاحبہ وخسر صاحب تشریف لاکر خود مجبور کرتے تو کھالیا کرتے مگر کبھی اس کا اظہار نہ فرماتے کہ اب تک مجھے کھانے کا حکم نہیں تھا اور اب حکم ہوا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب کبھی حضرت کھانا چھوڑ دیتے تو آپ کے محل میں بیحد پریشان رہتیں، خود سامنے بیٹھ کر سالن تیار کرواتیں، مختلف اصحاب کے پاس سے تیار کرواکر منگواتیں کہ کسی طرح آپ کو پسند آئے اور کچھ تناول فرمالیں لیکن جب یہ تمام کوششیں ناکام ثابت ہوتیں تو بہت غمگین رہتیں۔ جب تک کہ آپ کھانا تناول نہ فرماتے، اکثر روتی رہتیں۔

حضرت کے اس طرح کسی کے پاس کے کھانے کو پسند نہ فرمانے پر کم سمجھ نادان اہل برادری آپ کی شان میں کبھی گستاخیاں بھی کرجاتے کہ ''خواجہ میاں بڑے بدمزاج ہیں۔ نعوذ باللہ منہا۔ لیکن آپ کو کسی کی پرواہ نہ ہوتی۔ حضرت قبلہ مدظلہ بیان فرماتے ہیں کہ حالانکہ

آپ آٹھ آٹھ روز سوائے حقہ، پانی یا چائے کے کچھ تناول نہ فرماتے تھے لیکن آپ کے چہرۂ انور پر بھوک کے آثار اور طبیعت پر پستی کی کیفیت نہ معلوم ہوتی تھی۔ چنانچہ آپ کے اس طرح کھانا نہ کھانے پر آپ کے برادران عزیز بعض دفعہ آپ کو مجبور کرتے تو آپ فرماتے ''میرے کھانا نہ کھانے سے کیا تم مجھ میں کچھ پستی، کمزوری محسوس کرتے ہو؟ میں بالکل اچھا ہوں چل پھر سکتا ہوں، برخلاف اسکے اگر تم نہ کھاؤ تو کمزور ہو جاؤ گے اس لئے مجھے میرے حال پر چھوڑ دو''۔ آپ نے بعض اوقات کئی کئی روز جنگلوں میں ریاضتیں فرمائی ہیں۔ چنانچہ ایک وقت آپ گھر سے تشریف لے گئے۔ دو چار دن گزر گئے کسی کو خبر نہ ہوئی کہ کہاں تشریف فرمائی ہوئی ہے؟ خادمان خاص اور محبان ذوی الاختصاص آپ کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ بہت سے مقامات پر جہاں آپ اکثر تشریف لے جایا کرتے تھے ڈھونڈا گیا مگر کچھ پتہ نہ چلا۔ ایک ہفتہ اسی طرح گزر گیا۔ آٹھویں روز آپ خود ہی تشریف لائے۔ آپ کے بھائی (حضرت مکی میاں صاحب قبلہؒ) نے دریافت فرمایا کہ حضرت! کہاں تشریف فرما تھے؟ ہم نے آٹھ روز تک آپ کی بیحد تلاش کی لیکن کہیں پتہ نہ چلا تو آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ حضرت سید احمد بادپاؒ کی درگاہ میں تھا (یہ مقام اس زمانہ میں ایک لق ودق جنگل تھا۔ اطراف وجوانب میں بہت دور تک مطلقاً آبادی نہ تھی۔ اب حال میں رسالہ کے قیام کی وجہ خاصی آبادی ہوگئی ہے)۔ بھائی صاحب نے عرض کیا حضرت! میں وہاں بھی حاضر ہوا تھا۔ مگر آپ دکھائی نہ دیئے تو آپ نے فرمایا کہ ہاں! تم جس وقت وہاں آئے تھے میں وہیں موجود تھا مگر تم مجھے دیکھ نہ سکتے تو میں نے عرض کیا کہ حضرت آخر جنگل میں آپ کیا تناول فرماتے تھے، تو ارشاد ہوا کہ چنے والے سے چنے وغیرہ لے کر کھالیا کرتا تھا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ آپ نے حضرت بابا شرف الدین صاحب قدس سرہٗ کی پہاڑی شریف پر حضرت بابا صاحبؒ کی خاص ریاضت گاہ میں بھی گیارہ روز کا چلہ فرمایا ہے۔ مخفی مباد کہ پہاڑی شریف پر اُس وقت ایسی آبادی نہ تھی جیسی کہ اب ہے بلکہ وہ مقام بھی خاصہ جنگل تھا اور اب بھی باوجود اس قدر آبادی کے حضرت کی ریاضت گاہ کا مقام وہاں کی بستی سے بہت

فاصلہ پر واقع ہے۔ جہاں ہر کس و ناکس کا قیام کارے دارد کا مصداق ہے۔

حضرت قبلہ گاہ مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ اور آپ اسی طرح کہیں تشریف لے گئے، آٹھ روز گزر گئے۔ سب حیران و پریشان تھے، متعدد اشخاص نے آپ کی تلاش مختلف مقامات پر کی لیکن کہیں پتہ نہ پایا، حضرت والدہ صاحبہ قبلہؒ نے دلاور علی نامی ایک پروردہ لڑکے سے فرمایا کہ حضرت اکثر پہاڑی شریف بھی تشریف لے جاتے ہیں، وہاں بھی جا کر دیکھ آؤ۔ یہ بھی فرمایا کہ اگر تو حضرت کا پتہ لگائے گا تو میں تجھے انعام دوں گی، اس لڑکے نے ایک تو تعمیل حکم دوسرے انعام کا لالچ، پہاڑی شریف پر پہونچ کر ہر طرف دیکھا، بہتوں سے پوچھا، لیکن ناکام رہا۔ بالآخر مجبور ہو کر حضرت بابا صاحب قبلہؒ کے پاس فاتحہ گزرانی اور عرض کی کہ اگر آپ ہمارے حضرت سے ملا دیں تو میں نیاز گزرانوں گا۔ اس کے بعد جب وہ گھر پہنچا تو دیکھا کہ حضرت مکان میں تشریف فرما ہیں۔ جب اس کی نظر آپ پر پڑی تو اس کا دل باغ باغ ہو گیا۔ آپ نے اس لڑکے سے مسکراتے ہوئے کچھ ارشاد فرمایا۔ الفاظ تو صحیح طور پر یاد نہ رہے لیکن مفہوم یہ تھا کہ تیری وجہ سے مجھے آنا پڑا۔ شائد اس کے معروضہ پر حضرت بابا صاحب قبلہ علیہ الرحمہ نے حضرت سے اس کی مراد پوری کرنے کی سفارش فرمائی ہو گی۔

عبداللہ خاں صاحب ساکن جوکل بیان کرتے ہیں کہ میں پولیس میں ملازم تھا۔ تغاری کے تھانہ پر ڈیوٹی تھی۔ سرما کا موسم، جاڑا شدت کا تھا۔ پچھلی کے وقت میں تھانہ سے اس خیال سے نکلا کہ مسجد چوک میں نماز صبحؒ وضو کے لئے گرم پانی کا اہتمام رہتا ہے، وہاں چل کر وضو کریں گے۔ راستہ میں دیکھا کہ حضرت اِدھر سے تشریف لا رہے ہیں، جسم مبارک پر باریک چوبغلہ، سر پر ٹوپی، کاندھے پر رومال ہے۔ جب میں نے آپ کو آتے دیکھا تو ٹھہر گیا۔ دل میں خیال کیا کہ اس سردی کے وقت بغیر کسی گرم لباس کے حضرت کہاں سے تشریف لا رہے ہیں؟ جب آپ تشریف لائے تو میں آگے بڑھ کر قدمبوس ہوا اور عرض کی کہ حضرت اس سردی کے وقت کہاں تشریف فرمائی ہوئی تھی؟ ارشاد ہوا کہ میں حضرت سید احمد بادپاؒ کی درگاہ گیا تھا اور اب مکان جا رہا ہوں۔ میں آپ کو تنہا دیکھ کر ساتھ ہو گیا تو پلٹ کر ارشاد فرمایا، نہیں تم جاؤ

چوک کی مسجد میں وضو کے لئے گرم پانی ملتا ہے وہاں جا کر وضو کرلو۔ خطرات قلبی کا ذکر فرمادینا تو حضرت کے تمام خادمین سے مروی ہے۔ ہر ایک نے جو اپنے اپنے واقعات بیان کئے ہیں، وہ سب جمع کر دیئے جائیں تو اسی کا ایک دفتر ہو جائے گا۔

حضرت قبلہ گاہ مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ میں اکثر رات میں حضرت ہی کے پاس سوتا تھا، سحر میں جب کبھی آنکھ کھلتی، دیکھتا کہ آپ ایک گوشہ میں تشریف رکھے تلاوت قرآن مجید میں مشغول ہیں۔ بعض اوقات میں بھی اُٹھ کر حضرت کے بازو بیٹھ جاتا۔ پچھلی میں نماز تہجد کے بعد آپ کے مریدین مسجد میں ذکر کیا کرتے تھے۔ حضرت کی تلاوت اس وقت تک جاری رہتی جب تک کہ باہر ذکر شروع نہ ہوتا۔ جب باہر ذکر شروع ہو جاتا تو آپ بھی چپکے سے باہر تشریف لے جاتے اور مسجد کے گوشہ میں سب کی نظر بچا کر تشریف رکھتے۔ جب ذکر ختم ہو جاتا تو پھر اسی طرح نظر بچا کر مکان میں واپس تشریف لے جاتے۔ ممکن ہے کہ اس تشریف فرمائی سے مقصود توجہ دہی ہو، کیونکہ اکثر دفعہ ایسا ہوتا کہ ادھر آپ باہر تشریف لے جاتے اور اُدھر ذکر کرنے والوں پر ایک کیف طاری ہو جاتا۔

حضرت کسی کو داخل سلسلہ فرمانا چاہتے تو بھی حکم سے فرمایا کرتے۔ آپ کے پاس کا دستور تھا جو شخص داخل سلسلہ ہونا چاہتا پہلے سے عرض کر کے منظوری حاصل کر لیتا۔ یہ بہر حال ہر کام میں استخارۂ قلبی لازمی تھا اور آپ نے مریدین کو بھی اسی کی تعلیم فرمائی ہے جس کا تفصیلی بیان ان شاء اللہ آپ کی تعلیم کے باب میں آئے گا۔

آپ کے اتباع حکم سے متعلق ایک واقعہ ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے۔ جس سے آپ کی پابندی حکم کا اندازہ ہوتا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ۱۳۰۷ھ یا ۱۳۰۸ھ بلدہ حیدرآباد میں بہت شدت سے اولے برسے۔ اولے تقریباً لیموں برابر تھے جس سے ساکنین بلدہ بخوبی واقف ہیں کہ بہت سارے مکان تباہ ہو گئے، جانی نقصان بھی ہوا، سینکڑوں کھیت برباد ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ اس روز اولے برسنے سے پیشتر آپ صحن مسجد میں رونق افروز تھے اور آپ کے چہرہ کا رنگ بار بار متغیر ہوتا جا رہا تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ آج آپ ضرورت سے زیادہ پریشان ہیں۔

یکا یک آپ نے آسمان کی جانب نظر کی، ہاتھ سے قطب کی جانب اشارہ کر کے فرمایا دیکھو وہ اولے آتے ہیں۔ حضرت مکی میاں صاحب قبلہؒ فرماتے تھے کہ اس اشارہ کے ساتھ ہی اولے برسنے لگے اور اس قدر شدت سے برسے کہ مکانوں کی کویلو چور چور ہو گئی، جانور مر گئے، بڑے بڑے درخت جڑ سے اکھڑ گئے، بہت سا سامان تلف ہو گیا۔ سڑکوں پر تمام رات برف کی ڈھیر لگی رہی، سواریوں کا گزرنا دشوار تھا، دوسرے روز صبح میں صفائی کے لئے بنڈیاں آئیں اور پھاوڑے سے کھینچ کھینچ کر راستہ صاف کیا گیا۔ اس وقت تک آپ مسجد میں بے قراری کے عالم میں ٹہلتے جاتے، کبھی مسجد کے کھم سے لپٹ جاتے کبھی کسی دیوار سے جا لگتے، بہر حال دیکھنے سے غیر معمولی اضطراب کی کیفیت معلوم ہوتی تھی، سب حیران و پریشان تھے کہ نہیں معلوم کیا کیفیت ہے؟ اور کیوں آپ اتنے مضطر ہیں؟ تھوڑی دیر بعد آپ صحن مسجد میں زیر سماں نکل پڑے۔ آپ کو باہر نکلتے دیکھ کر آپ کے بھائی مکی میاں صاحب قدس سرہٗ فرماتے تھے کہ میں بھی نکل گیا۔ اطراف اولے برس رہے تھے لیکن حضرت کے جسم مبارک پر اور آپ کے طفیل سے مجھ پر بھی اولے نہ پڑے۔ اس وقت آپ نے بچشم پُرنم آسمان کی طرف ملاحظہ کیا اور فرمایا کہ "میں نے بغیر تیرے حکم کے پانی تک نہیں پیا ہے اب تیری مرضی جو چاہے کر" اس کے بعد تھوڑی دیر توقف کر کے "اب اولے کم ہو گئے" فرماتے ہوئے پھر صحن مسجد سے لوٹے۔ اس ارشاد کے ساتھ ہی اولے موقوف ہو گئے۔ اس کے بعد آپ مکان میں تشریف لائے اور ارشاد فرمایا کہ "مجھے سردی معلوم ہو رہی ہے کچھ اُڑھاؤ، چار چار رضائیاں آپ پر ڈالی گئیں اور چار چار آدمی آپ کو دبا رہے تھے لیکن اس کے بعد بھی آپ زمین سے برابر چار چار انگل اچھل رہے تھے، تقریباً آدھا گھنٹہ تک جاڑے کی یہی شدت رہی اس کے بعد آپ کو سکون ہوا، اُٹھے اور فرمایا کہ آج جلال ایزدی جوش پر تھا مگر الحمد للہ کہ فضل ہو گیا۔

اس واقعہ کی حضرت قبلہ مدظلہٗ بھی اپنے عم محترم حضرت مولانا مکی میاں صاحبؒ سے روایت فرماتے ہیں اور حضرت مولانا حسرتؔ مدظلہ سے بھی اس کی روایت ہے۔ مولانا حسرت مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ اس روز میں بھی حاضر تھا اور جب حضرت صحن مسجد میں زیر سماں

رونق افروز ہوئے تو میں بھی ساتھ نکلا تھا لیکن آپ کے طفیل سے میں بھی اولوں سے محفوظ رہا۔

حضرت قبلہ گاہ مدظلہٗ بیان فرماتے ہیں کہ برہنہ صاحب نامی ایک پیر بھائی (جو حضرت ہی سے بیعت تھے) بیان کرتے تھے کہ محلّہ شکر گنج میں خورشید جاہی علاقہ کے ایک باغ کو میں نے پن سے حاصل کیا تھا (مخفی مباد کہ یہ باغ اب بھی باقی ہے۔ گو برہنہ صاحب کو چھوڑے اور انتقال کئے زمانہ گزرا لیکن اب بھی محلّہ میں انھیں کے نام سے برہنہ صاحب کا باغ کہلاتا ہے) اس میں کچھ میوے کے درخت بھی لگائے تھے۔ منجملہ اور درختوں کے چند پپائی کے درخت بھی تھے۔ میں نے دل میں خیال کیا تھا کہ ان پپائی کے درختوں میں سب سے پہلے جو پپائی نکلے گی وہ حضرت کی خدمت میں نذر گزرانوں گا کیونکہ میوؤں میں حضرت کو پپائی بہت مرغوب خاطر تھی۔ چنانچہ ایک درخت کو سب سے پہلے بار آیا۔ ایک پپائی لگی۔ میں اپنی نذر کے خیال سے اس کے تیار ہونے کا منتظر تھا! ابھی توڑنے کا وقت بھی نہیں آیا تھا کہ یہ اولے برسے اور تمام درخت تباہ ہو گئے۔ پھول پھل سب گر گئے حتیٰ کہ درختوں پر ایک پتّہ بھی باقی نہ رہا لیکن اس تمام باغ میں صرف ایک اسی درخت پر وہی پپائی باقی رہی جو حضرت کی نذر کے لئے رکھی گئی تھی۔ جب اولے برس کر موقوف ہوئے تو چونکہ صدہا اصحاب کا مالی نقصان ہوا تھا اسلئے حضرت بھی اہل محلّہ کی خبر گیری کے لئے مکان سے نکلے، ہر ایک کے مکان پہنچ کر حالات دریافت کئے، اسی طرح اس باغ میں بھی رونق افروز ہوئے۔ تمام باغ کو ملاحظہ فرما کر تباہی پر اظہار تاسف فرمایا، میں نے فوراً بڑھ کر وہ پپائی توڑ کر آپ کی خدمت میں پیش کی، تمام واقعہ بھی عرض کیا، آپ نے تبسم فرماتے ہوئے اس طرح نذرانہ کو قبول فرمایا۔

سبحان اللہ! جو میوہ محض اس ذاتِ گرامی صفات سے نذر کی نسبت رکھنے کی وجہ سے آفات آسمانی سے محفوظ رہا ہو تو پھر اس کے غلاموں کو تو کچھ اس سے زیادہ ہی توقع رکھنی چاہئے۔

زہرہ بی صاحبہ پروردہ بیان کرتی ہیں کہ ایک دفعہ اسی طرح حسب عادت آپ مکان سے تشریف لے گئے۔ چار پانچ روز گزر گئے۔ گھر میں پیرانی بی صاحبہ سخت پریشان تھیں، آپ

کے عزیز بھائی مریدین جا بجا تلاش میں سرگرداں تھے ہر چند تلاش کی مگر پتہ نہ ملا۔ ان ہی دنوں میں ایک روز میں نے ایک بلی کو لکڑی سے مارا، لکڑی ایسی زور سے پڑی کہ بلی مرگئی، گھر کی تمام بوڑھی عورتوں نے مجھے ڈرانا شروع کیا کہ ''بلی کے بھیس میں عموماً جنات پھرا کرتے ہیں'' تم نے بلی کو کیوں مارا، وہ بلی نہیں تھی بلکہ جن تھا۔ اب رات کو تمہاری گردن دبوچے گا وغیرہ'' ان باتوں کے سننے سے میں حواس باختہ تھی۔ جیسے جیسے دن گزرتا جارہا تھا میں اپنی زندگی کی آخری گھڑیاں سمجھ رہی تھی۔ حضرت بھی تشریف فرما نہ تھے کہ عرض معروض کرسکتی، یکا یک مغرب کے قریب حضرت مکان میں رونق افروز ہوئے اور میری طرف دیکھ کر فرمایا کہ ''ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ کسی کی کیا مجال ہے کہ ہمارے آدمی کی جان لے سکے جو اس طرح کہتے ہیں دیوانے ہیں' حالانکہ آپ کے سامنے کسی نے اس کا تذکرہ بھی نہ کیا تھا اور نہ اس تمام واقعہ کی اطلاع تھی۔ اس ارشاد کے ساتھ ہی مجھے تسلی ہوگئی اور تمام بدحواسی جاتی رہی۔

محویت

آپ بعض اوقات گھنٹوں مستغرق رہا کرتے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ گویا اس وقت آپ کو اس عالم کی مطلق خبر ہی نہیں ہے۔ چنانچہ مولانا شرف الدین صاحب قادری فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت آرام فرما رہے تھے اور میں پیر دبا رہا تھا۔ یکا یک آپ نے چونک کر جیسے کہ کوئی نیند سے بیدار ہوتا ہے، مجھ سے دریافت فرمایا کہ کون؟ میں نے عرض کیا کہ جی غلام! فرمایا کون غلام؟ میں نے عرض کیا جی شرف الدین! فرمایا کون شرف الدین! میں نے عرض کیا جی سلطان شاہی والا! اس کے بعد آپ اُٹھے اور مجھے غور سے ملاحظہ فرمایا ہاں! شرف الدین ہیں، پھر آپ لیٹ گئے اور میں پیر دباتا رہا۔ تھوڑی دیر نہ گزری ہوگی کہ پھر اسی طرح مجھ سے آپ نے دریافت فرمایا کہ کون؟ پھر میں نے اسی طرح صراحت کی میں حیران تھا کہ آج حضرت نے کیوں اس طرح دو وقت مجھ سے دریافت فرمایا کہ اتنے میں پھر اسی طرح تیسری مرتبہ بھی دریافت فرمایا گیا۔ میں نے پھر اسی طرح عرض کیا، تب تو میں سمجھ گیا کہ اس وقت حضرت کسی اور خیال میں مستغرق ہیں اور میں پیر دبا رہا تھا کہ آپ کے خادم میمن عبداللہ

کے عزیز بھائی مریدین جابجا تلاش میں سرگرداں تھے ہر چند تلاش کی مگر پتہ نہ ملا۔ ان ہی دنوں میں ایک روز میں نے ایک بلی کو لکڑی سے مارا، لکڑی ایسی زور سے پڑی کہ بلی مرگئی، گھر کی تمام بوڑھی عورتوں نے مجھے ڈرانا شروع کیا کہ ''بلی کے بھیس میں عموماً جنات پھرا کرتے ہیں'' تم نے بلی کو کیوں مارا، وہ بلی نہیں تھی بلکہ جن تھا۔ اب رات کو تمہاری گردن دبوچے گا وغیرہ'' ان باتوں کے سننے سے میں حواس باختہ تھی۔ جیسے جیسے دن گزرتا جارہا تھا میں اپنی زندگی کی آخری گھڑیاں سمجھ رہی تھی۔ حضرت بھی تشریف فرما نہ تھے کہ عرض معروض کرسکتی، یکایک مغرب کے قریب حضرت مکان میں رونق افروز ہوئے اور میری طرف دیکھ کر فرمایا کہ ''ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ کسی کی کیا مجال ہے کہ ہمارے آدمی کی جان لے سکے جو اس طرح کہتے ہیں دیوانے ہیں'' حالانکہ آپ کے سامنے کسی نے اس کا تذکرہ بھی نہ کیا تھا اور نہ اس تمام واقعہ کی اطلاع تھی۔ اس ارشاد کے ساتھ ہی مجھے تسلی ہوگئی اور تمام بدحواسی جاتی رہی۔

محویت

آپ بعض اوقات گھنٹوں مستغرق رہا کرتے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ گویا اس وقت آپ کو اس عالم کی مطلق خبر ہی نہیں ہے۔ چنانچہ مولانا شرف الدین صاحب قادری فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت آرام فرمارہے تھے اور میں پیر دبا رہا تھا۔ یکایک آپ نے چونک کر جیسے کہ کوئی نیند سے بیدار ہوتا ہے، مجھ سے دریافت فرمایا کہ کون؟ میں نے عرض کیا کہ جی غلام! فرمایا کون غلام؟ میں نے عرض کیا جی شرف الدین! فرمایا کون شرف الدین! میں نے عرض کیا جی سلطان شاہی والا! اس کے بعد آپ اُٹھے اور مجھے غور سے ملاحظہ فرمایا ہاں! شرف الدین ہیں، پھر آپ لیٹ گئے اور میں پیر دباتا رہا۔ تھوڑی دیر نہ گزری ہوگی کہ پھر اسی طرح مجھ سے آپ نے دریافت فرمایا کہ کون؟ پھر میں نے اسی طرح صراحت کی میں حیران تھا کہ آج حضرت نے کیوں اس طرح دو وقت مجھ سے دریافت فرمایا کہ اتنے میں پھر اسی طرح تیسری مرتبہ بھی دریافت فرمایا گیا۔ میں نے پھر اسی طرح عرض کیا، تب تو میں سمجھ گیا کہ اس وقت حضرت کسی اور خیال میں مستغرق ہیں اور میں پیر دبا رہا تھا کہ آپ کے خادم میمن عبداللہ

صاحب میوہ فروش آ گئے۔ اُنھوں نے مجھ سے کہا کہ آپ نمازِ عشاء سے فارغ نہیں ہوئے ہیں جائیے نماز پڑھ لیجئے۔ اس وقت تک میں اس خدمت کو انجام دیتا ہوں۔ میں بہت خوب کہہ کر اُٹھا اور وہ پیر دبانے لگے۔ وہ کہتے تھے کہ تھوڑی دیر نہ گزری کہ مجھ سے بھی حضرت نے ایسا ہی استفسار فرمایا کہ کون؟ میں نے عرض کیا جی خادم عبداللہ فرمایا کون عبداللہ؟ میں نے عرض کیا میوہ فروش؟ فرمایا کون میوہ فروش تو میں نے عرض کیا چارکمان والا۔ اس کے بعد آپ اُٹھے اور غور سے ملاحظہ فرما کر فرمایا کہ تم ہو اور پھر آرام فرمائے اسی طرح میرے نماز سے فارغ ہونے تک تین دفعہ ان سے بھی استفسار فرمایا۔

ایک اور واقعہ بھی صاحب موصوف ہی سے مروی ہے کہ ایک دفعہ حضرت حسب عادت باہر تشریف لے گئے اور مکان کو تشریف ہی نہیں لائے۔ سب کے سب حیران و پریشان تھے۔ نو(۹) یا دس (۱۰) روز بعد دولت سرا کو واپس تشریف فرمائی ہوئی۔ آپ کے موئے مبارک و قدم مبارک گرد آلود تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی دور دراز مقام سے تشریف لا رہے ہیں۔ راوی فرماتے ہیں کہ میرے دل میں خیال گزرا کہ نہیں معلوم حضرت کہاں سے تشریف لا رہے ہیں اور نو دس روز سے کچھ تناول بھی فرمائے ہیں یا نہیں۔ طبیعت پست ہوگئی ہوگی۔ جب میں نے دل میں یہ خیال کرتے ہوئے بڑھ کر قدمبوسی حاصل کی تو ارشاد ہوا کہ حضرت بابا شرف الدین صاحبؒ کی پہاڑی کو جانے نکلا تھا لیکن ڈھونڈ ڈھونڈ کر آیا، پہاڑی ملی ہی نہیں۔ آخر شمس آباد جا کر بابا شہاب الدین صاحبؒ کی پہاڑی پر فاتحہ پڑھ کر آ رہا ہوں، اس کے بعد فرمائے تم خیال کرتے ہو کہ میں نو(۹) دس (۱۰) روز سے کچھ کھایا نہیں اس لئے طبیعت پست ہوگئی ہوگی۔ نہیں! میری طبیعت بحال ہے اور کھانے کی مطلقاً اشتہا بھی نہیں۔ پھر ارشاد ہوا کہ شرف الدین! اب کھانے میں کچھ مزا بھی نہیں ملتا۔ حکم ہوتا ہے کھاؤ تو جبراً کھالیا کرتا ہوں۔

حضرت قبلہ مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ ''یحییٰ چلتے ہو'' میں نے عرض کیا جی کہاں۔ فرمائے ''جمیل اللہ شاہ داتا کی مزار پر جائیں گے''۔ (جو پُل قدیم کے نیچے واقع ہے اور جہاں حضرت اکثر تشریف لیجایا کرتے تھے۔ (مخفی

مبادا کہ آپ بلدہ کے بزرگان دین کے منجملہ ان چار مقامات یعنی حضرت قطب الہند مولانا شجاع الدین صاحب قبلہؒ کے گنبد شریف اور حضرت بابا شرف الدین صاحب کی پہاڑی شریف، حضرت سید احمد باد پا رحمۃ اللہ علیہ و حضرت جمیل اللہ شاہ داتا علیہ الرحمہ کے مزارات پر اکثر تشریف لے جایا کرتے تھے) میں جی بہت خوب کہہ کر ساتھ ہوگیا۔ اس وقت میری عمر سات یا آٹھ سال کی تھی۔ بسا اوقات حضرت کہیں باہر تشریف لے جاتے تو مجھے ہمراہ لے لیا کرتے تھے اس لئے مجھے پیدل چلنے کی بھی اچھی عادت ہوگئی تھی۔ چنانچہ اس روز بھی حضرت مکان سے تشریف لے چلے، میں بھی انگلی تھامے ہوئے ساتھ تھا۔ پُل قدیم گزر گیا مگر حضرت برابر چلے جارہے تھے۔ بہت دور نکل گئے حتیٰ کہ مغرب کی اذان ہوگئی۔ اس وقت آپ آبادی سے باہر ایک گاؤں تک پہنچ چکے تھے۔ وہاں آپ نے تھوڑی دیر تک سکوت فرمایا اور ایسے تعجب سے ملاحظہ فرمانے لگے کہ جیسے کہ کوئی خواب سے چونک کر دیکھتا ہے۔ اس کے بعد ایک آنے والے شخص سے آپ نے مقام کا نام دریافت فرمایا۔ اس نے جواب میں کہا کہ اس کو کوکٹ پلی کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ''اچھا اب شہر کو کدھر سے جائیں''۔ اس نے کہا کہ جدھر سے آپ تشریف لا رہے ہیں، ادھر ہی سے واپس جایئے۔ اس جواب کے بعد آپ نے پھر مکان کا راستہ اختیار فرمایا اب چونکہ زیادہ دور چلنے کی وجہ سے میرے پیر شل ہو چکے تھے اس لئے میں نے عرض کیا کہ حضرت اب مجھ سے چلا نہیں جاتا تو آپ نے مجھے گود میں اُٹھا لیا اور وہاں سے مکان واپس تشریف لائے۔

عبداللہ خان صاحب ساکن جوکل بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ چوک کی مسجد سے نوکری پر جارہا تھا۔ راستہ میں دیکھا کہ حضرت، سید صاحبؒ کی درگاہ سے چار مینار کی جانب تشریف لے جارہے ہیں۔ ایک چھوٹی سی تسبیح ہاتھ میں ہے، آسمان کی جانب نظر ہے، بازو بازو سے راستہ چل رہے ہیں۔ میں حضرت کو دیکھ کر ایک جانب ٹھہر گیا۔ دیکھا کہ حضرت چار مینار تک تشریف لے جاکر پھر پلٹے اور پھر سید صاحبؒ کی درگاہ تک تشریف لے گئے۔ پھر اِدھر سے چار مینار کی جانب تشریف لائے اور نظر اسی طرح آسمان کی جانب تھی۔ معلوم ایسا ہوتا تھا کہ کسی

فکر میں آپ چل رہے ہیں۔ جب آپ کو میں نے اس خیال میں اِدھر سے اُدھر آتے جاتے دیکھا تو مجھ سے آگے چلا نہ گیا، ٹھہر گیا، اسی طرح حضرتؒ تین چار مرتبہ سید صاحبؒ کی درگاہ سے چار مینار تک تشریف لے جاتے اور تشریف لاتے رہے۔ اس کے بعد جب استغراقی کیفیت میں کمی ہوئی اور میری جانب آپ کی نظر پڑی تو فرمایا کہ "جاؤ! تمہاری حاضری کا وقت ہے" اس ارشاد کے بعد میں ٹھہر نہ سکا، نوکری پر چلا گیا۔ نہیں معلوم کہ پھر حضرت کب واپس تشریف لے گئے۔

O-O-O

حضرت کا اثر

یوں تو ہر شخص کو اپنے شیخ سے عقیدت و محبت ہوتی ہے اور وہ اپنے شیخ کو زبردست جانتا ہے اور اسی طرح جاننا بھی چاہئے کیونکہ تاوقتیکہ اعتقادی کیفیت قوی نہ ہو باران فیوض دشوار ہے اسی لئے غیروں کی تعریف زیادہ تر قابل توجہ ہوتی ہے۔

''عطر آنست کو خود ببوید''

آفتاب عالمتاب کے نور کا ہر شخص قائل ہوئے بغیر رہ نہیں سکتا۔ اس میں بھی عوام کی تعریف وقیع نہیں سمجھی جاسکتی کیونکہ انھیں اس کی کیا تمیز۔ ع

''قدر جوہر شاہ داند یا بداند جوہری''

عالم کا مرتبۂ علم، عالم سے پوچھو۔ کسی طبیب کی حذاقت کا حال طبیب کی زبان سے مستند تر ہے۔ کسی صناع کی مہارت وصفائی دوسرے صناع کی زبانی باوجود حریف وہم پیشہ ہونے کے اگر ہو تو بہت قابل لحاظ ہو جاتی ہے۔ دوسرے ناواقف لوگ اسے کیا جانیں اس لئے حضرت کے متعلق آپ کے اُن ہم عصر شیوخ کے اقوال ناظرین کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں جو بلدہ کے مشہور وممتاز ہستیوں میں شمار کئے جاتے ہیں جن کے کشف وکرامات وحقانیت وللّٰہیت کا سکہ قلوب پر جما ہوا ہے کہ ان کو حقیقۃً ''شموس دکن'' کہا جائے تو وہ اس کے مستحق ہیں اسی سے آپ کی عالی مرتبی وشان کا اظہار ہوگا کہ آپ کو اپنے طبقہ میں کیا امتیاز خاص حاصل تھا۔ ہم ذیل میں کچھ ایسے واقعات بیان کریں گے کہ جس سے ظاہر ہوگا کہ آپ کے ہم زمانہ مگر بلحاظ سن کچھ متقدم بزرگوں پر آپ کا کیا اثر تھا یا ہم زمانہ لیکن باعتبار عمر کچھ متاخر حضرات نے آپ کے بارے میں کیا خیال ظاہر کیا اور غیر جنس یعنی جنات وغیرہ پر آپ کا کیا اثر تھا تا کہ وابستگان دامن اس سے بھی ناواقف نہ رہیں۔

ہم عصر شیوخ پر اثر

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ آپ ایک محفل سماع میں تشریف لے گئے جہاں حضرت مرزا سردار بیگ صاحبؒ بھی تشریف رکھتے تھے۔ جب محفل سماع گرم ہوئی تو حضرت مرزا صاحبؒ کے ایک مرید پر وجد کی کیفیت طاری ہوئی۔ اُنھوں نے اپنے مرشد کو نذر گزرانی حضرت مرزا صاحبؒ نے ان کا ہاتھ اسی طرح تھامے ہوئے آپ کی خدمت میں نذر پیش کی اور آپ نے روپیہ لے کر قوال کو دیا۔ جب محفل برخاست ہوئی تو حضرت مرزا صاحبؒ نے اپنے مریدین سے فرمایا کہ ''جس محفل میں خواجہ میاں صاحب موجود ہوں اس محفل میں کسی دوسرے کو نذر لینے کی مجال نہیں'' اس واقعہ سے اگر حضرت کی شان و عظمت کا اظہار ہوتا ہے تو حضرت مرزا صاحبؒ کی رتبہ شناسی حقانیت و بے نفسی وللّٰہیت بھی ہویدا ہو رہی ہے۔ آپ کو حضرت محمدؐ شاہ صاحب قبلہؒ سے بھی بیحد محبت تھی اور وہ اکثر آپ کی تعریف فرمایا کرتے اور آپ بھی اکثر وہاں تشریف لے جاتے تھے۔ جب کبھی آپ تشریف لے جاتے تو حضرت محمد شاہ صاحبؒ سروقد تعظیماً اُٹھ کھڑے ہوتے اور چند قدم آگے بڑھ کر استقبال کرتے خواہ سادہ وقت ہو یا محفل سماع چنانچہ متعدد دفعہ ایسا ہوا کہ آپ ان کے پاس سماع کی محفل میں تشریف فرما ہوئے اور نظر بچا کر پیچھے ہی بیٹھ گئے۔ لیکن جب حضرت بانی مجلس علیہ الرحمہ کو آپ کے آمد کی اطلاع ملی تو فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے اور آپ کو صدر مجلس میں لے جا کر بٹھایا اور اکثر مریدین سے فرمایا کرتے کہ ''حضرت خواجہ میاں صاحب بڑے زبردست شیخ ہیں'' حضرت مسکین شاہ صاحب علیہ الرحمہ بھی اکثر اپنے مریدین سے حضرت کی تعریف فرمایا کرتے تھے چنانچہ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ آپ حضرت مولانا احمد خیر الدین صاحب صدیقی (جو بلدہ کے مشہور و معروف واعظ تھے) کے وعظ میں تشریف فرما ہوئے۔ حضرت کی عادت شریف تھی کہ اکثر آپ کے وعظ میں تشریف لے جاتے اور آپ کے وعظ کو بہت پسند فرماتے تھے، مولانا ممدوح نہ صرف واعظ عالم تھے بلکہ صاحبِ دل و صاحبِ کیف بھی تھے۔ آپ کے پاس کی مجالس وعظ بھی بہت خاص ہوتیں، محافل میں ایک خاص کیف رہتا تھا۔ مولانا ممدوح کو حضرت مسکین شاہ

صاحبؒ سے بیعت تھی اور اپنے پیر کے عاشق صادق بھی تھے۔ اس لئے آپ کے پیر یعنے حضرت مسکین شاہ صاحبؒ اکثر وعظ میں تشریف رکھتے چنانچہ اس روز جب آپ تشریف فرما ہوئے تو حضرت ممدوح بھی تخت پر موجود تھے۔ آپ محفل میں ایک جانب بیٹھ گئے۔ اثناء وعظ میں آپ پر وجدانی کیفیت طاری ہوئی۔ حسب عادت شریف آپ نے چوبغلہ کے بند کو حرکت دینی شروع کی جوں ہی ادھر بند کو حرکت شروع ہوئی ادھر محفل پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوکر چیخ پکار مچ گئی۔ واعظ صاحب روتے روتے بیہوش ہوگئے۔ سامعین میں ایک کو دوسرے کی خبر نہ رہی۔ اس کے بعد آپ نے وہاں سے برخاست فرمایا ختم وعظ کے بعد مولانائے موصوف نے اپنے مرشد سے عرض کیا کہ حضرت آج کی کیفیت بہت خاص تھی تو حضرت مسکین شاہ صاحب قبلہ نے فرمایا کہ:

''یہ تمام خواجہ میاں صاحب کی موجودگی کی برکت تھی جو اس طرح خیر و برکت محسوس ہورہی تھی''۔

حضرت قبلہ گاہ مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ آپ کے فاتحہ سوم کے روز سب کو کھانا کھلایا گیا، تین پلہ کی پخت ہوئی تھی، آپ کے تینوں بھائیوں کے مکانوں میں دسترخوان بچھائے گئے تھے، صبح سے کھانا مسلسل کھلایا جارہا تھا۔ دوپہر میں حضرت سید شیخن احمد صاحب قبلہ شطاری رحمۃ اللہ علیہ واپس تشریف لے جاتے ہوئے دریافت فرمایا کہ کھانا کب سے کھلایا جارہا ہے؟ کتنی پخت ہوئی تھی؟ تمام واقعات جب عرض کئے گئے تو آپ کی آنکھوں میں آنسو ڈب ڈبا گئے۔ آپ نے بچشم پُرنم مزار شریف کی جانب دیکھ کر فرمایا کہ:

''آہ خواجہ میاں تم کو کوئی سمجھ نہ سکا''۔

حضرت جعفر صاحب میاں مجذوبؒ سے بلدہ کا ہر فرد بشر بخوبی واقف ہے (جو حضرت ہی کے ہم عصر ہیں) آپ کے کشف و کرامات کے متعدد واقعات اس دور کے لوگوں میں زبان زد خاص و عام ہیں، مجذوبین میں آپ بہت ممتاز تھے۔

حضرت قبلہ گاہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ حضرت جعفر صاحب مجذوبؒ اکثر و بیشتر ہمارے

پاس آتے تھے کیوں کہ ہم سے ایک خاص خلوص کی کیفیت بھی تھی۔ بعض دفعہ راتوں میں یہیں قیام بھی فرماتے۔ ایک دفعہ حضرت کے وصال کے بعد جعفر صاحبؒ میاںؒ ہمارے پاس تشریف لائے۔ رات یہیں قیام کیا۔ صبح اُٹھنے کے بعد میں نے کہا کہ ''میاں! ناشتہ تیار ہے کھانے سے فارغ ہو کر تشریف لے جائیے'' تو کہنے لگے ''نہیں میاں! میں اپنی اماں کے مزار پر جو سید علی کے چبوترہ کے پاس ہے فاتحہ پڑھ کر آتا ہوں اس کے بعد ناشتہ کروں گا''۔ جعفر صاحب میاںؒ کی عادت تھی کہ دس دس منٹ کو ایک ایک قدم اُٹھاتے، منٹوں کا راستہ گھنٹوں میں طے ہونا مشکل تھا اس لحاظ سے میں نے بایں خیال کہ اب ان کو جا کر فاتحہ پڑھ کر واپس ہونے صبح کی شام ہو جائے گی، اصرار سے کہا کہ ''نہیں میاں ناشتہ کر کے جائیے'' مگر وہ اس پر راضی نہ ہوئے اور یہی کہا کہ ''نہیں میاں! میں پہلے جا کر آتا ہوں'' میں آخر خاموش ہو گیا۔ اس کے بعد وہ جانے نکلے اور میں حضرت کی مزار شریف پر صفائی میں مصروف ہو گیا۔ رات میں جعفر صاحب میاںؒ نے حضرت کی مزار مبارک کے پائین کے دالان میں آرام فرمایا تھا۔ وہ وہاں سے اُٹھے۔ حسب عادت ایک ایک قدم تولتے ان کو سیڑھیوں تک آنے میں تقریباً ایک آدھ گھنٹہ ہو گیا۔ اس اثناء میں میں بھی درگاہ شریف پر جاروری دیتے ہوئے ان کے مقابل تک پہنچ گیا۔ جاروری دیتے ہوئے میں اپنی دھن میں تھا اور ایک کیف طاری تھا جب ان کے مقابل آیا تو حضرت کے مزار مبارک کی جانب رُخ کر کے میں نے یہ شعر پڑھا:

عجب مزہ ہے جو دیکھے مقام خواجہ کا   حضور دل سے ادا ہو سلام خواجہ کا

اس کے بعد پھر اپنی کیفیت میں اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔ اس وقت تک جعفر صاحب میاںؒ سیڑھیوں تک آ گئے تھے۔ جوں ہی مجھ سے یہ شعر سنا فوراً دست بستہ کھڑے ہو گئے۔ آنکھیں بند کر لیں۔ صبح سے اس حالت میں جو کھڑے رہے تو شام ہو گئی، اب نہ فاتحہ ہی کو جاتے ہیں اور نہ کھانا ہی کھاتے ہیں، آنکھیں بند ہیں، مزار کی جانب رُخ دست بستہ سلام ہو رہا ہے۔

سبحان اللہ! کیا حضور دل ہے اور کیا سلام ادا ہو رہا ہے۔

آنکھ والے ترے جوبن کا تماشہ دیکھے   دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

بزرگانِ سلف پر اثر

حضرت قبلہ مدظلہٗ بروایت عبدالرزاق صاحب (جو حضرت ہی کے خادمین سے تھے) فرماتے ہیں کہ تو تہلے عبدالرزاق صاحب مالیگاؤں کی جاترہ میں کچھ جانور خریدنے کی غرض سے جارہے تھے اوران کا خیال تھا کہ واپسی میں قندھار شریف میں حضرت حاجی سعیدالدین سرورسیاح رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک پر بھی حاضر ہوں گا۔ حضرت کی خدمت مبارک میں حاضر ہوکر سفر کی اجازت چاہی تو آپ نے انھیں اجازت دی اور فرمایا کہ ''جس وقت تم حضرت حاجی سرورسیاحؒ کے مزار مبارک پر حاضر ہوں تو ہماری جانب سے بھی سلام کہنا'' وہ بلدہ سے نکلے اور خرید وفروخت سے فارغ ہوکر حضرت حاجی سرورسیاحؒ کے مزار مبارک پر حاضر ہوئے۔ ان کا بیان ہے کہ جس وقت میں پہنچا اس وقت گنبد شریف میں کوئی شخص موجود نہ تھا اور اطراف میں بھی کوئی نظر نہ آتا تھا۔ میں نے اندر حاضر ہوکر فاتحہ گزرانی اس کے بعد عرض کیا کہ ''حضرت! میرے پیرومرشد قبلہ نے بھی سلام فرمایا ہے'' اِدھر میری زبان سے یہ الفاظ نکلے ہی تھے کہ ادھر بہ آواز بلند جواب ملا، وعلیہ السلام'' میں حیران و پریشان ہوا کہ گنبد شریف میں تو اس وقت سوائے میرے کوئی موجود نہیں یہ آواز کیسی؟ فوراً میں باہر نکلا اور اطراف پھر کر دیکھا تو کوئی نظر نہ آیا، میں سمجھ گیا کہ غالباً صاحب گنبد علیہ الرحمہ ہی نے ہمارے حضرت کے سلام کا جواب ادا فرمایا ہے۔ خیر قدمبوس ہوکر میں وہاں سے رخصت ہوا اور اپنے مکان آیا۔ یہاں آنے کے بعد جو جانور خرید کر لایا تھا اس کی دیکھ بھال اور انتظامات میں مصروف رہا۔ دوتین روز تک حضرت کی خدمت میں حاضری کا موقع نہ مل سکا۔ اس کے بعد ایک پیر بھائی سے ملاقات ہوئی تو اُنھوں نے کہا کہ دوتین روز سے حضرت پیرومرشد قبلہ یاد فرمارہے ہیں تم آئے نہیں؟ میں نے ان سے اپنی مصروفیات کا ذکر کیا کہ اس وجہ سے میں حاضر نہ ہوسکا۔ اس کے بعد مجھ سے رہا نہ گیا اسی روز حاضر خدمت ہوا۔ اتفاق سے حضرت باہر ہی رونق افروز تھے۔ جوں ہی مجھے ملاحظہ فرمایا مسکراتے ہوئے ارشاد فرمانے لگے کہ ''اجی! تم

نے ہمارا اسلام پہنچایا؟'' میں نے عرض کیا پیر و مرشد! جی ہاں! یہ واقعہ ہوا''۔ آپ نے پھر اسی طرح تبسم فرماتے ہوئے جواب دیا کہ ہاں، ''ہمارے سلام کا جواب ہم کو مل گیا''۔

بزرگان متاخرین پر اثر

مولانا مفتی میر اشرف علی صاحب بیان فرماتے ہیں کہ حضرت دلہن بی صاحبہ مجذوبہؒ جو حضرت شاہ اسمٰعیل صاحب مجذوبؒ کے خاص دیکھنے والوں سے تھیں اور موجودہ دور میں بہت ممتاز حیثیت رکھتی تھیں۔ ان کے پاس اکثر و بیشتر میں جایا کرتا تھا اور وہ بھی مجھ پر بڑی عنایت کرتیں۔ جب جاتا تو مٹھائی پان وغیرہ سے میری تواضع فرماتیں اور ''چھوٹے شائق'' کے لقب سے یاد کرتیں۔ میں اکثر اِن سے اِدھر اُدھر کی باتیں کیا کرتا تھا۔ کیونکہ وہ میری باتوں کو بہت خوشی سے سنتی تھیں اور جو کہتا اکثر منظور بھی فرمایا کرتیں۔ ایک دفعہ میں نے ان سے خاندانی حضرات یعنی حضرت احمد علی شاہ صاحب قبلہ حضرت مکی میاں صاحب قبلہ و حضرت سید عمر صاحب قبلہ علیہم الرحمہ کے حالات دریافت کئے کہ یہ حضرات کیسے تھے تو ہر ایک کے متعلق جواب دیتی تھیں کہ بہت اچھے لوگ تھے، خدا کے محبوبین میں سے تھے وغیرہ۔ سب کے آخر پر میں نے حضرت سیدی خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ قدس سرہٗ کا ذکر چھیڑا کہ حضرت خواجہ میاں قبلہ کیسے بزرگ تھے۔ اُنھوں نے سن کر تھوڑی دیر سکوت اختیار کیا اور اپنی پیشانی پر انگلی سے ملتے ہوئے غور کرنے لگیں اس کے بعد کہا کہ ''وہ بڑی شان کے بزرگ تھے۔ ان کی حکومت جن و انس پر ہی نہیں بلکہ فرشتوں پر بھی تھی''۔

سبحان اللہ! ان واقعات سے حضرت کی شان و کیفیت کا کچھ اندازہ ہوتا ہے کہ کیا شان تھی۔ ؎

کون سمجھے گا تمہیں کس کی مجال

جنات و شیاطین پر اثر

جنات و شیاطین پر آپ کی حکومت تھی اور یہ سب آپ کے زیر اثر تھے۔ جس کسی پر کوئی

آسیبی اثر ہو آپ دم فرما دیتے تو فوراً اچھا ہو جاتا۔ آج تک بھی آپ کا نام پڑھ کر جس کسی آسیب زدہ پر دم کیا جاتا ہے فوراً صحت ہو جاتی ہے۔ آپ کے معالجات کا بیان علیحدہ تفصیل سے آئے گا یہاں ہم صرف وہ واقعات پیش کرنا چاہتے ہیں جس سے معلوم ہو سکے کہ یہ جنس غیر خاکی بھی آپ کی والہ وشیدا تھی اور آپ کی غلامی کا طوق ان کی گردنوں میں بھی پڑا تھا۔

زہرہ بی صاحبہ پروردہ بیان کرتی ہیں کہ مدینہ طیبہ میں اپنی قیام گاہ پر حضرت وعظ فرمایا کرتے تھے۔ محفل وعظ میں اکثر اہل مدینہ ومہاجرین شریک رہتے۔ حضرت مکاں کے نچلے حصہ میں مقیم تھے۔ بالا خانے خالی تھے۔ جب وعظ شروع ہوتا تو اکثر میں دیکھتی کہ بالا خانہ کی کھڑکیوں سے بعض عورتیں سفید چادریں اوڑھی جھانک رہی ہیں۔ چونکہ میری کمسنی کا زمانہ تھا اکثر ایسا ہوتا کہ ان کے دیکھنے پر میں دوسرے لوگوں سے کہتی کہ دیکھو! وہ دیکھ رہی ہیں۔ یہ آواز سنتے ہی وہ ہٹ جاتیں اور پھر جب سب لوگ مشغول ہو جاتے تو پھر اسی طرح دیکھا کرتیں۔ آخر جب حضرت کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے مجھے ڈانٹا، اور فرمایا کہ وہ لوگ وعظ سننے آتے ہیں تو کیوں ان کو ستاتی ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ عبداللہ صاحب نامی ایک جن تھے جن کو حضرت سے بیعت حاصل تھی وہ اجازت سے آپ کے مکان کے ایک حصہ میں مقیم تھے۔ یہ ایک عرصہ یہیں مقیم رہے راتوں میں جب سب لوگ سو جاتے، یہ مکان میں پہرہ دیتے رہتے۔ متعدد دفعہ ایسا ہوا کہ پیر بہنوں میں بعض پیشاب وغیرہ کو اُٹھتیں تو ان کو کبھی پیش دالان میں، کبھی صحن میں بیٹھا پاتیں۔ چونکہ سب واقف تھے، اس لئے سب ان کو پیر بھائی کہہ کر پکارتیں آواز سے کہہ دیتیں کہ ''پیر بھائی ہٹ جاؤ'' تو وہ فوراً وہاں سے ہٹ جاتے، کبھی نادانی سے کوئی بلا آواز دیئے آ جاتا تو یہ خود اشارہ سے ہٹا دیتے اور پھر خود وہاں سے چلے جاتے۔ ایک عرصہ تک یہ یہیں رہے بعد میں ان کو کسی دوسرے مقام پر منتقل کر دیا گیا۔

یہ روایت متعدد اصحاب سے اسی طرح ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کے ایک خادم مغل صاحب حوالی بلدہ میں کسی قریبی گاؤں میں

سسرال کو جایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ وہ تنہا گاؤں کی طرف ذکر خفی کرتے چلے جار ہے تھے۔
بیان کرتے ہیں کہ بیچ جنگل میں ان کو ایک صاحب ملے اور کہا کہ آپ کو ہمارے سرکار یاد
کرر ہے ہیں۔تھوڑی دیر کے لئے چلئے۔ اُنھوں نے کہا کہ ''کہاں؟'' تو جواب ملا کہ ''یہیں''
جب یہ آگے بڑھے تو دیکھا کہ ایک نہایت عالیشان محل ہے۔ یہ حیران تھے کہ اس راستہ سے
میں مدتوں آتا جاتا رہا ہوں لیکن کبھی اس محل کو نہیں دیکھا، یہ کس کی ڈیوڑھی ہے؟ کون نواب
یہاں رہتے ہیں؟ خیر چلے تو دروازہ پر شاہانہ پہرہ چوکیاں دیکھ کر اور حیرت ہوئی۔ اندر داخل
ہوئے تو دیکھا کہ ایک تخت بچھا ہوا ہے اس پر بڑے کروفر کے ساتھ ایک صاحب بیٹھے ہیں۔
اُنھوں نے سلام کیا تو جواب دیا گیا اور ان کو بڑی عزت واحترام سے اپنے بازو بٹھالیا۔
اُنھوں نے بلانے کی وجہ دریافت کی تو صاحب مذکور نے کہا کہ غالباً آپ نے مجھے نہیں پہچانا۔
مغل صاحب نے جواب دیا کہ معاف فرمایئے میں واقعی اب تک نہیں پہچان سکا۔ تو اُنھوں
نے جواب دیا کہ میں جنات کا بادشاہ ہوں۔ یہ کہتے ہیں کہ اس کے سنتے ہی میرے حواس گم
ہوگئے۔ میں حیران تھا کہ یا اللہ یہ کیا معاملہ ہے میں کدھر آ کر پھنس گیا۔ جب ان کے چہرہ
وغیرہ سے اُنھوں نے خوف محسوس کیا تو بہت تسلی دی اور کہا کہ آپ کچھ فکر نہ کیجئے۔ میں نے
آپ کو صرف اس لئے تکلیف دی ہے کہ میری ایک لڑکی ہے اور وہ آپ پر فریفتہ ہوگئی ہے۔ اس کی
درخواست ہے کہ آپ اُس کو اپنے نکاح میں قبول کریں، یہ کہتے ہیں کہ میں اور پریشان ہوا کہ
یہ کہاں کی بلا میرے سر آئی۔ میں نے کہا کہ میں صاحب اولاد ہوں۔ گاؤں میں میری بی بی
بچے ہیں۔ تو اس کے جواب میں پھر اُنھوں نے کہا کہ کیا حرج ہے رہنے دیجئے، وہ وہاں رہیں
گے یہ یہاں رہے گی۔ اب مجھ سے کچھ جواب بن نہ پڑا تو میں نے کہا: اچھا اس بارے میں
، میں اپنے پیرو مرشد قبلہ سے عرض کروں گا۔ اگر حضرت اجازت دیں تو میں تیار ہوں۔ اُنھوں
نے دریافت کیا کہ آپ کس سے بیعت ہیں۔ مغل صاحب نے حضرت کا نام مبارک لیا کہ
حضرت خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ سے تو اُنھوں نے کہا کہ وہ ہمارے بھی آقا ہیں۔ آپ بخوشی
جا کر حضرت سے عرض کیجئے۔ اگر حضرت اجازت دیں تو پھر ارادہ فرمانا۔ یہ بہت اچھا کہہ کر

رخصت ہونے لگے تو اُنھوں نے کہا کہ اب آپ کدھر جار ہے ہیں۔ میں نے کہا کہ میں اپنے اہل وعیال سے ملنے گاؤں جار ہا ہوں۔ اُنھوں نے کہا کہ نہیں اب تو آپ پہلے سیدھے حضرت پیرومرشد قبلہ کی خدمت مبارک میں ہی حاضر ہوکر عرض کیجئے۔ اس کے بعد مجھے جواب دے کر پھر آپ جاسکتے ہیں۔ یہ بہت خوب کہہ کر حیران وپریشان وہاں سے لوٹے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بیان کرتے ہیں کہ حضرت دولت سرا کے دروازہ پر ہی انتظار کرتے کھڑے تھے جوں ہی ملاحظہ فرمایا مسکرانے لگے۔ اُنھوں نے تمام ماجرا عرض کیا تو فرمایا کہ ڈرتے کیوں ہو نکاح کرلو۔ کوئی تمہارا بال بیکا نہیں کرسکتا۔ یہ کہتے ہیں کہ اس ارشاد سے مجھے تسلی ہوئی، خوف دل سے دور ہوگیا۔ پھر تو میں شاداں وفرحاں واپس ہوا اور جاکر جواب دیا کہ میرے پیرومرشد قبلہ نے مجھے اجازت دے دی ہے اس لئے اب میں تیار ہوں۔ چنانچہ ایک عرصہ تک اُنھوں نے اس جنہ کے ساتھ زندگی گزاری لیکن ان سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔

یہی مغل صاحب بیان کرتے تھے کہ میں نے اس لڑکی سے دریافت کیا کہ تو نے مجھے کیوں پسند کیا حالانکہ میں سن رسیدہ ہوں، اور ایسا خوب رو بھی نہیں۔ تو اس لڑکی نے جواب دیا کہ اس روز تمہارے چہرہ پر ایسے انوار الٰہی تھے کہ چہرہ آفتاب سے زیادہ چمک رہا تھا پس اسی سبب میرا دل تم پر آیا۔ لیکن اب وہ بات میں تمہاری صورت پر نہیں پاتی۔

یہ واقعہ متعدد اصحاب سے مروی ہے لیکن جناب شاہ شرف الدین صاحب اس ترمیم سے بیان فرماتے ہیں کہ اس جنہ نے گاؤں کے راستہ میں نہیں بلکہ پنچ محلّہ کے پاس مغل صاحب کو دیکھا تھا۔

جناب غلام محی الدین صاحب بیجاپوری مرحوم (جو حضرت ہی کے خادموں سے تھے) بیان کرتے تھے کہ ہم اکثر مغل صاحب سے فرمائش کرکے چکنی منگوایا کرتے تھے کیونکہ ان کے پاس کی چکنی ڈلی اچھی ہوتی تھی۔ بعض حضرات نے ان سے عطر بھی منگوایا۔ جب سے مغل صاحب نے اس لڑکی سے نکاح کیا تھا بہترین خوشبو کے تیل سر میں ڈالتے تھے۔ بہترین عطر ملا کرتے تھے کہ جس کی وجہ محفل میں آتے ہی محفل مہک جاتی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اس خوشبودار

تیل اور بہترین عطر کی وجہ ان کی سابقہ بی بی سے پہلے پہل جھگڑے ہوتے رہے جب ان کو یہ تمام تفصیلات معلوم ہوئیں تو وہ خاموش ہو گئیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ آپ سے شاہ جن بھی بیعت تھا چنانچہ اسی نے آپ کی خدمت میں ایک حاضرات کا نقش پیش کر کے معروضہ کیا تھا کہ جب کبھی حضرت کو مجھے یاد فرمانے کی ضرورت ہو، اس نقش کے ذریعہ طلب فرمالیں۔

چنانچہ متعدد دفعہ اس نقش کے ذریعہ طلب کیا گیا اور احکام دیئے گئے۔ اس نقش کا استعمال حضرت کے بعد بھی ہوتا رہا ہے چنانچہ راقم الحروف نے بھی اس کو استعمال کرتے دیکھا ہے۔

O-O-O

حضرت کے پاس کی مجالس

حضرت کو سماع سے بہت دلچسپی تھی۔ پہلے آپ کے سلسلہ میں محافل سماع منعقد نہیں ہوتی تھیں۔ آپ ہی نے اس کی ابتدا فرمائی لیکن وہ بھی بالالتزام کسی معینہ وقت یا مقررہ تاریخ پر نہ ہوتیں، جیسا کہ عام طور پر مشائخین کرام کے پاس مجالس سماع منعقد ہوا کرتی ہیں بلکہ جب کبھی حضرت کی طبیعت چاہتی قوال بلوائے جاتے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ قوال آئے مگر گانا نہ ہوا۔ البتہ آپ کے بھائی حضرت مکی میاں صاحب قبلہؒ نے باجازت اپنے پاس گیارھویں شریف کی ماہواری مجلس مقرر فرمائی تھی جس میں آپ بھی تشریف فرما ہتے مگر آپ نے خود بالالتزام ایسے مجالس منعقد نہیں فرمائے۔ البتہ اپنے والد ماجد کے عرس شریف کے موقع پر قوالوں کو بلوالیا کرتے اور قوالوں میں بھی خواجہ بخش نامی قوال کا (جو پہلے بھانڈ تھا بعد میں اُنھوں نے اس پیشہ کو ترک کر کے قوالی گانا شروع کیا تھا) گانا بہت پسند تھا۔ اگر چہ ان کا گانا کوئی باقاعدہ نہ ہوتا مگر حضرت اس کو بہت پسند فرماتے اور ''ہمارے قوال'' کے لقب سے یاد فرمایا کرتے تھے اور اکثر انھیں سے سنا کرتے۔

محافل سماع کا خاص رنگ رہتا۔ جہاں بلدہ کے مشہور قوال آتے تھے وہاں بھی مجالس کا ایسا رنگ نہ رہتا جیسا کہ آپ کے پاس اس معمولی قوال کے گانے پر مجلس پر کیف طاری ہوتا۔ اکثر دفعہ ایسی حالت رہتی کہ سامعین میں کسی کو ہوش تک باقی نہ رہتا۔ حضرت کو قوالی میں جب کبھی کیفیت طاری ہوتی تو اپنے چوبغلہ کے بند کو حرکت دینے لگتے اور آنکھ سے آنسو رواں ہو جاتے بس۔ دوسروں کی طرح چیخنا، پچھاڑیں کھانا، یا وجد میں رقص کرنا، آپ کی عادت نہ تھی۔ البتہ بعض اوقات شدت کیف میں بیچ مجلس میں تشریف رکھ کر دونوں پیر لانبے فرما دیتے۔ متعدد اصحاب روایت کرتے ہیں کہ جب کبھی آپ کیف میں اپنے شوبغلہ کے بندوں کو حرکت دینا شروع کرتے، ادھر مجلس پر ایسی کیفیت طاری ہوتی کہ ہر شخص آپے سے باہر ہو جاتا

کسی کو کسی کی خبر نہ رہتی۔ معلوم ایسا ہوتا تھا کہ بندوں کی حرکت سے اہل محفل کے قلوب ہل رہے ہیں۔ بعض بعض مجالس تو ایسی خاص ہوتیں کہ عقل حیران رہ جاتی۔ حضرت قبلہ مدظلہٗ بروایت حضرت مکی میاں صاحب قبلہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت اپنے والد ماجد کے عرس شریف میں اکثر خواجہ بخش قوال کو یاد فرمایا کرتے جیسا کہ ابھی اوپر ذکر کیا گیا۔ ایک دفعہ آپ کے برادر حضرت احمد علی شاہ صاحب قبلہؒ نے عرض کیا کہ ''حضرت! عرس شریف کے موقع پر چند اچھی چوکیاں بھی بلوائی جائیں تو مناسب ہوگا''۔ اس پر آپ نے جواب دیا کہ ''اگر تمہارا جی چاہتا ہے تو بلواؤ'' کیا میں نے منع کیا ہے جیسا میں بیٹا ہوں ویسے تم بھی ہو''۔ اس حکم پر حضرت کی اجازت سے برادر موصوف نے بلدہ کی مشہور و معروف چند چوکیوں کو بلوایا۔ حضرت کی طرف سے حسب عادت خواجہ بخش قوال حاضر تھا۔ جب مجلس شروع ہوئی تو ابتدأ مشہور و معروف چوکیاں بٹھائی گئیں جو بطور خاص بلوائی گئی تھیں۔ یکے بعد دیگرے تمام چوکیاں گا چکیں لیکن مجلس خاموش رہی کوئی ٹس سے مس تک نہ ہوا۔ جب تمام چوکیاں ختم ہو چکیں تو آپ نے برادر موصوف سے مخاطب ہو کر فرمایا ''کیا منجھلے میاں!'' (حضرت احمد علی شاہ صاحبؒ کو آپ اسی نام سے پکارتے تھے) '' تمہاری بلوائی ہوئی چوکیاں ہو چکیں'' جواب میں عرض کیا کہ ''جی ہاں'' تو آپ نے فرمایا کہ ''اچھا ہمارے خواجہ بخش کو بلواؤ''۔ خواجہ بخش تو پہلے ہی سے حاضر تھا، گانا شروع کیا اور اِدھر آپ نے چوبغلہ کے بندوں کو حرکت دینی شروع کی، اِدھر مجلس پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ تمام مجلس لوٹ پوٹ گئی۔ سب پر ایک کیف بیخودی طاری تھی۔ سامعین نے حالت وجد میں اتنے کپڑے نذر کئے کہ خواجہ بخش کو بعد ختم مجلس تنہا اُٹھا کر لے جانا مشکل ہو گیا۔ بعد اختتام محفل آپ نے بھائی صاحب سے فرمایا کہ ''تم نے دیکھا ہمارا خواجہ بخش کیسا گاتا ہے''۔ بھائی صاحب نے عرض کیا کہ ''یہ سب حضرت کی توجہ کا نتیجہ تھا'' فرمایا کہ ''ہاں اچھی چوکیاں کیا کرتی ہیں؟ مجلس کا بنانا ہمارے ہاتھ میں ہے''۔

اس عرس شریف کا ایک اور واقعہ حضرت قبلہ مدظلہٗ ہی سے مروی ہے کہ حضرت مکی میاں صاحب قبلہؒ نے شجرہ سلسلہ قادریہ کو نظم کیا تھا اور اس کی اصلاح حضرت نے فرمائی تھی، چراغوں

کے روز حضرت نے حضرت مکی میاں صاحب قبلہؒ سے ارشاد فرمایا کہ "تمہارا نظم کیا ہوا شجرہ پڑھو"۔ تعمیل حکم میں حضرت مکی میاں صاحب قبلہؒ نے چبوترۂ درگاہ شریف پر مزار مبارک کے قریب بیٹھ کر شجرہ پڑھنا شروع کیا۔ حضرت پر کیفیت طاری ہوئی اس کے ساتھ ہی مجلس پر وہ کیف طاری ہوا کہ ہر ایک از خود رفتہ تھا۔ مجالس سماع میں بھی ایسی کیفیت کبھی نظر نہیں آئی جیسی کہ اس مجلس میں تھی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ عرس شریف کی مجلس میں حضرت بھی تشریف فرما تھے اور آپ کے جسم مبارک پر سرخ رنگ کی چادر تھی جو غالباً کسی پیر بھائی نے اڑھائی تھی۔ قوال نے ایک غزل شروع کی جس کا ایک شعر یہ تھا:

خون سب کا میری گردن پر سہی   اے نگاہ یار قتلِ عام کر

اس شعر پر آپ کو کیفیت ہوئی۔ چادر سر سے گر گئی اور بار بار اس شعر کو دہراتے ہوئے اُٹھے۔ حضرت مولانا عبدالقدیر صاحب صدیقی مدظلہ فرماتے ہیں کہ اس تکرار کے ساتھ ہی مجلس پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ ہر شخص مرغ بسمل کی طرح تڑپ رہا تھا۔ جدھر سے حضرت کا گزر ہوتا وہ بیخود ہو جاتا آج تک بھی اس مجلس کا سماں آنکھوں میں ہے اور اس کے خیال سے بھی ایک کیف محسوس ہوتا ہے۔

یہ واقعہ حضرت مولانا حسرتؔ و حضرت مولانا فضل مدظلہما سے اسی طرح مروی ہے کہ حضرت کو حضرت محمد شاہ صاحب قبلہؒ سے بہت محبت تھی۔ حضرت موصوف کی اکثر تعریف فرماتے اور "محمد شاہ ولی" فرماتے۔ آپ کے پاس کی مجالس میں اکثر و بیشتر تشریف لے جاتے (حضرت ممدوح بھی آپ کا بیحد احترام فرماتے تھے۔ جب کبھی آپ تشریف لے جاتے اور حضرت محمد شاہ صاحب قبلہؒ کو اطلاع ملتی تو فوراً سروقد تعظیم کے لئے اُٹھ کھڑے ہوتے اور بڑھ کر آپ کو لے جاتے لیکن چونکہ آپ کو تکلفات پسند نہ تھے اس لئے اکثر اس سے بچنے کی کوشش فرماتے۔ چنانچہ آپ کے ارشادات کے باب سے معلوم ہوگا کہ تعظیماً بار بار اُٹھنے اور پیر کو ہاتھ لگانے ان تمام باتوں سے آپ نے مریدین کو بطور خاص منع فرمایا ہے۔)

حضرت قبلہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت نے مجھے یاد فرمایا کہ "دیکھئے" چلتے ہو

مکہ مسجد کے پیچھے خانقاہ میں قوالی ہے جائیں گے''۔ میں بہت اچھا کہہ کر ساتھ ہوگیا۔ مقام مجلس پر پہنچ کر آپ نے فرمایا کہ یحٰی تم اپنا جوتا لے لو میں اپنا لے لیتا ہوں اور جھکے ہوئے نظر بچا کر چپکے سے قوالوں کے پیچھے جا کر تشریف رکھے مگر پھر بھی صاحب مجلس یعنے حضرت محمد شاہ صاحب قبلہؒ کی نظر پڑ ہی گئی۔ فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے اور آپ کو آگے تشریف لانے کے لئے توجہ دلائی۔ مگر چونکہ آپ نیچی نظر کئے تشریف رکھے تھے اس لئے مریدین کے ذریعہ آگے آنے کہلوایا۔ مریدین دوڑے اور آپ کو آگے چلنے پر اصرار شروع کیا۔ مگر آپ نے اس جانب التفات ہی نہیں کیا نیچی نظر کئے بیٹھے رہے۔ بالآخر جب اصرار حد سے زیادہ ہوا تو حضرت وہاں سے اُٹھے اور تیزی کے ساتھ اپنا جوتا لئے مکان کا رُخ فرمایا۔ بعض دفعہ حضرت محمد شاہ صاحب قبلہؒ کے اصرار پر مجلس میں آگے جا کر بھی تشریف رکھے ہیں۔ جب کبھی آپ تشریف لے جاتے مجلس میں عجیب کیف رہتا۔ چنانچہ ایک وقت کا واقعہ ہے کہ اسی خانقاہ کی مجلس میں آپ حسب عادت نظر بچا کر قوالوں کے پیچھے جا کر بیٹھ گئے اور مجلس خوب گرم ہوئی۔ مکہ مسجد کے عقبی حصہ میں منڈیر پر خلق اللہ کا ہجوم تھا۔ اس میں ایک مجذوب صاحب بھی تھے۔ اُنھوں نے چیخنا شروع کیا کہ ''ارے دل جلا آیا اور مجلس میں آگ لگادی'' تھوڑی دیر اسی طرح آپ مجلس میں تشریف رکھے رہے اس کے بعد مراجعت فرمائی۔ کیپٹن حبیب علی صاحب کہتے ہیں کہ میں نے حضرت لالہ میاں صاحب قاضی پیٹ والے سے سنا۔ فرماتے تھے کہ اس وقت میں مکہ مسجد کے عقبی حصہ میں خانقاہ کی مجلس دیکھتا کھڑا تھا، میرا شباب کا زمانہ تھا، میرے بازو ہی وہ مجذوب موجود تھے جنھوں نے حضرت کے متعلق یہ الفاظ فرمائے۔ اسی وقت سے مجھے حضرت کی عظمت وشان کا علم ہوا۔

حضرت قبلہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ مجھے کم سنی ہی میں عم محترم حضرت سید عمر صاحب قبلہ قدس سرہٗ نے تجوید پڑھائی تھی، آواز بھی کچھ اچھی تھی۔ متعدد مقامات پر میری قرأت ہوئی۔ ایک دفعہ حضرت دادا پیر صاحب قبلہ قدس سرہٗ کے ختم شریف کے روز حضرت نے مجھے اٰمَنَ الرَّسُوْلُ پڑھنے کا حکم دیا۔ میں حضرت کے بازو ہی بیٹھا تھا۔ بہ تعمیل حکم میں نے

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ کی تلاوت کی مجلس پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ حاضرین مجلس میں ایک بھی ایسا نہ تھا جس کے آنکھ سے آنسو نہ رواں ہوئے ہوں، حتیٰ کہ باوجود کمسنی کے میں خود بھی متاثر ہوکر رو رہا تھا۔ اب بھی جب غور کرتا ہوں ایک لطف آتا ہے۔ چنانچہ اس کے بعد سے جس کسی محفل میں عم مکرم حضرت سید احمد علی شاہ صاحب قبلہ تشریف رکھتے اور میں بھی ہوتا تو ختم کے موقع پر چچا حضرت ممدوح اٰمَنَ الرَّسُوْلُ پڑھنے کے لئے مجھ ہی کو ارشاد فرمایا کرتے اور غالباً اس وقت کے کیف سے لطف اندوز ہوا کرتے تھے۔ عبدالحلیم صاحب مرحوم (جن کو حضرت سے بیعت تھی) بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ قوال موجود نہ تھے تو آپ نے نعت پڑھنے کیلئے مجھے حکم دیا۔ میں اور میرے ساتھ دو اور صاحبین نے ملکر نعت خوانی شروع کی۔ مجلس پر وہ کیف طاری ہوا کہ سب لوٹ پوٹ گئے۔ لوگوں نے بہت کپڑے نذر کئے۔ جب محفل برخاست ہوئی تو میں ان تمام کپڑوں کو لے جا کر حضرت کے سامنے پیش کیا کہ ان کپڑوں کو کیا کروں حضرت ہی اس کا انتظام فرمادیں تو آپ نے تھوڑے سکوت کے بعد جن کے کپڑے تھے انھیں کو واپس فرمادیئے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ربیعین میں آپ وعظ فرمایا کرتے تھے۔ وعظ کی محفل بھی بہت خاص ہوتی۔ گو آپ کا طریق وعظ عام واعظین کی طرح نہ ہوتا تھا بلکہ کتاب کی عربی عبارت پڑھ کر صرف لفظی ترجمہ فرماتے تھے لیکن اس ترجمہ میں بھی ایسا اثر ہوتا کہ ہر شخص کا دل ہلجاتا تھا۔

مولوی سید احمد صاحب مرحوم (جن کو حضرت ہی سے بیعت تھی) بیان کرتے تھے کہ میرے ایک عزیز قادر علی صاحب وکیل قوالی پر بہت اعتراض کرتے اور کہتے کہ وجد میں جو لوگ لوٹتے اور رقص کرتے ہیں یہ سب سوانگ ہے اس کی کوئی اصلیت نہیں۔ حقیقی وجد یہ ہے کہ انسان پر کیف طاری ہوا، کچھ رولیا، آنکھ سے آنسو نکلے بس۔ اس طرح چیخنا، چلانا، پٹکیاں کھانا، ناچنا، کودنا سب بیہودگی میں داخل ہے۔

سید احمد صاحب مرحوم کہتے تھے کہ ان کے اس قسم کے اعتراضات پر اکثر مجھ سے بحث و تکرار رہتی۔ بحث میں وہ تجاوز کر کے بعض دفعہ مرشدین پر بھی اعتراض کرجاتے تھے۔

ایک دفعہ میں اور وہ ملکر ایک مقام سے چلے آرہے تھے۔ اس روز حضرت دادا پیر صاحب قبلہ قدس سرہٗ یعنے حضرت خواجہ محبوب اللہ قدس سرہٗ کے والد ماجد کا عرس شریف تھا۔ میں نے قادر علی صاحب سے کہا کہ آج قاضی پورہ میں ہمارے حضرت قبلہ کے ہاں عرس شریف ہے چلئے تھوڑی دیر شرکت کر کے چلیں گے تو اُنھوں نے پہلے تو تامل کیا کیونکہ ان کو ایسی مجالس سے کوئی دلچسپی ہی نہ تھی۔ جب میں نے اصرار کیا تو راضی ہوئے مگر اس شرط سے کہ زیادہ نہ ٹھہریں گے۔ خیر وہ اور میں ملکر حاضر ہوئے اس وقت چبوترہ درگاہ شریف پر مجلس ہورہی تھی۔ حضرت قبلہ تشریف فرما تھے۔ ہم دونوں ایک جا بیٹھ گئے۔ جوں ہی حضرت کی نظر پڑی آپ نے غور سے قادر علی صاحب کو ملاحظہ فرمایا، اس کے ساتھ ہی قادر علی صاحب پر کیفیت طاری ہوئی اور اس شدت کی کہ بُری طرح پٹکیاں کھا رہے تھے۔ قادر علی صاحب کے جسم میں باریک ململ کی شیروانی اور ململ ہی کا کرتہ تھا۔ تمام کپڑے پھٹ گئے اور وہ لوٹتے لوٹتے چبوترہ کے بازو جو حوض ہے اس میں جا گرے، لوگ دوڑے اور ان کو نکالا۔ چونکہ جسم میں کپڑے باریک اور پانی سے بھیگ کر چمٹ گئے تھے اس لئے لوگوں نے رومال باندھ دیا تا کہ بے ستری نہ ہو۔ جب ان کو سکون ہوا تو وہاں سے وہ اور میں ملکر چلے۔ اثناء راہ میں، میں نے ہنستے ہوئے اُن سے کہا کہ بھائی! آپ تو سب پر اعتراض کیا کرتے تھے کہ لوٹنا، چیخنا، پٹکیاں کھانا بُری بات ہے۔ آج آپ تو ایسا لوٹے کہ ستر تک کا خیال نہ رہا تو اُنھوں نے توبہ کی اور کہا کہ بھائی! بیشک آپ کے پیر بڑے زبردست ہیں، میں اپنے بیہودہ خیالات سے توبہ کرتا ہوں۔ اس کے بعد وہ بھی حضرت کے زمرۂ غلامان میں شامل ہو گئے۔

اسی طرح کا ایک واقعہ سید دلدار حسین صاحب سے مروی ہے کہ ان کے والد سید عبدالقادر صاحب مرحوم جو حضرت ہی کے سلسلے کے تھے بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ مجھے حضرت آغا داؤد صاحب قبلہؒ کے پاس مجلس سماع میں شریک ہونے کا موقع ملا تو دیکھا کہ حضرت آغا صاحب قبلہؒ تمام مریدین کو سینہ سے لگا کر توجہ دے رہے ہیں جس کسی کو حضرت سینہ سے لگا کر چھوڑے وہ مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگا۔ جب یہ رنگ دیکھا تو مجھے بیحد ملال ہوا کہ

ہمارے حضرت ہم کو کبھی ایسی توجہ نہیں دیتے۔ لہذا اب چلکر حضرت سے عرض کرنا چاہئے کہ ہمارے پاس بھی ایسا ہو تو بہتر ہے تاکہ ہم کو بھی کبھی کیف سے لطف اندوز ہونے کا موقع ملے۔ چنانچہ اس خیال کے تحت بجائے گھر جانے کے میں سیدھے حضرت کے دولت سرا پر ہی پہنچا۔ اس وقت میں بیحد متاثر تھا۔ آپ اندر دیوان خانہ میں تشریف فرما مطالعہ فرمارہے تھے۔ جوں ہی میرے آنے کی اطلاع ملی، آپ نے یہ فرماتے ہوئے کہ آج میر صاحب بہت بگڑے ہوئے آئے ہیں، مجھے اندر یاد فرمالیا۔ جب میں نے شرف قدمبوسی حاصل کی تو مطالعہ فرماتے فرماتے کچھ اس انداز سے ملاحظہ فرمائے کہ میں بیتاب ہو گیا، روتے روتے پٹکیاں کھانے لگا میرے سر کی دستار ایک طرف جا گری۔ تھوڑی دیر بعد جب سکون ہوا تو بغیر میرے کچھ عرض کئے ارشاد ہوا کہ ''تمہارے پیر کو اللہ تعالیٰ نے اس سے بھی زیادہ سرفراز فرمایا ہے مگر اس سے کیا فائدہ؟''

اس ارشاد کے بعد میں نے اپنے خیال سے توبہ کی۔

O-O-O

کرامات

حضرت کے کرامات کا بیان لکھنے سے قبل اس کی تھوڑی سی تشریح ضروری معلوم ہوتی ہے کہ کرامت و معجزہ میں کیا فرق ہے اور استدراج کس کو کہتے ہیں؟ یہ تینوں خرق عادات ہی کا نام ہے لیکن امتیازی فرق ہے۔ کسی نبی برگزیدہ سے اگر کوئی خرق عادت فعل سرزد ہو تو اس کا نام معجزہ ہے۔ کسی ولی سے ہو تو اس کو کرامت سے یاد کریں گے اور کسی غیر مسلم سے ایسی حرکت سرزد ہو تو اس کو استدراج کہا جاتا ہے۔

خرق عادت خلاف عادت کا نام ہے تو اب ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا انسانی عادات کے خلاف کسی فعل کے سرزد ہونے کا نام خرق عادت ہے۔ اگر یہی ہے تو ایسے خوارق عادات تو ہم سے بھی بیسیوں ہوتے ہیں۔ مثلاً ہم کو دن میں تین وقت کھانا کھانے کی عادت ہے ہم جب چاہیں ایک وقت کا کھانا چھوڑ دیتے ہیں۔ انسان کے لئے رات کی نیند ضروری ہے مگر احباب کی خاطر رات رات بھر جاگتے گزر جاتی ہے کیا اسی کا نام خرق عادت ہے؟ نہیں! بلکہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے عام عادت کے خلاف کسی فعل کے ظہور کا نام خرق عادت ہے۔ جیسے کہ ایک درخت کہ اپنی عمر طبعی کو پہنچنے سے قبل بارآور نہیں ہوسکتا لیکن سید المرسلین علیہ التحیۃ والتسلیم کے ایک اشارہ سے مہینوں کی کیفیت منٹوں میں ظہور پذیر ہوگئی۔

کوئی ذی روح مرنے کے بعد زندہ نہیں ہوسکتا مگر سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم و حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور لخت جگر رسول مقبول حضرت محبوب سبحانی رضی اللہ عنہ نے بحکم ربانی بیسیوں مردے زندہ کر دکھائے۔

کوئی انسان کسی کے مافی الضمیر سے تاوقتیکہ وہ اس کا اظہار نہ کرے باخبر نہیں ہوسکتا لیکن حضرت سلطان الاولیاءؒ فرماتے ہیں کہ تمہارے قلوب کی مثال میرے سامنے زنگ بھرے شیشیوں کی ہے کہ تمہاری ہر قلبی کیفیت سے باخبر رہتا ہوں۔

عوج بن عوق کو جس کا خوراک سیروں کا تھا حضرت نوح علیہ السلام نے آدھی روٹی میں شکم سیر کر دیا۔ انہی کیفیات کا نام خرق عادت ہے۔

یہ بعض بلا ارادہ منجانب اللہ سرزد ہوتے ہیں جس سے مخلوق خدا میں ان کی شان و عظمت کا اور محبوب بارگاہِ الٰہی ہونے کا اظہار مقصود ہوتا ہے اور بعض وقت بالا رادہ بھی منکرین کو قائل کرنے اس کا ظہور عمل میں آتا ہے۔

بندہ جب خدا کی محبت میں اپنی سینکڑوں عادتیں قربان کر دیتا ہے تو ایک وقت یہ بھی آتا ہے کہ اس کی خاطر ظاہری سلسلۂ اسباب و علل کو توڑ دیا جاتا ہے اس کا منشاء پورا کیا جاتا ہے یا دوسری صورت یہ ہے کہ جو بندہ اپنے آپ کو ذات واحد میں فنا کر دیتا ہے تو خدائی صفات اس کی ذات سے ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ یہ تو محبوبین خدا کے کیفیات ہیں لیکن جو دوسروں سے ایسے واقعات کا ظہور ہو جس کو استدراج کہا جاتا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ خداوند عالم کسی کی محنت کو رائیگاں نہیں کرتا چونکہ وہ بھی محنت کرتے مشقت اُٹھاتے ہیں تو کچھ نہ کچھ اس کا صلہ ملنا ضروری ہو جاتا ہے اس لئے بعض اوقات ان سے بھی ایسے کیفیات کا ظہور ہو ہی جاتا ہے۔ مگر محبوبین بارگاہ الٰہی کے اور ان کے واقعات میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ان کا جہاں بے تکلف گزر ہو سکتا ہے وہاں ان کو پَر مارنا بھی دشوار ہے۔

حضرت کے کرامات کے بیان کے لئے یہ چند صفحات قطعاً کافی نہیں۔

داماں نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار

چنانچہ خود فرماتے ہیں:

خلق جس دن سے ہوئے بانکے میاں کے نوکر
ہر اشارہ میں کرامات نکل آتی ہے

اور یہ مبالغہ یا شاعری نہیں بلکہ واقعہ ہے۔ روز مرہ اس قسم کے صدہا واقعات نظر آتے تھے اور اب بھی بہت سی ایسی صورتیں پیش آتی رہتی ہیں۔

بچوں سے کھیل

حضرت قبلہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ میں اور بھائی فقیر میاں صاحب دونوں کمسن تھے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ ہم آپ کے پاس بیٹھے رہتے تنخواہ وغیرہ کی رقم آتی تو ان روپیوں کو آپ زمین پر پھیلا دیتے اور ہم سے ارشاد ہوتا کہ ''تم دونوں ملکران روپیوں میں سے کسی روپیہ کو سوچ لو تو ہم اسے نکال دیں گے''، ہم دونوں ملکر آپس میں مشورہ کر لیتے کہ فلاں روپیہ جو حضرت کے سامنے ہے یا اس جانب وغیرہ اور حضرت سے عرض کرتے کہ ہم نے سوچ لیا ہے۔ اب آپ پہچانئے تو آپ فوراً ہی روپیہ جس کو ہم نے سوچا تھا نکال کر ہمارے ہاتھ میں دیدیتے۔ ہم کہتے کہ نہیں آپ نے ہماری گفتگو سن لی ہے۔ اس پر آپ فرماتے کہ اچھا اب آہستہ کہہ لو یا دور جا کر مشورہ کرلو۔ ہم اس مقام سے فاصلہ پر جا کر آپس میں گفتگو کر کے آتے تو بھی ہم کو ہمارا روپیہ برابر ملتا۔ ہمیں بے حد حیرانی ہوتی تھی کہ ہماری گفتگو کا آپ کو کس طرح علم ہو جاتا ہے، مگر یہ معمہ حل نہ ہوتا۔

بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا کہ ہم عرض کرتے کہ ہم بھی پہچان لیتے ہیں۔ آپ سوچ لیجئے تو ہم نکال دیں گے۔ آپ بہت تبسم فرماتے کہ اچھا ہم نے سوچ لیا ہے تم نکال دو۔ جب ہم نکالتے تو غلط نکلتا۔ پھر ہم آپ سے خواہش کرتے تو پھر ہمارا سوچا ہوا روپیہ آپ فوراً حوالہ فرمادیتے۔ اس طرح کا کھیل اکثر و پیشتر ہوتا رہتا۔

چائے کی تقسیم

حضرت قبلہ مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ آپ کے پاس ایک چھوٹی کیتلی تھی۔ جب کبھی آپ کو چائے پینے کا خیال ہوتا تو اس کیتلی میں چائے دم دلواتے، خود بھی پیتے اور سب کو اپنے دست مبارک سے ایک ایک پیالی عطا فرماتے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ مکان میں پیر بہنیں، قرابت دار آجاتے۔ بعض دفعہ ایسا بھی ہوا کہ ہمیشہ گھر میں رہنے والے لوگوں میں سے بھی بعض نہیں رہے لیکن حیرت اس کی ہے کہ اس کیتلی کی چائے برابر سب کو تقسیم ہوتی، کبھی ایک پیالی بچتی نہ

کم ہوتی۔ اگر کبھی کوئی پیالی بچ رہتی تو آپ دریافت فرماتے کہ دیکھو کوئی باقی تو نہیں رہا۔ دریافت سے معلوم ہوتا کہ واقعی ایک صاحب باقی رہ گئے ہیں۔ آپ فرماتے کہ یہ انہی کا حصہ ہے دیدو۔ اور چائے کی تقسیم ختم ہونے تک مجھے اور میرے چھوٹے بھائی (سید محمد باقر حسینی صاحب کو یا برکۃ النبی یسر یا کریم یسر کہنے حکم فرمایا کرتے تھے۔

پیر بہنوں کے خواب

حضرت قبلہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ اکثر ناشتہ کے بعد آپ حقہ پیتے تشریف رکھتے، تمام پیر بہنیں حاضر رہتیں۔ کبھی آپ ان سے مخاطب ہو کر فرماتے کہ آج تم لوگوں نے کیا کیا خواب دیکھے ہم بیان کرتے ہیں سنو۔ اس کے بعد ہر ایک سے مخاطب ہو کر فرماتے کہ آج رات تم نے یہ خواب دیکھا اور تم نے یہ۔ اس ارشاد پر سب کی حیرانی کی کوئی انتہا نہ رہتی کہ بلا کسی کے کچھ عرض کئے حضرت کو ہمارے خواب کا کیونکر علم ہوا۔

مریدین کی یاد فرمائی

آپ کے خادمین سے اکثر حضرات سے روایت ہے کہ جب کبھی آپ کسی کو یاد فرماتے تو وہ بےچین ہو کر خود حاضر ہو جاتا۔ متعدد دفعہ ایسا ہوا کہ آپ نے فرمایا کہ فلاں صاحب بہت روز سے نہیں آئے۔ ادھر آپ نے یاد فرمایا تھوڑی دیر نہ گزری کہ وہ صاحب ازخود حاضر ہو گئے۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ آج کیسے آنا ہوا تو جواب دیا کہ یکایک حضرت کے پاس حاضر ہونے کا خیال پیدا ہوا اور چلا آیا۔ کبھی حضرت خود ہی مخاطب ہو کر فرماتے کہ ’’جب ہم نے بلایا تو آئے‘‘۔

بعض دفعہ ایسا بھی ہوا کہ آپ دروازہ سے باہر نکل کر انتظار میں ٹہلتے اور دریافت فرماتے کہ ’’فلاں صاحب نہیں آئے؟‘‘ تھوڑی دیر نہ گزرتی کہ وہ حاضر ہو جاتے۔

جناب مولانا شاہ شرف الدین صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ یکایک صبح کے وقت مجھے حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے کا خیال آیا۔ جب میں حاضر ہوا تو حضرت میرے ہی

انتظار میں تھے، مکان میں تشریف لے جانے کا ارادہ فرما رہے تھے۔ جوں ہی مجھ پر نظر پڑی پلٹے۔ جب میں نے بڑھ کر قدمبوسی حاصل کی تو مسکرا کر ارشاد فرمائے کہ:

''اجی! تم سے کس نے کہا کہ میں نے بلایا ہے۔ چوہا بولا یا کوا؟''

سبحان اللہ! ؎ باتوں میں تیری جو ہے مزہ اور میں نہیں

اسی طرح کی ایک اور روایت جناب ممدوح سے مروی ہے کہ میمن عبداللہ صدیق میوہ فروش مرحوم بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ اپنے تمام تجارتی کاروبار سے فارغ ہو کر میں اب بستر پر لیٹنے کا قصد کر رہا تھا کہ یکا یک حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے کا مجھے خیال پیدا ہوا۔ اور اس قدر شدت کے ساتھ کہ ایک منٹ ٹھہرنا بار تھا۔ اس وقت تخمیناً رات کے بارہ بجے ہوں گے میں فوراً اُٹھا اور کپڑے پہن کر نکلنے کا ارادہ کیا تو میری بی بی نے مجھ سے کہا کہ آدھی رات گزر چکی، یہ کوئی وقت ہے، حضرت بھی غالباً آرام فرما رہے ہوں۔ ایسا ہی ہے تو صبح میں حضرت کی قدمبوسی حاصل کی جا سکتی ہے لیکن چونکہ میری طبیعت بے چین تھی اس لئے میں نے بی بی کی ایک نہ سنی۔ میری اور میری اہلیہ کی حجت و تکرار میں دس پانچ منٹ گزر گئے، میں گھر سے نکل کر جب حضرت کے دولت سرا پر حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضرت احاطہ مسجد میں باؤلی کے قریب تشریف فرما ہیں جوں ہی حضرت کو دیکھا، دل کو سکون ہوا، فوراً بڑھ کر شرف قدمبوسی حاصل کی، تو اس طرح جیسے کسی کو بلائے جانے پر وجہ تاخیر دریافت کی جاتی ہے۔ ارشاد ہوا ''کیوں، آنے میں بہت دیر ہو گئی؟''

واقعات حالیہ

اس وقت بھی باوجود اس عالم سے پردہ فرمانے کے ہر روز نئی نئی کرامتیں ظاہر ہوتی رہتی ہیں منجملہ ان کے یہ بات تو تقریباً تمام خاندان اور خادمین میں مشہور ہے کہ جب کسی کی کوئی شئے گم ہو جائے اور صدق دل سے آپ کو بیچ دے تو فوراً گم شدہ چیز مل جاتی ہے۔ اس چیز کے مل جانے کے بعد جس قیمت میں وہ شئے بیچی گئی تھی اس کی نیاز گزرانی جاتی ہے۔ اس کا اہل خاندان و خادمین سے سینکڑوں ہی نے تجربہ کیا اور بعض دفعہ تو ایسے واقعات بھی پیش آئے کہ

عقل حیران ہوگئی۔ چنانچہ حضرت قبلہ مدظلہٗ اپنا ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک میرے ملاقاتی نے کسی ضرورت کے تحت مجھ سے جیبی گھڑی کا مطالبہ کیا، میں نے اپنی گھڑی انھیں دی۔ اس کے دوسرے یا تیسرے روز وہ بہت رنجیدہ میرے پاس آئے اور دریافت کیا کہ آپ کی گھڑی کس قیمت کی تھی، میں نے دریافت کیا کہ آپ کس لئے استفسار کررہے ہیں؟ اس پر اُنھوں نے بہت کچھ ٹالنے کی کوشش کی کہ ایسا اور ویسا مگر چہرہ سے ان کے ندامت کے آثار نمایاں تھے۔ جب میرا اصرار بڑھا تو اُنھوں نے حقیقتِ حال کا اظہار کیا کہ میں نے آپ سے گھڑی لی اور شیروانی کے جیب میں رکھی۔ کسی ضرورت کے تحت باہر نکلا تھا، راستہ میں نماز کا وقت ہوگیا تو وضو کے لئے شیروانی اُتاری، نماز سے فارغ ہوکر پھر شیروانی پہن کر نکلا تو جیب میں گھڑی نہ پائی، ہرچند تلاش کی مگر پتہ نہ چلا۔ اس واقعہ سے مجھے سخت ندامت ہے اس لئے براہِ کرم آپ اپنی گھڑی کے دام بتائیں تو میں دوسری گھڑی لاکر گزرانتا ہوں۔ میں نے جواب دیا کہ آپ فکر نہ کریں اِن شاءاللہ میری گھڑی کہیں نہیں جائے گی کہ میں نے گیارہ پیسے میں وہ گھڑی حضرت کو بیچ دی ہے مگر وہ مطمئن نہ ہوئے اور اس پر سخت نادم تھے۔ اس کے دوسرے یا تیسرے ہی روز کا واقعہ ہے کہ وہ میرے پاس بیحد مسرور آئے اور بیان کیا واقعی آپ کی گھڑی مل گئی۔ میں نے کہا کس طرح؟ تو کہنے لگے کہ میں راستہ میں جارہا تھا یکایک پولیس کے تھانہ پر نظر پڑی کہ لوگوں کا جم غفیر ہے۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ ایک چور گرفتار ہوا ہے اور پولیس مال مسروقہ برآمد کررہی ہے۔ مجھے بھی خیال ہوا کہ چلو اپنی گھڑی سے متعلق بھی پوچھیں۔ چنانچہ میں وہاں پہنچا اور پولیس کے جوان سے کہا کہ اس بدمعاش نے میری گھڑی بھی لی ہے اور اپنا واقعہ بیان کیا۔ جوان پولیس نے اس چور سے میری گھڑی کے متعلق بھی ڈانٹ کر دریافت کیا تو وہ فوراً قبول دیا کہ ہاں! فلاں ساہو کے پاس میں نے وہ گھڑی رہن کی ہے میں نے فوراً جوان پولیس کو ہمراہ لیا اور اس ساہو کو رقم دے کر گھڑی لے لی۔

اور ایک واقعہ عبداللہ خان صاحب جوکلی بیان کرتے ہیں کہ میری ہمشیر کے پاس گاؤں کی ایک ہندو عورت نے اپنے کان کے سونے کے گنٹیاں امانت رکھوائی تھیں، وہ ایک چھوٹی

سی ڈبیہ میں کپڑوں کے صندوق میں محفوظ رکھی گئی تھیں۔ چند دن کے بعد اس عورت نے اپنی چیز طلب کی۔ جب چیز واپس کرنے کے لئے دیکھی گئی تو ڈبیہ ہی لاپتہ تھی۔ ہر چند تلاش کی گئی مکان کا چپہ چپہ دیکھا گیا مگر وہ چیز نہ ملنی تھی نہ ملی۔ بالآخر مجبور ہو کر اس کو جواب دیدیا کہ بہت کچھ تلاش کی گئی مگر اس وقت تمہاری چیز نہیں مل رہی ہے۔ ہم دیکھ کر تمہیں دیں گے ورنہ اس کی قیمت ادا کردی جائے گی۔ مگر ہمیں سخت ندامت و پشیمانی تھی کیونکہ گاؤں میں ہم عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے اور سب کو ہم پر بھروسہ بھی تھا۔ خیال یہ ہوا کہ ہم بہت کچھ کہیں مگر اس کے دل میں خدا جانے کیا کیا خیال آئیں گے اور دوسرے کیا کہیں گے۔ پھر اگر وہ چیز نہ ملے تو نہیں معلوم وہ اس کی قیمت کیا بتاتی ہے۔ یکے نقصان مایہ و دیگر شماتت ہمسایہ کا مضمون ہے۔ پھر ایک دفعہ تلاش کی گئی مگر ناکام رہے۔ چھپر بند سے تمام مکان کی کو یلو اُلٹ دی گئی اِس خیال سے کہ شائد اس ڈبیہ کو چوہے اُٹھالے گئے ہوں مگر پتہ نہ چلا، آخر کار ہمشیر نے حضرت کو پکارا کہ اس وقت آپ کی امداد کی ضرورت ہے۔ میں یہ گنٹیاں آپ کو بیچ دی ہوں اب وہ گنٹیاں دلوایئے۔ خیر واقعہ رفت و گزشت۔ ہار مان کر بیٹھ گئے۔ چند دن کے بعد ایک روز دوپہر کے وقت سب عورتیں بیٹھی ہیں، مرد لوگ گھر میں موجود نہ تھے کھیتی باڑی میں مصروف تھے۔ مکان کے باہر سے ایک آواز آئی اور گولی کی طرح ایک شئے دالان کی دیوار پر لگی جس کی وجہ دیوار کی مٹی بھی گری، عورتیں گھبرا کر باہر نکلیں چوطرف دیکھا کہ بندوق کس نے چلائی مگر پتہ نہ چلا۔ آخر اس مٹی کو اُٹھا کر گھر کے باہر پھینک دیا۔ مغرب کے قریب جب مرد لوگ واپس ہوئے تو یہ تمام واقعہ بیان کیا، مرد لوگوں نے کہا کہ اس مٹی میں کیا گولی تھی؟ دیکھنا تو تھا تو جواب دیا گیا کہ وہ مٹی باہر فلاں مقام پر پھینکی گئی ہے۔ مرد لوگوں نے جا کر جب اس مٹی کی تحقیق شروع کی تو اس میں ایک ڈبیہ دکھائی دی جو زنگ آلود تھی اس ڈبیہ کو پتھر سے کچل کر کھولا گیا تو اس کے اندر سے وہی گنٹیاں برآمد ہوئیں۔ جس کی تلاش گھر کے چپہ چپہ میں کی گئی تھی۔ گھر کا گھر حیران تھا کہ یہ ڈبیہ کہاں سے آئی؟ پھینکی کس نے؟ یہ معمہ حل نہ ہوسکا۔

اِسی قبیل کا ایک واقعہ بالکل حالیہ میجر سید افتخار احمد صاحب سکنڈ کمانڈنگ قلعہ محمد نگر کا ہے

کہ موصوف کی قمیص کی سونے کی گنڈیاں چوری گئیں۔ اُنھوں نے حاضر ہوکر حضرت قبلہ مدظلہٗ سے عرض کی تو حضرت نے فرمایا کہ ’’ہمارے حضرت کو بیچ دیجیے ان شاء اللہ مل جائیں گی‘‘۔ چنانچہ اُنھوں نے بیچ دیں۔ میجر صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میں کسی ضرورت کے تحت موٹر میں نکلا۔ راستہ میں مجھے ایسا معلوم ہوا کہ کسی نے کوئی چیز پھینکی، جو اندر آکر گری، جس کا مار میرے سینے پر لگا، میں چونک کر جو دیکھا تو وہی میری سونے کی گنڈیاں تھیں جس کے لئے میں حیران تھا، عقل حیران رہ گئی کہ راستہ میں کس نے پھینکا اور کدھر سے آگئیں۔

اور ایک واقعہ جناب شاہ شرف الدین صاحب قادری سے مروی ہے کہ ایک دفعہ مولوی ظہیر الدین احمد صاحب شریک معتمد فینانس کی بی بی کے سونے کے پازیب کی فرد تجوری سے غائب ہوگئی، گھر میں تمام تلاش کی گئی لیکن کہیں پتہ نہ چلا۔ بالآخران کی بی بی نے پریشان ہوکر میرے پاس اطلاع کی کہ کوئی تعویذ یا نقش دیا جائے تا کہ گم شدہ شئے مل جائے تو میں نے جواب دیا کہ ’’ہمارے حضرت کو بیچ دو اِن شاء اللہ مل جائے گی‘‘ اُنھوں نے حسبہٗ حضرت کو بیچ دیا۔ تھوڑے روز نہ گزرے تھے کہ ایک دفعہ ان کی بی بی نے کپڑے بدلنے کی غرض سے الماری سے جب اپنے کپڑے نکالے تو ساڑی کی تہ سے پازیب کی فرد برآمد ہوئی۔ سب کے سب حیران ہوگئے کہ ان کپڑوں میں یہ فرد کیسے آئی؟ کون رکھا؟ مگر کچھ سمجھ میں نہ آیا۔

اسی طرح آپ کو جائیدادوں کی وصول شدنی رقوم بھی بیچی جاتی ہیں اور بفضلہٖ تعالیٰ مقاصد پورے ہوتے ہیں:

خاصانِ خدا خدا نباشند　　لیکن زِ خدا جدا نباشند

جو اُمور محبوبینِ بارگاہِ الٰہی سے عرض کئے جاتے ہیں خداوند عالم ان کو پورا فرماتا ہے۔ کیا غائب کیا حاضر، سب پر ان کی نظر کرم یکساں ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اُنھوں نے خداوند عالم میں اپنے آپ کو ایسا فنا کیا کہ اب بجز ذات الٰہی کچھ بھی باقی نہیں تجلیات الٰہی کا مظہر بن گئے۔ اسی کیفیت کو کسی بزرگ ہستی نے اپنے اس شعر میں ظاہر فرمایا ہے:

میں نہیں ہوں میں نہیں ہوں میں نہیں　　دیکھنے کو میں نظر آتا ہوں میں

واقعہ بھی یہی ہے کہ اس بے صورت کی تو کوئی صورت نہیں جس شکل میں چاہا تجلی فرمائی، جس نے آگ سے انی انا اللہ کی ندا فرمائی، اگر صورت بشری کو اپنی تجلی گاہ خاص بنائے تو تعجب کی کیا بات ہے۔ خاصان خدا انھیں تجلیات کا مظہر ہیں جس کا بدیہی ثبوت ہر چشم بینا کو ملتا ہے۔ اب جس ہستی کے اس عالم سے پردہ فرمانے کے بعد بھی یہ تصرفات ہوں تو تشریف فرمائی کے زمانے کے کیا حالات ہوں گے اس کا اندازہ خود ناظرین فرما سکتے ہیں۔ تاہم چند واقعات جو ہم کو مستند روایات کے ذریعہ پہنچے نقل کئے جاتے ہیں۔

برکتِ طعام

عبداللہ خاں صاحب ساکن جوکل بیان کرتے ہیں کہ ربیع الثانی شریف کا مہینہ اور حضرت کے والد ماجد کا عرس شریف تھا، ختم کے روز ایک خادم تو تھلے عبدالرزاق نامی نے آکر عرض کیا کہ آج غلام نے نیاز کی ہے، حضرت تشریف لے چلکر غلام کے پاس خاصہ تناول فرمائیں۔ اُنھوں نے نیاز مختصر پیمانہ پر کی تھی اور شائد ان کا منشاء صرف حضرت اور آپ کے چند خاص خادمین کو بُلانے کا تھا مگر اتفاق سے اُنھوں نے جس وقت آکر عرض کی تو ہم سب حاضر تھے، حضرت نے ہم سب کو اپنے ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ اس کے سنتے ہی عبدالرزاق صاحب حواس باختہ ہوگئے کیونکہ ان کے پاس اس قدر اہتمام نہ تھا۔ مگر جب حضرت تشریف فرما ہوئے، دسترخوان بچھا، کھانا مشقابوں میں لاکر رکھا گیا تو آپ نے اپنے دست مبارک سے سب کو سرفراز فرمایا۔ سب خوب شکم سیر ہو کر کھائے جب سب فارغ ہوگئے تو آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ دیکھو اب کھانا کتنا ہے؟ وہ دیکھ کر آکر قدموں پر گر پڑے اور عرض کیا کہ اس وقت تو حضرت کا تصرف معلوم ہوتا ہے کہ کھانا جیسے کا ویسا ہی ہے۔ آپ نے مسکرا کر ارشاد فرمایا کہ "تم تو بہت پریشان ہوگئے تھے"۔

حضرت قبلہ گاہ مدظلہ، حضرت مکی میاں صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ سے ایک واقعہ اسی طرح کا بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت مکی میاں صاحب قبلہؒ نے کچھ نیاز مختصر پیمانہ پر کی اور حضرت سے تشریف لے چلنے آکر عرض کیا۔ اس وقت آپ کی خدمت میں بہت سے خادمین

حاضر تھے۔ آپ نے سب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ چلو! محمود صاحب کے پاس تم سب کی دعوت ہے (حضرت مکی میاں صاحب قبلہ کو آپ محمود صاحب ہی فرمایا کرتے تھے) اس ارشاد سے حضرت مکی میاں صاحب قبلہؒ فرماتے تھے کہ میرے دل میں خیال گزرا کہ میں نے تیاری مختصر کی ہے اور حضرت سب کو دعوت فرما رہے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کمی واقع ہو لہذا پخت کا کچھ اور انتظام کر دینا چاہئے۔ اس خیال کے ساتھ ہی آپ نے فرمایا کہ ''محمود صاحب تم جا کر دستر خوان بچھاؤ ہم ابھی آتے ہیں'' اب تو کچھ عرض کرنے کی بھی گنجائش نہ تھی۔ فوراً گیا، اور حسب الحکم دستر خوان بچھایا، کھانا لا کر رکھا۔ آپ سب خادمین کے ہمراہ رونق افروز ہوئے اور کھانا شروع ہوا، مگر خود دو دو دانے تناول فرماتے اور ہر ایک کو اچھی طرح کھانے کی ہدایت فرمائی۔ جب سب خادمین شکم سیر ہو گئے تو آپ نے ان کو برخاست کا حکم دیا اور خود اسی طرح دستر خوان پر بیٹھے رہے۔ حکم دیا کہ زنانہ کے لوگوں کو بلاؤ سب حاضر ہوئے اور آپ کے ساتھ ہی زنانہ کے سب لوگوں نے بھی کھا لیا جب سب کھا چکے آپ نے فرمایا کہ دیکھو اب کھانا کتنا ہے، عرض کیا گیا کہ ابھی ایک آدمی کھا سکتا ہے۔ فرمایا کوئی باقی تو نہیں؟ جواب میں عرض کیا گیا کہ نہیں سب فارغ ہو گئے تو فرمایا کہ دیکھو شائد کوئی باقی رہ گیا ہو گا۔ داعی صاحب فرماتے تھے کہ میں گھر کے باہر نکل کر دیکھا تو واقعی ایک پیر بھائی باقی ہیں۔ عرض کیا حضرت فلاں صاحب باقی ہیں۔ فرمایا کہ ہاں! یہ کھانا انھیں کے حصہ کا ہے چنانچہ ان کو بھی بلا کر کھانا کھلا دیا گیا۔

اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت سید عمر صاحب قبلہؒ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ آپ نے حضرت سے عرض کیا کہ میں فاتحہ دلانا چاہتا ہوں۔ چند دوست احباب کو بھی مدعو کرنے کا خیال ہے۔ دعوتیوں کی فہرست بھی دکھائی۔ حضرت نے فرمایا مناسب ہے۔ اس کے بعد آپ فرماتے تھے کہ میں نے پخت سے متعلق دریافت کی تو ارشاد ہوا کہ پندرہ سیر کی پخت کرو۔ میں نے عرض کی کہ پندرہ سیر کافی نہ ہوں گے، پاؤ پلہ کی پخت کی جائے تو مناسب ہو گا۔ اس کے جواب میں آپ نے پھر فرمایا کہ پندرہ سیر بہت کافی ہیں۔ اب میں کچھ زیادہ عرض نہ کر سکا خاموش ہو گیا مگر دل میں خیال کیا اب مکرر حضرت سے عرض کرنے کی کیا ضرورت ہے پاؤ پلہ

کی پخت کروانی چاہیے، بچ رہے گا تو دوسروں کے کام آئے گا۔ چنانچہ حسبہٗ پاؤپلہ کی پخت کا انتظام کیا وقت دعوت آپ کے پاس حاضر ہوا۔ آپ کو لے گیا، تمام دعوتی بھی آئے، کھانا شروع ہوا، آپ دسترخوان پر یہاں بھی آخر تک اسی طرح تشریف فرما رہے۔ جب سب فارغ ہو چکے تو ارشاد ہوا تو دیکھو کھانا کتنا باقی ہے؟ میں نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ برابر آدھا کھانا بچ گیا ہے۔ میں نے اس کی اطلاع دی تو فرمایا کہ تم نے کتنا کھانا پکوایا تھا۔ میں نے عرض کی پاؤپلہ۔ فرمایا کہ میں نے تم کو پندرہ سیر پکوانے کے لئے کہا تھا۔ پھر تم نے پاؤپلہ کی کیوں پخت کروائی۔ بلاوجہ پندرہ سیر کا نقصان کرلیا۔

اور ایک واقعہ حضرت مکی میاں صاحب قبلہؒ سے مروی ہے کہ حضرت کے خادمین سے ایک صاحب مسمی عاشق حسین صاحب چودھری سلطان شاہی میں رہتے تھے۔ ایک دفعہ ان کے پاس دعوت میں آپ تشریف فرما ہوئے۔ دسترخوان پر ۲۵ یا ۳۰ آدمی تھے، تین سینکیوں میں کھانا نکال کر رکھا گیا۔ یہاں بھی آپ اسی طرح دو دو دانے تناول فرماتے بیٹھے رہے اور ہر ایک کو اچھی طرح لینے کی ہدایت فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ سب شکم سیر ہو گئے اور ان تینوں سینکیوں میں جو کھانا نکالا گیا تھا ابھی تھوڑا تھوڑا باقی ہی تھا۔ جب دعوت کے مکان سے باہر تشریف فرما ہوئے تو حضرت مکی میاں صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ میں نے عرض کی کہ آج کھانے کے تصرف نے تو ہم کو حیرت زدہ کر دیا۔ اس پر آپ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا کہ کھانے میں برکت کر دینا تو ایک چھوٹی کرامت ہے، البتہ مردہ کو زندہ کرنا بڑی کرامت ہے، تو میں نے پھر عرض کیا کہ حضرت مردہ دل زندہ کرنا تو آپ نے فرمایا کہ ہاں! یہ بھی بڑی بات ہے۔

مولانا شرف الدین صاحب قادری فرماتے ہیں۔ ایک دفعہ میرے پاس کی دعوت میں بھی اسی طرح حضرت نے تصرف فرمایا، دو ڈھائی سو آدمی کھانا کھائے پھر بھی نصف دیگ کھانا بچ رہا۔

اور ایک واقعہ بھی مولانا موصوف سے مروی ہے کہ ایک دفعہ بروز عید تمام پیر بھائیوں کو حضرت کی ہم طعامی کا شرف حاصل ہوا۔ دولت خانہ میں دسترخوان بچھا، تمام پیر بھائی حاضر

تھے۔ تین یا چار مشقابوں میں کھانا نکال کر رکھا گیا، اسی کھانے میں سب کے سب شکم سیر ہو گئے۔

ایک اور واقعہ اس کے برعکس مولانا موصوف سے ہی مروی ہے کہ ایک دفعہ حضرت کے دولت خانہ پر کھانے کا شرف حاصل ہوا، راوی صاحب فرماتے ہیں کہ میں اور سید احمد صاحب ڈنکہ نواز مرحوم ایک اور پیر بھائی تھے، ہم تینوں کے لئے اندر سے لگن بھر کھانا آیا، ہم تینوں نے کھانا شروع کیا اور اس قدر کھایا کہ پورا لگن صاف ہو گیا۔ کھانے کے بعد حیرت ہوئی کہ آخر اس قدر کھانا ہم نے کیونکر کھایا مگر کچھ سمجھ میں نہ آیا۔

سبحان اللہ! جس کو جس قدر چاہتے ہیں کھلاتے ہیں۔ کہیں تھوڑے سے کھانے میں شکم سیر کر دیتے ہیں تو کہیں ایسا تصرف دکھاتے ہیں۔ بہر حال عقل وفہم سے ان کی ہر ادا بالا ہے۔

انشراح قلب

حضرت کی تعلیم میں کشف قلبی کو بہت اہمیت تھی۔ چنانچہ آپ اپنے مریدین کے بارے میں سب سے پہلے اسی کی جانب توجہ فرمائی مگر جیسے انسان صورت وشکل میں مختلف ہوتے ہیں، اِسی طرح اِن کی کیفیات بھی مختلف ہوتی ہیں، کسی کو بہت جلد یہ نعمت مل جاتی تو کسی کو عرصہ کی محنت کے بعد نصیب ہوتی۔ بعض خادمین کو حضرت نے باوجود محنت شاقہ کے بھی جب اس نعمت سے سرفراز نہ ہونے کی وجہ ملول پایا تو اپنی توجہات خاص سے ان کو سرفراز فرمایا۔ چنانچہ دار الشفاء والی بی بی بیان فرماتی تھیں کہ میں ایک عرصہ سے اس میں کوشش کر رہی تھی لیکن اس سے محروم تھی۔ جب کبھی آپ مجھ سے دریافت فرماتے تو میں عرض کرتی کہ اب تک مجھے انکشاف نہیں ہوا، آخر ایک دفعہ آپ نے مجھ سے فرمایا کہ اب مراقبہ کیجئے۔ میں حسب الحکم اس کے طریقہ کے موافق آنکھیں بند کر کے بیٹھ گئی۔ اِدھر آپ نے اپنے منجھلے صاحبزادے کو اپنی تسبیح مبارک دیکر حکم فرمایا کہ میرے سر پر رکھ دیں چنانچہ تسبیح میرے سر پر رکھ دی گئی۔ مجھے اس کی خبر نہیں، اِدھر انکشاف ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد آپ نے اس تسبیح کو سر سے نکال لینے کا حکم دیا۔ تسبیح جونہی ہٹی وہ کیفیت جاتی رہی میں بہت خوش وخرم اُٹھی، آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ ہاں!

کہو کیا دیکھا میں نے تمام کیفیت عرض کی، آپ تبسم فرماتے رہے، تسبیح رکھنے کی کیفیت مجھے دوسروں سے بعد میں معلوم ہوئی۔

اور بعض دوسرے اصحاب کے ساتھ بھی آپ نے اسی طرح عمل فرمایا کہ تسبیح سر پر رکھتے ہی انھیں انکشاف ہوگیا۔ چنانچہ ابراہیم سالار نامی آپ کے ایک خادم تھے ان کے ساتھ بھی آپ نے اسی طرح کا عمل فرمایا تھا جس کی وجہ وہ اس نعمت سے مالا مال ہوئے۔

بعض اصحاب کے ساتھ بھی کیفیت یہی رہی۔ چنانچہ حضرت قبلہ گاہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ حضرت مکی میاں صاحب قبلہؒ بیان فرماتے تھے کہ میں بھی ایک عرصہ تک اس میں کوشاں رہا لیکن انکشاف نہ ہوتا تھا، اس زمانہ میں مجھے کبوتروں کا شوق تھا، کچھ کبوتر میں نے پال رکھے تھے، جب کبھی مراقب ہوتا تو کبوتر ہی نظر آتے، آخر ایک دفعہ میں نے سخت ملول ہوکر آپ کی خدمت میں عرض کی کہ حضرت میرے ساتھیوں میں سب کو انکشاف ہوگیا لیکن مجھ پر ایسی کیفیت کیوں گزر رہی ہے، اس زمانہ میں آپ کے پاس بھی چند کبوتر کے جوڑے تھے۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ تم نے ہمارے کبوتروں کو دانہ نہیں ڈالا۔ اس وجہ تم کو کبوتر دکھائی دیتے ہیں، یہ سنتے ہی مجھے چین نہ آیا فوراً جاکر تھوڑی جوار اور چنا لاکر آپ کے پاس کے کبوتروں کو ڈالا اور اس کے بعد جب مراقب ہوا تو مقصود پایا۔

برادرم مولانا اشرف علی صاحب مفتی اول بلدہ بیان فرماتے ہیں کہ جعفر صاحب نامی حضرت کے ایک خادم تھے جو تمام عمر ہمارے دادا حضرت سید احمد علی شاہ صاحب قبلہ قدس سرہٗ کی خدمت میں گزارے۔ وہ بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ میں نے حضرت خواجہ محبوب اللہ قدس سرہٗ سے عرض کی کہ پیر و مرشد سب کو انشراح قلب نصیب ہوا میری بھی تمنا ہے کہ اس دولت سے سرفراز کیا جاؤں تو ارشاد ہوا کہ اچھا تم بھی مراقب ہوکر بیٹھو۔ حسب ارشاد میں نے تعمیل کی۔ آنکھیں بند کر کے بیٹھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ چار مینار سے بٹی ہاتھ میں لئے سودا لینے چلا جارہا ہوں، جب آنکھیں کھولیں تو آپ نے مسکرا کر ارشاد فرمایا کہ کہو کیا دیکھا، میں نے عرض کی کہ پیر و مرشد! مجھے ایسا نظر آیا تو ارشاد ہوا کہ بس تمہارے تفویض یہی کام ہے۔

راوی صاحب بیان فرماتے ہیں کہ حضرت کا ارشاد مبارک پورا ہوا۔ آخر عمر تک جعفر صاحب مرحوم کی اسی طرح گزری کہ ہمارے دادا حضرت یعنی حضرت احمد علی شاہ صاحب قبلہؒ کے پاس کے تمام خانگی کاروبار انہی سے متعلق رہے۔

اِشراف علی الخواطر

آپ کے اشراف علی الخواطر یعنی دلی بات کے پہچاننے کی یہ کیفیت تھی کہ اِدھر دل میں خطرہ گزرا، اُدھر آپ نے جواب ادا فرمایا جیسے کہ ٹیلیفون کے ذریعہ انسان کو بات معلوم ہو جاتی ہے۔ آپ کے مریدین باتفاق جمیع یہ بیان کرتے ہیں کہ بسا اوقات ایسے واقعات در پیش ہوئے کہ ہم نے دل میں کچھ خیال کیا کہ فلاں بات کے متعلق حضرت سے عرض کرنا چاہئے کہ فوراً آپ اس کا جواب ادا فرما دیتے۔

حضرت قبلہ گاہ مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ میں نے امامی بیگم صاحبہ عرف ندی پار والی بی سے سنا ہے کہ حضرت عم محترم سید عمر صاحب قدس سرہٗ اکثر علیل رہا کرتے تھے۔ اطباء کی یہ رائے تھی کہ ان کی شادی جلد ہونی چاہئے کہ ان کے مزاج کی اصل خرابی کا سبب تجرد ہے۔ چنانچہ حسب مشورہ اطباء حضرت نے آپ کی شادی جلد کرنے کا قصد فرمایا تو آپ کو بلا کر استفسار فرمایا کہ میرا ارادہ ہے تمہاری شادی کردوں مگر نسبت کا تم خود انتخاب کرتے ہو یا مجھ پر چھوڑتے ہو۔ تو چچا حضرت نے عرض کیا کہ آپ جو نسبت مناسب تصور فرمائیں اس میں مجھے عذر نہ ہوگا۔ تو پھر آپ نے فرمایا کہ جب تم مجھ پر چھوڑتے ہو تو اگر میں کسی معمولی عورت کا بھی انتخاب کروں تو تمھیں عذر نہ ہونا چاہئے۔ عم محترم نے عرض کیا کہ حضرت کے حکم کی تعمیل میں مجھے کوئی عذر نہ ہوگا۔ اس کے بعد آپ نے سید قاسم صاحب نامی خادم کو (جو مسجد میں آپ ہی کے پاس رہا کرتے تھے) بلا کر ارشاد فرمایا کہ ان کے لئے نسبت دیکھی جائے۔ اس کے بعد ایک دفعہ سید صاحب موصوف نے عرض کیا کہ فلاں نسبت اچھی ہے، آپ نے فرمایا کہ مناسب ہے۔ پھر سید صاحب نے دوسری مرتبہ آ کر عرض کی کہ دلہا کو دلہن والے دیکھنا چاہتے ہیں تو آپ نے چچا حضرت (حضرت سید عمر صاحبؒ) کو بلوا کر ارشاد فرمایا کہ سید صاحب کے ساتھ دلہن والوں

کے پاس جانا ہے تیار ہوکر آؤ۔ چچا حضرت فرماتے تھے کہ میں بہت خوب کہہ کر ساتھ ہوگیا۔ جب وہاں سے واپسی ہوئی اور میں نے اس بارے میں دریافت کی تو معلوم ہوا کہ اس نسبت کی قرارداد صرف سید صاحب کے بیان پر ہوگئی ہے، یہاں سے کسی کو بھیج کر (جیسے کہ قاعدہ ہے) لڑکی کو دکھایا گیا نہ ان کے خاندانی وگھر کے حالات سے متعلق کچھ دریافت ہوئی مجھے بے حد فکر ہوئی کہ آپ نے کس طرح اس نسبت کی قرارداد فرمادی، مگر چونکہ میں آپ سے پہلے ہی وعدہ کر چکا تھا کہ آپ کے حکم کی تعمیل میں سر مو عذر نہ ہوگا اس لئے اب مکرر کچھ عرض کرنے کی جرأت نہ ہوئی کہ مبادا آپ کو ناگوارِ خاطر گزرے اور عتاب کا سبب ہو۔ اس لئے میں نے امامی بیگم صاحبہ کو بلا کر کہا کہ حضرت نے میرے لئے ایک نسبت کی قرارداد فرمائی ہے، دریافت سے معلوم ہوا کہ وہاں کسی کو بھیج کر لڑکی کو دکھایا گیا نہ کسی قسم کی دریافت کی گئی ہے۔ نہیں معلوم کہ لڑکی کیسی ہے؟ خاندانی حالات کیا ہیں؟ اس لئے میں نے آپ کو تکلیف دی ہے کہ آپ حضرت سے عرض کر کے کسی کو وہاں بھیج کر پہلے لڑکی کو تو دکھوائیے۔ بیگم صاحبہ موصوفہ میرے کہنے کے مطابق جب حضرت سے عرض کرنے کے لئے وہاں پہونچیں تو قبل اس کے کہ وہ کچھ عرض کرتیں آپ نے خود اِن سے مخاطب ہوکر ارشاد فرمایا کہ آپ نے سنا ہم نے چنو میاں[1] کے لئے ایک نسبت کا قرارداد کیا ہے "لڑکی بے حد اچھی، خاندان بھی ان کا اچھا ہے" اب یہ ششدر ہوکر سن رہی تھیں کہ میں جس بات کے عرض کرنے کے لئے حاضر ہوئی تھی قبل اس کے کہ عرض کروں جواب ادا ہو رہا ہے۔ اس کے بعد اُنھوں نے مجھ سے تمام حقیقت حال کا اظہار کیا تو پھر میں نے ان سے خواہش ظاہر کی کہ اچھا وہ لوگ کیسے ہیں؟ اور لڑکی کی طبیعت کیسی ہے؟ اس کو بھی تو دریافت فرمائیے۔ وہ پھر حاضر ہوئیں اور اِسی طرح قبل سوال جواب ملا کہ "وہ لوگ بہت اچھے ہیں ان کے گھر کا رویہ بھی بہت بہتر ہے، لڑکی کی طبیعت بھی اچھی ہے، پھر اُنھوں نے جملہ واقعات وارشادات مجھ سے بیان کئے۔ اب تو کچھ آگے کہنے کی گنجائش نہ رہی اسلئے میں بھی خاموش رہا، لیکن جب شادی ہوئی تو مجھے ان تمام باتوں کی تصدیق ہوئی جن کو حضرت نے بے دیکھے بیان فرمایا تھا۔

[1] حضرت سید عمر صاحب قبلہؒ کو آپ اسی نام سے یاد فرمایا کرتے تھے

حضرت مولانا عبدالقدیر صاحب صدیقی مدظلہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ کی خدمت مبارک میں میں ایک اور پیر بھائی مسمی عبدالحمید صاحب حاضر تھے۔ آپ نے مجھے ایک وظیفہ پڑھنے کے لئے بتایا کہ یہ پڑھا کرو اور اس طرح پڑھو۔ میں بہت خوب کہہ کر خاموش ہو گیا۔ اس کے بعد عبدالحمید صاحب کی جانب مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ تم بھی پڑھو تو عبدالحمید صاحب کہتے تھے کہ میرے دل میں خیال گزرا کہ کیا میں بھی اسی طرح پڑھا کروں۔ اس خیال کے ساتھ ہی آپ نے ''ہوں'' کہہ کر جیسا کہ کسی کے جواب میں کہا جاتا ہے فرمایا کہ نہیں تم ایسا نہیں ایسا پڑھو۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ میرے دل میں خیال ہوا کہ کیا چلتے پھرتے پڑھ سکتے ہیں یا ایک جا بیٹھ کر پڑھنا چاہئے۔ اس کے ساتھ ہی پھر آپ نے ''ہوں'' کہہ کر فرمایا کہ نہیں ایک جا بیٹھ کر پڑھو۔ وہ کہتے تھے کہ پھر مجھے خیال ہوا کہ کیا وقت معین کر کے پڑھنا یا بلاتعین وقت تو پھر آپ نے اسی طرح ''ہوں'' کہہ کر فرمایا کہ نہیں وقت کا تعین کر کے پڑھا کرو۔

کہا جاتا ہے کہ بعض اوقات[1] آپ مریدین کے ساتھ دستر خوان پر تشریف رکھتے کسی مرید کے دل میں خیال گزرتا کہ میں حضرت سے فاصلہ پر بیٹھا ہوں اگر قریب ہوتا تو مجھے بھی آپ کے دست مبارک سے کھانا میسر آتا۔ اِس خیال کے ساتھ ہی آپ ان سے مخاطب ہو کر فرماتے کہ تم اِدھر آ جاؤ، میرا ہاتھ اتنا لانبا نہیں کہ یہاں سے بیٹھے ہوئے تمہیں کھانا ڈالوں۔

عبداللہ خاں صاحب جوکلی بیان کرتے ہیں کہ حاجی قاسم صاحب نامی ایک صاحب تھے جو حضرت کے مکان میں رہتے تھے جن کو آپ کے والد ماجد قدس سرہٗ سے بیعت تھی ان کا انتقال ہو گیا۔ چونکہ ان کے ورثاء میں کوئی نہ تھا اس لئے ان کا سامان ہراج کروا کر وہ پیسے ان کی فاتحہ وغیرہ میں لگانے کا آپ نے حکم دیا تھا۔ سامان کچھ ہراج ہوا اور کچھ ہراج ہونے والا تھا۔ اس سامان میں ایک دو صندوق لکڑی کے تھے جس کے متعلق مجھے خیال ہوا کہ اگر یہ ہراج ہوں تو میں لوں گا لیکن اس کا میں نے کسی سے ذکر نہیں کیا۔ میں نوکری میں تھا یہاں سامان کا ہراج شروع ہوا۔ حضرت نے خود بڑھ کر ان دونوں صندوقوں کو اپنے نام پر چھڑ والیا۔ اتفاقاً اسی روز شام میں میں نوکری سے واپس آیا تو حضرت نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ عبداللہ خاں ہم

نے تمہارے واسطے دو صندوق لئے ہیں۔ میں حیران ہو گیا کہ حضرت کو اس کی کس طرح خبر ہوئی؟ پھر آپ نے فرمایا کہ صندوق لے جاؤ تو میں نے عرض کیا کہ گاؤں کی بنڈیاں تجارتی مال لے کر گنج کو آتی ہیں۔ اگر وہ آجائیں تو میں ان صندوقوں کو لیجا کر ان کے ساتھ کر دوں گا تو ارشاد ہوا کہ صندوق اُٹھا کر لے جاؤ شمشیر گنج میں گاؤں کی بنڈیاں آئی ہیں۔ ان کے ساتھ کر دو۔ میں نے عرض کیا کہ پیر و مرشد اگر بنڈیاں نہ آئیں تو مشکل ہو گی۔ اس پر پھر آپ نے فرمایا کہ نہیں! آ گئی ہیں اور مزدوروں کو لا کر ان صندوقوں کو لے جاؤ۔ جب میں شمشیر گنج جا کر دیکھا تو واقعی گاؤں کی بنڈیاں موجود تھیں۔ فوراً میں صندوقوں کو اس میں رکھوا کر روانہ کر دیا۔ اس کے بعد جب میں نے حضرت سے اس کی قیمت دریافت کی تا کہ گزرانوں تو آپ نے فرمایا کہ نہیں! قیمت کی کیا ضرورت ہے۔ ہم نے تمہارے ہی لئے یہ صندوق لئے تھے۔

عبدالحلیم صاحب نامی حضرت کے ایک خادم بیان کرتے تھے کہ میں ناس سونگھنے کا عادی تھا، رمضان شریف کا مہینہ، تراویح جماعت سے ہو رہی تھی، میں جماعت میں شریک تھا اور حضرت جماعت میں شریک نہ تھے۔ میری عادت تھی کہ ناس کی ڈبیہ سامنے رکھتا سلام پھیرتے ہی ایک چٹکی ناس سونگھ لیتا۔ پھر نماز کے لئے کھڑا ہو جاتا۔ ایک روز اسی طرح حسب عادت ڈبیہ رکھی ہوئی تھی حضرت قبلہ تشریف لائے اور میرے سامنے سے ڈبیہ لی اور ایک چٹکی اس ڈبیہ سے ناس کی اُٹھالی۔ ساتھ ہی میرے دل میں بحالت نماز خطرہ گزرا کہ حضرت اکثر ہم کو یہ نصیحت فرمایا کرتے ہیں کہ کسی کی بلا اجازت کوئی چیز نہ لینی چاہئے لیکن آج حضرت میری بلا اجازت ناس کس طرح لئے ہیں اس خیال کے بعد معاً آپ نے میری جانب مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ ''عبدالحلیم! میں ناس لیتا ہوں''۔ اس ارشاد کے ساتھ ہی مجھے ایسی ندامت ہوئی کہ نماز میں پسینہ پسینہ ہو گیا جیسے کاٹو تو جسم میں لہو نہ تھا اور اپنے خطرہ پر پچھتا تا تھا۔

روشن علی صاحب نامی ایک صاحب ہیں جن کو حضرت احمد علی شاہ صاحب نقشبندیؒ سے بیعت ہے اور ان سے حضرت کی ایک پروردہ لڑکی منسوب ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ بلدہ میں ہیضہ کی شدت تھی، اموات کثرت سے واقع ہو رہے تھے، سب کے قلوب پریشان

تھے، بالخصوص میں اس زمانہ میں سخت پریشان تھا، غذا کم کر دیا تھا۔ شب و روز اسی فکر میں گزرتے تھے۔ ایک روز راستہ سے گزر رہا تھا کہ حضرت سے ملاقات ہوئی۔ میں نے بڑھ کر قدمبوسی حاصل کی تو آپ نے مزاج پرسی کی اور فرمایا کہ تمہارا ایسا کیوں حال ہو گیا ہے؟ جواب میں عرض کیا کہ جی کچھ نہیں بحمد للہ خیریت ہوں۔ فرمائے کہ ”دیوانے ہو کھاؤ پیو بیکار افکار میں کیوں مبتلا ہو، اس خیال کو دل سے نکالو“ بس اس ارشاد کا مجھ پر ایسا اثر ہوا کہ تمام پریشانیاں و وساوس یک لخت دل سے رخصت ہو گئے یا تو غذا ہیبت سے چلتی ہی نہ تھی یا اسی روز مکان جانے کے بعد خوب پیٹ بھر کھایا اور پھر ایسا خیال نہ آیا۔

منشی شیخ مدار صاحب بیان کرتے ہیں کہ میری خالہ کو حضرت سے بیعت تھی۔ خالہ صاحبہ نے ایک دفعہ میرے پاس تین روپے یہ کہہ کر امانت رکھوائے کہ ”ماہ ربیع الثانی شریف میں شجرہ پڑھواتے وقت لونگی جب تک تم اس کو اپنے پاس رکھو“ میں بہت خوب کہہ کر لے لیا، اتفاقاً میرے پاس وہ پیسے صرف ہو گئے۔ جب ربیع الثانی کا مہینہ آیا تو خالہ صاحبہ نے اپنی امانت کا مطالبہ کیا۔ میں اس خیال سے کہ کہیں سے لا کر ان کو ان کی امانت واپس کر دوں گا، مکان سے نکلا پنچ محلّہ کے قریب راستہ میں حضرت سے ملاقات ہوئی، میں آگے بڑھ کر سلام و مصافحہ کیا تو ارشاد ہوا کہ ہمارے ساتھ آؤ میں بہت خوب کہہ کر ساتھ ہو گیا۔ آپ سیدھے مکان تشریف لے چلے، دولت سرا پہنچ کر دروازہ پر مجھے ٹھہرا کر اندر تشریف لے گئے اور تھوڑی دیر بعد اندر سے تین روپے لئے ہوئے برآمد ہوئے اور مجھے وہ روپے سرفراز کیے۔ میں نے عرض کی کہ جی اس کو کیا کروں تو حکم ہوا کہ ”لے جاؤ یہ روپے پھر ہمارے پاس ہی آنے والے ہیں“۔ میں نے ہر چند عرض کی لیکن آپ نے بہ اصرار وہ روپے مجھے دیدیئے۔ میں قدمبوسی حاصل کر کے مکان آیا اور خالہ صاحبہ کی امانت ان کے سپرد کر دی۔

غلام محی الدین صاحب بیجاپوری (جن کو حضرت ہی سے بیعت تھی) بیان کرتے تھے کہ آپ نے میرے چھوٹے برادر سید نظام الدین صاحب کو خلافت سے سرفراز فرمایا تو مجھے بے حد رنج ہوا کہ ہم تو جیسے کے ویسے ہی رہ گئے اور نظام الدین کو خلافت بھی مل گئی۔ چنانچہ اسی کوفت میں یہی خیال پکاتے احاطہ مسجد میں پائین کے دالان میں سست بیٹھا ہوا تھا اور حضرت

دولت سرا میں رونق افروز تھے۔ احاطہ مسجد میں اس وقت کوئی اور نہ تھا۔ مجھے یہ خیالات پکا تے دس منٹ بھی نہ گزرے ہوں گے کہ دروازہ کھلنے کی آواز آئی دیکھا تو حضرت مکان سے باہر رونق افروز ہوئے میں سہا ہوا کھڑا ہو گیا۔ آپ قریب تشریف لائے اور میری جانب سے منہ پھیر کر قبلہ کی طرف رُخ کئے کھڑے ہو گئے۔ چہرہ پر غضب کے آثار نمایاں، رنگ متغیر تھا فرمانے لگے کہ:

''لوگ کرتے تو کچھ نہیں مگر خیالات بڑے بڑے پکاتے ہیں''۔

حاجی جان محمد صاحب میمن سے روایت ہے کہ حضرت اکثر اوقات لاڈ بازار میں ان کے ایک عزیز عبدالغنی صاحب میمن کی دوکان میں تشریف لے جاتے اور تھوڑی دیر تشریف رکھتے تھے۔ جب کبھی حضرت رونق افروز ہوتے تو ان کی عادت تھی کہ حضرت کی خدمت میں چائے پیش کیا کرتے۔ حضرت تھوڑی سی چائے نوش فرمانے کے بعد بقیہ حصہ کبھی حاجی جان محمد صاحب کو تو کبھی حاجی نور محمد صاحب مہاجر کو عطا فرماتے۔ اسی طرح ایک دفعہ حضرت رونق افروز ہوئے، عبدالغنی صاحب نے حسب عادت چائے پیش کی، آپ نے پیالی اُٹھائی۔ عبدالغنی صاحب کہتے تھے کہ اس روز میرے دل میں خیال آیا کہ آج بقیہ حصہ چائے مجھے سرفراز ہو جائے تو اچھا ہے مگر نہیں معلوم آج بھی جان محمد صاحب کو دیتے ہیں یا نور محمد صاحب کو، اس خیال کے ساتھ ہی حضرت نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ ''جان محمد صاحب کو دیتے ہیں نہ نور محمد صاحب کو دیتے ہیں لو پیو''۔ اور پیالی مجھے سرفراز فرمائی، میں نے نہایت مسرت سے آداب بجالا کر پیالی لے لی۔

مولوی محمد حسین صاحب مدرس فنون سپہ گری جامعہ نظامیہ بیان کرتے ہیں کہ مولانا محمد رکن الدین صاحب صدیقی مرحوم (جن سے حضرت کی ہمشیرہ نسبتی منسوب تھیں) فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میں حضرت کے پاس ملاقات کے لئے حاضر ہوا تو میرے دل میں خیال آیا کہ بہت روز ہوئے کہ عربی وضع کا گوشت کھانے میں نہیں آیا۔ تیار کروا کر کھانا چاہئے۔ اس خیال کا میں نے کسی سے تذکرہ بھی نہیں کیا۔ حضرت کے پاس حاضر ہوا، ملاقات کی، واپسی کی

اجازت چاہی تو آپ نے مجھ سے فرمایا کہ آپ عربی وضع کا گوشت کھانا چاہتے ہیں تو کھا کر جائیے۔ میں حیران ہو گیا کہ میرے اس خیال کا آپ کو کیسے علم ہو گیا۔ پانچ منٹ نہیں گزرے تھے کہ ایک عرب ہنڈی میں گرم گرم گوشت لاکر آپ کے ملاحظہ میں پیش کیا تو آپ نے فرمایا کہ لیجئے یہ آپ کی ضیافت کی گئی ہے۔

پیشین گوئیاں

حضرت مکی میاں صاحب قبلہ قدس سرہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت مکان میں تشریف فرما تھے اور تمام مریدین حاضر خدمت تھے کہ یکایک حضرت نے ارشاد فرمایا کہ ''مکان کا دروازہ بند کر دو'' اس کے بعد ارشاد ہوا کہ ''اب جو شخص آ کر دروازہ پر دستک دے گا وہ ہمارا سچا دوست ہوگا''۔ ہم سب حیران تھے کہ یا اللہ وہ کون شخص ہوگا؟ اور اپنے میں آپ تخیلات بھی کر رہے تھے کہ کاش اس وقت ہم باہر ہوتے اور آ کر دروازہ پر دستک دیتے۔ اتنے میں باہر سے دستک کی آواز آئی، پوچھا گیا ''کون'' جواب ملا ''شجاع الدین'' جو آپ کے ماموں زاد بھائی تھے اور آپس میں اس قدر خلوص تھا کہ اکثر آپ ان کے پاس تشریف لے جاتے اور وہ آپ کے پاس آتے، باہمی خلوص کا اس سے اندازہ ملتا ہے کہ حضرت شجاع الدین صاحب ثانیؒ کے صاحبزادے کی جب شادی قرار پائی تو دلہن کے تمام جوڑے وغیرہ حضرت ہی کے پاس تیار ہوئے) اس جواب کے ساتھ ہی آپ نے مسکرا کر ارشاد فرمایا کہ ''جاؤ دروازہ کھول دو''۔

حضرت قبلہ گاہ مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ کے بڑے برادر نسبتی یعنی حضرت سید غلام غوث صاحب شطاری قدس سرہٗ کے لڑکے کا مزاج ناساز تھا، دورے ہوا کرتے تھے، عیادت کے لئے سب آئے لیکن آپ تشریف نہیں لے گئے، حالانکہ آپ کی عادت شریف تھی کہ ذرا بھی کسی کے مزاج ناساز ہونے کی اطلاع ملتی تو فوراً تشریف لے جاتے کیونکہ باہم محبت و مودت بہت تھی۔ اس طرح کئی روز گزر گئے، بالآخر آپ کی سلیج نے کہلوایا کہ اگر آپ تشریف لائیں تو مناسب ہے کیونکہ تمام خاندان کے لوگ آپ کو بزرگ بھی جانتے تھے۔ اس

بلاوے پر آپ بادل ناخواستہ تشریف لے گئے، جس وقت وہاں پہنچے تو تیوری پر بل تھا، چہرہ سے مغموم نظر آتے تھے، آپ کی سلیج نے عرض کیا کہ کئی روز سے بچہ کا مزاج ناساز ہے، دورے ہورہے ہیں۔ دن بدن طبیعت خراب ہوتی جارہی ہے۔ آپ کچھ پڑھ کر دم فرمایئے تا کہ خداوند عالم شفا عنایت فرمائے۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ پریشانی کی بات کیا ہے جو دیا ہے وہ لینے کا بھی مجاز ہے۔ اس میں ہمارا کیا اجارہ ہے؟ ہم کو ہر حال میں راضی برضا رہنا چاہئے۔ بس اس ارشاد پر بچہ کی والدہ صاحبہ نے رونا شروع کیا اور آپ وہاں سے واپس ہوگئے۔ چنانچہ دوسرے ہی روز اس بچہ کا انتقال ہوگیا۔ اس واقعہ کے تھوڑے عرصہ بعد انھیں ایک اور لڑکا تولد ہوا اور چند ماہ بعد اس لڑکے کی بھی یہی کیفیت ہوئی۔ یعنے اسی طرح دورے ہونے شروع ہوگئے۔ چونکہ قبل ازیں اس مرض سے ایک لڑکا جاتا رہا تھا اس لئے والدین سخت پریشان تھے کہ نہیں معلوم اب اس لڑکے کو کیا ہوتا ہے۔ جب آپ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ فوراً بغیر بلائے خود ہی تشریف فرما ہوئے۔ سب لوگ پریشان تھے کہ نہیں معلوم اب کیا ارشاد ہوتا ہے مگر آپ نے نہایت خندہ پیشانی سے بچہ کو گود میں لیا اور والدین کو تسلی دی کہ پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ ان شاء اللہ اب مزاج سنبھل جائے گا اور اپنا لعاب دہن بچہ کو چٹایا چنانچہ اسی روز سے خدائے تعالٰی نے شفا بخشی اور چند ہی روز میں بچہ کی طبیعت بالکل سنبھل گئی۔ یہ وہی صاحب زادے یعنی حضرت سید شاہ فضل الرحمٰن شطاریؒ تھے جو بعد میں حضرت سید عمر صاحب قبلہ قدس سرہٗ کے داماد ہوئے۔

حضرت کی بڑی سالی صاحبہ کی نسبت سے متعلق آپ سے ذکر کیا گیا کہ سید امر اللہ صاحب قاضی باسم کی نسبت آئی ہے تو آپ نے فرمایا کہ اگر انھیں لڑکی دی جائے گی تو بعد میں پچتائیں گے مگر وہ نسبت مقسوم کی تھی طے ہوگئی۔ چنانچہ ویسا ہی ہوا کہ زندگی خوشگوار نہ گزری، چھوٹی سالی صاحبہ کی نسبت سے متعلق تذکرہ آیا تو آپ نے فرمایا کہ ''قسمت کی یہی نسبت ہے اس کے سوا دوسری نہیں ہوسکتی'' اگرچہ اس نسبت سے متعلق بہت کچھ تردد رہا مگر بالآخر وہی طے پائی اور ان ہی سے شادی ہوئی۔

مولانا شرف الدین صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت سید عمر صاحب قبلہ قدس سرہ کو ایک عرصہ تک اولاد ہی نہیں ہوئی، جب اس کے متعلق آپ سے عرض کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ نہیں، انھیں اولاد ہوگی۔ میں نے ان کی اولاد کو عالم مثال میں دیکھا ہے۔ چنانچہ ویسا ہی ہوا کہ حضرت کے وصال کے بعد اللہ تعالیٰ نے اولاد عطا فرمائی۔

حضرت قبلہ گاہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت مفتی محبوب نواز الدولہ مرحوم نے کوٹھی کی تعمیر کی تو حضرت کو بلوایا، آپ نے مکان ملاحظہ فرما کر بے حد تعریف کی اور فرمایا کہ ''بھائی یہ دو دن کے واسطے آپ نے بے حد روپیہ لگایا'' مفتی صاحب نے کہا کہ ''آپ اپنی زبان مبارک سے اس طرح نہ فرمانا'' آپ نے فرمایا کہ ''نہیں، خدا آپ کو مبارک کرے، میں نے تو ایک بات جو ذہن میں آئی کہہ دی'' چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ مفتی صاحب مرحوم کے انتقال کے بعد تھوڑے ہی عرصہ میں وہ کوٹھی کا مکان ہراج ہوگیا، جس پر اس وقت غیر قابض ہیں۔

عبداللہ صاحب جوکلی بیان کرتے ہیں کہ میری ہمشیر زادی کی شادی گاؤں میں مقرر تھی میں بلدہ میں بوجہ ملازمت رہتا تھا۔ ہمشیر نے دھوبی کے ذریعہ چٹھی روانہ کی کہ اس ماہ کی ۲۵ر تاریخ کو شب گشت ۲۶ر کو جلوہ قرار پایا ہے۔ تم حضرت پیر و مرشد قبلہ سے عرض کر کے حضرت کو ساتھ لاؤ اور آتے آتے پھول وغیرہ بھی لاؤ۔ جب وہ دھوبی یہ پیام لایا تو میں اس کو ساتھ لے کر آپ کے در دولت پر حاضر ہوا اور تمام واقعات عرض کئے۔ آپ نے مسکرا کر ارشاد فرمایا کہ جلوہ ۲۶ر تاریخ کو ہے یا ۲۷ر کو۔ میں نے عرض کیا کہ جی ۲۶ر تاریخ کو، تو آپ نے فرمایا کہ نہیں ۲۷ر کو ہوگا۔ میں نے پھر ایک دفعہ آپ کے مواجہ ہی میں اس دھوبی سے تحقیق کر کے عرض کیا کہ جی ۲۶ر تاریخ ہی ہے تو آپ نے فرمایا کہ ہم تو ۲۶ر ہی کو آئیں گے۔ اس پر اب زیادہ اصرار نامناسب خیال کر کے میں خاموش ہوگیا اور چونکہ مجھے ضروری سامان مہیا کر کے ایک روز قبل ہی جانا ضروری تھا اس لئے میں ۲۵ر تاریخ ہی کو یہاں سے نکل گیا۔ جب شمس آباد کے قریب پہنچا تو گاؤں کے چند اصحاب سے ملاقات ہوئی جن سے معلوم ہوا کہ بعض اہل برادری کے اصرار پر عقد کی تاریخ ایک روز بڑھا دی گئی ہے۔ یعنی بجائے ۲۶ر کے

۲۷ر قرار پائی ہے۔ اس خبر کے سنتے ہی مجھے حضرت کا ارشاد یاد آیا کہ آپ نے قبل از قبل اسی کی پیشین گوئی فرمائی تھی چنانچہ حسب وعدہ آپ برابر ۲۶ر تاریخ کو رونق افروز ہوئے اور آتے ہی مجھ سے دریافت فرمایا کہ آج کیا ہے؟ میں نے تمام واقعات عرض کیے تو مسکرا کر ارشاد ہوا کہ ''ہاں! ہم تو پہلے ہی تم سے کہہ دیئے تھے'' اس کے بعد حضرت نے ایک رات وہاں قیام فرمایا اور دوسرے دن محفل عقد میں شرکت کی خطبۂ نکاح بھی خود ہی پڑھے۔

مولانا مفتی اشرف علی صاحب فرماتے ہیں کہ میرے والد ماجد حضرت شائق علیہ الرحمہ بیان فرماتے تھے کہ ایک دفعہ حضرت مفتی محبوب نواز الدولہ مرحوم کے پاس ایک غیر ملکی مہمان آئے تھے جو اپنے آپ کو حضرت پیران پیر رضی اللہ عنہ کی اولاد سے بتاتے تھے۔ چونکہ مفتی صاحب مرحوم کو حضرت پیر مصطفٰی صاحب قبلہ قدس سرہٗ العزیز سے شرف بیعت تھا، اس لئے بھی آپ اس نو وارد مسافر صاحب کو بیحد احترام سے اپنے ہاں رکھے تھے اور ان کی پیشی میں مجھ کو متعین فرمادیئے تھے) اُن مسافر صاحب نے کچھ عطر تقسیم فرمایا جس کی ایک شیشی میرے جیب ہی میں تھی۔ یکا یک میرے دل میں خیال آیا تو میں نے وہ شیشی نکال کر حضرت کی خدمت میں پیش کی کہ حضرت پیران پیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد سے ایک صاحبزادے تشریف لائے ہیں اور مجھے یہ شیشی سرفراز فرمائی ہے، آپ نے اس شیشی کو لیا، ڈاٹ نکال کر کچھ عطر ہاتھ پر ملے اور سونگھتے ہی لاحول ولاقوۃ فرماتے ہوئے فرمائے کہ ''اس میں تو تسخیر کی بو آتی ہے اور وہ جھوٹا ہے۔ میں نے ابھی حضرت پیران پیر رضی اللہ عنہ سے اس معاملہ میں عرض کیا تو ارشاد ہوا کہ وہ ہماری اولاد سے نہیں ہے۔ میں اس ارشاد مبارک کو سن کر خاموش ہوگیا اور یہاں سے جانے کے بعد تمام واقعات اپنے نانا حضرت مفتی صاحب مرحوم سے عرض کیے تو حضرت موصوف بگڑ گئے کہ ''خواجہ میاں تو جو جی میں آئے کسی کے بھی متعلق کہہ دیتے ہیں وغیرہ'' وہ میرے سامنے اس طرح کہے مگر ادھر بصیغۂ راز اپنے پیر حضرت نقیب الاشراف پیر مصطفٰی صاحب قبلہ کو خط لکھ کر واقعات دریافت کیے تو وہاں سے جواب آیا کہ یہاں سے کوئی صاحبزادے حیدرآباد نہیں گئے اور نہ اس نام کا صاحبزادوں میں کوئی شخص ہے جو کہتا ہے جھوٹ

کہتا ہے۔ اس جواب کے آنے کے بعد حضرت مفتی صاحب مرحوم نے مجھے یاد فرمایا اور وہ خط دکھا کر فرمایا کہ خواجہ میاں صاحب نے جو فرمایا تھا لفظ بہ لفظ صحیح نکلا۔ اس کے بعد اس مسافر صاحب کو اپنے ہاں سے رخصت کر دیا۔

مولانا شرف الدین صاحب بھی اس روایت کو بیان فرماتے ہیں مگر تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ۔

حضرت کے ایک خادم عبدالحلیم صاحب مرحوم بیان کرتے تھے کہ ان کے چچا عبدالرزاق صاحب کو پائیگاہ خورشید جاہ مرحوم سے مشروط تنخواہ ملتی تھی (زمانہ قدیم میں یہ طریقہ رائج تھا کہ جائیدادیں وراثتاً اجراء ہوتیں۔ اگر کسی کا کوئی وارث نہ ہوتا تو معاشدار کی جانب سے جس کسی شخص کو پیش کیا جاتا اسی کے نام اس غرض سے کہ وہ مرحوم کے پسماندگان کی پرورش کا کفیل رہے گا جائیداد اجراء کی جاتی، کیونکہ قدیم زمانے کے امراء و نوابوں کی نیت بخیر تھی، کسی صورت غرباء کی پرورش ان کے پیش نظر ہوتی تھی۔ ان کا نظریہ یہ تھا کہ پروردگار عالم نے اپنی عنایت سے غرباء کی پرورش کا ہم کو ذریعہ بنایا ہے اور یہ کثیر معاش جو ہم کو ملتا ہے اس میں اس کے دوسرے بندوں کا بھی حق ہے۔ اس لئے زمانہ موجودہ کی طرح ہر گنجائش محض اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لئے محفوظ کرنا نہ چاہتے تھے جیسی نیت ویسی برکت مشہور ہے۔ اس لئے اس زمانہ کی فارغ البالی و خوش حالی بھی ویسی ہی تھی کہ آج بڑی بڑی معاش رکھنے والے بھی اتنے خوش حال نہیں ہیں جتنے اس زمانہ کے غریب تھے) چونکہ عبدالرزاق صاحب مرحوم کو کوئی اولاد نہ تھی عبدالحلیم صاحب کہتے تھے کہ میں بھی اسی پائیگاہ میں ایک مشروط جائیداد پر مامور تھا۔ اب دوسری مشروط جائیداد تحت قانون میرے نام اجراء نہ ہوسکتی تھی اس لئے میں اور میری چچی یعنے مرحوم کی بی بی نے آپس میں مشورہ کیا کہ اس جائیداد کو چھوڑ دینے سے بہتر یہ ہوگا کہ حضرت پیر و مرشد قبلہ کے کسی صاحبزادے کے نام اجراء کرا دیا جائے۔ چنانچہ ہم دونوں ملکر حاضر خدمت ہوئے اور حضرت سے معروضہ کیا کہ اگر آپ کی اجازت ہو تو ہم یہ جائیداد آپ کے منجھلے صاحبزادہ صاحب کے نام اجراء کرنے درخواست کرتے ہیں۔ اس پر حضرت نے مجھ

سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ ''عبدالحلیم تم اپنے بچہ کے نام اجرائی کی درخواست کرو'' میں نے عرض کیا کہ پیرومرشد مجھے تو کوئی اولاد ہی نہیں تو آپ نے فرمایا کہ ''ہو جائے گی'' میں نے پھر عرض کیا کہ حضرت میری بی بی حاملہ بھی نہیں ہے تو فرمایا کہ ''تم درخواست تو دیدو اللہ دیدے گا''۔ اس پر میں خاموش ہو رہا مگر مجھے بے حد فکر ہوئی کہ تعمیل حکم میں درخواست کردوں اور سرکاری طور پر تحقیقات کا آغاز ہو جائے بعد میں یہ معلوم ہوا کہ اس کو اولاد ہی نہیں ہے تو بڑی رسوائی کی بات ہوگی اور مجھ پر بڑا زبردست الزام عائد ہوگا کہ اس نے سرکار کو دھوکہ دیا۔ اگر میری بی بی حاملہ بھی ہوتی تو میں یہ بات بتا سکتا تھا کہ میں نے بامید آئندہ ایسی درخواست کی ہے مگر یہاں تو وہ صورت بھی نہیں۔ بالآخر میں نے اس پریشانی کا حضرت کے برادر حضرت مکی میاں صاحب قبلہؒ سے تذکرہ کیا تو موصوف نے فرمایا کہ حضرت کی زبان مبارک سے جب نکلا ہے تو اللہ تعالیٰ ضرور پورا کرے گا، تم بلا کسی تردد کے فوراً درخواست تو کردو میں نے ڈرتے ڈرتے تعمیل حکم میں ایک فرضی نام رکھ کر درخواست کردی۔ کارروائی کی ابتداء ہوئی، اِدھر میری بی بی کو حمل قرار پایا اور تکمیل کارروائی تک جس کو ایک سال سے زائد عرصہ گزرا ہوگا، مجھے لڑکا تولد ہوا اور وہ معاش میرے بچے کے نام اجراء ہوئی جو آج تک برابر جاری ہے۔

حضرت قبلہ مدظلہ، فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت چھوٹے چبوترے پر تشریف رکھے تھے۔ منجھلے چچا حضرت قبلہؒ (یعنے حضرت احمد علی شاہ صاحب) تشریف لائے اور عرض کی کہ مولوی نورالحسنین صاحب کی نواسی کا پیام اعظم علی کے لئے آیا ہے۔ مفتی محبوب نوازالدولہ کا منشاء ہے کہ نسبت بہت اچھی ہے اس کا قرارداد ہو جائے تو بہتر ہے (کیونکہ اس زمانہ میں مولوی نورالحسنین صاحب کی مالی حالت بہت اچھی تھی اور بلدہ کے مشہور و معروف علماء میں ان کا شمار تھا۔ اِدھر مفتی محبوب نوازالدولہ تھے جن کی مالی حالت بھی بہت بہتر تھی) اس نسبت کے تذکرہ پر آپ کا چہرۂ مبارک غضب ناک ہوگیا، فرمائے کہ کیوں کیا قرابت کی کوئی لڑکی نہیں، کیا مکی میاں کی لڑکی نہیں ہے جو باہر کی لڑکی دیکھی جارہی ہے۔ آپ کے اِس ارشاد پر منجھلے چچا حضرت (حضرت سید احمد علی شاہ صاحبؒ) نے پھر عرض کی کہ جی! مفتی صاحب بھائی کا اس

طرف رجحان زیادہ ہے اس لئے ان کی خاطر اس کی اجازت مل جائے تو مناسب ہوگا پھر آپ نے وہی فرمایا کہ ''نہیں! یہ نسبت قطعاً مناسب نہیں ہے۔ اگر کرو گے تو پچتاؤ گے'' اب اس کے بعد تو مکرر عرض کرنے کی جرأت نہ ہوسکی۔ چچا حضرت موصوف خاموش ہوگئے۔ پھر حضرت کے وصال تک اس نسبت کا قرارداد نہ ہوسکا۔ جب حضرت نے اس عالم سے پردہ فرمایا تب مفتی صاحب مرحوم نے اس نسبت کا قرارداد کیا، شادی ہوئی اور شادی کے بعد حضرت کے ارشاد کی لفظ بہ لفظ تصدیق ہوئی۔

مولانا شرف الدین صاحب قادری بیان فرماتے ہیں کہ روشن علی صاحب شاہی چتر بردار تھے۔ ایک دفعہ صاحب موصوف نے میرے توسط سے حضرت کی خدمت مبارک میں معروضہ کیا، میں نے جب اس معروضہ کو پیش کیا تو آپ نے فرمایا کہ ''کون روشن علی؟'' میں عرض کیا کہ میرے ایک عزیز ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ ''وہ جو کالے رنگ کے ہیں'' میں نے عرض کیا جی ہاں! پھر فرمائے وہ جو ذرا سی بیچ میں ڈاڑھی منڈھواتے ہیں، میں نے عرض کیا جی ہاں! (حالانکہ حضرت نے ان کو کبھی ملاحظہ ہی نہیں فرمایا تھا) پھر فرمائے غالباً وہ محبوب علی خان کی پیشی میں رہتے ہیں، میں نے عرض کیا جی ہاں! تو فرمائے وہ تنبول خانہ کے داروغہ ہیں؟ میں نے عرض کیا جی ہاں! پھر فرمائے وہ کبھی چھتری بھی پکڑتے ہیں؟ میں نے عرض کیا جی ہاں؟ پھر فرمائے ان کے ساتھ ایک اور صاحب بھی رہتے ہیں جو ذرا جسیم ہیں کیا وہ ان کے بھائی ہیں؟ عرض کیا جی نہیں! ان کے ساتھی ہیں! اس کے بعد فرمائے کہ تمہارے سسرے؟ میں حیران ہوگیا کیونکہ اس وقت تک نہ ان کی لڑکی مجھ سے منسوب تھی نہ ایسا کوئی تذکرہ تھا۔ میں نے اس وقت تو جی کہہ کر سکوت اختیار کیا لیکن حضرت کے وصال کے دس سال بعد حضرت کی پیشین گوئی کی تکمیل ہوئی کہ روشن علی صاحب چتر بردار کی لڑکی مجھ سے منسوب ہوئی اور وہ میرے سسرے بنے۔

مولانا شرف الدین صاحب بیان فرماتے ہیں کہ حضرت سید عمر صاحب قبلہ'' کو ایک عرصہ تک اولاد نہ ہونے کی وجہ اکثر آپ ملول رہا کرتے تھے اگرچہ کہ حضرت نے متعدد دفعہ

آپ کو دلاسا بھی دیا کہ ''تم فکر نہ کرو تمہیں اللہ تعالیٰ اولاد سرفراز فرمائے گا'' مگر حضرت موصوف کا ملال باقی تھا۔ایک دفعہ حضرت نے اپنے ایک کمسن صاحبزادہ (صاحب پادشاہ) کو جن کی عمر شائد چھ سات ماہ کی ہوگی جو شیر خوار تھے باہر گود میں لئے رونق افروز ہوئے اس وقت میں بھی خدمت مبارک میں حاضر تھا۔تھوڑی دیر بعد حضرت سید عمر صاحب قبلہؒ تشریف لائے تو آپ نے اپنے اس صاحبزادہ کو حضرت ممدوح کے سپرد فرمایا کہ ''لو! یہ بچہ آج سے تمہارا ہے'' ممدوح نے خوشی خوشی سے اس بچہ کو گود میں لیا اور فرط مسرت سے پھولوں نہیں سماتے تھے،مسرت کے آثاران کے چہرہ سے ظاہر تھے کیونکہ بالعموم جن کو اولاد نہیں ہوتی ہے کسی کا بھی بچہ ہو اس کے مل جانے سے ایک مسرت ہی ہوا کرتی ہے۔ایک تو اس لحاظ سے بھی اور پھر دوسرے حضرت کی سرفرازی پر زیادہ مسرت اس وجہ سے شائد ہوئی ہو کہ اس سرفرازی کی برکت سے خداوند عالم جلد مجھے اولاد سرفراز فرمائے گا۔بہر حال بے حد مسرور ہو کر عرض کیا کہ حضرت مجھے اجازت ہے کہ اس بچہ کو میں اپنے پاس لے جا کر رکھ لوں؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں! پھر عرض کئے کہ حضرت مجھے اس کی بھی اجازت ہے کہ میں انا کو مقرر کر کے اپنے ہی ہاں اس بچہ کے دودھ کا بھی انتظام کرلوں؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں! تم جو چاہے انتظام کر سکتے ہو! اس ارشاد پر خوش ہو کر سلام عرض کر کے حضرت مولوی صاحب قبلہؒ تشریف لے جا رہے تھے کہ حضرت نے ارشاد فرمایا تم کچھ سمجھے؟ مولوی صاحب قبلہؒ نے عرض کیا جی کیا! تو ارشاد ہوا کہ تم کو اولاد ہونے کی دلیل دیا ہوں۔اس کرم آمیز ارشاد پر حضرت مولوی صاحب قبلہؒ بے حد مسرور ہو کر اس بچہ کو اپنے گھر لے گئے اور انا کا بھی انتظام فرمالیا اور اپنی ہی اولاد کی طرح ہر طرح خبر گیراں رہے۔ایک عرصہ تک بچہ وہیں پرورش پاتا رہا چلنے پھرلگا۔حضرت ممدوح اور آپ کے محل مبارک کی آنکھوں کا نور دل کا سرور تھا۔اس بچہ کو دیکھ دیکھ کر ہر دو باغ باغ ہوتے تھے۔جب وہ سوا دو سال کے ہوئے تو ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ بنگلہ کی کھڑکی سے جہاں حضرت مولوی صاحب قبلہؒ تشریف رکھا کرتے تھے، وہ صاحبزادہ نیچے کسی کو دیکھ رہے تھے۔یکا یک بچہ کا جھوک نکلا اور بنگلہ سے نیچے جہاں اولوں سے ٹوٹی ہوئی کویلو پڑی تھی جا گرا،

چھوٹا سا بچہ اس کے قوا ہی کتنے، پھر بنگلہ سے نیچے کی جانب گرنا دماغ کو بیحد چوٹ آئی، فوراً بچہ کی حالت دگر گوں ہوگئی، نبض ساقط ہوگئی، سانس موقوف ہوگئی، لوگ دوڑے ہوئے آئے بچہ کو اُلٹا پلٹا، ہر طرح غور و فکر کی، موت کا یقین ہوگیا۔ تو گھر میں لے جا کر لٹا دیئے، گھر میں چیخ و پکار واویلا مچا، بالخصوص مولوی صاحب قبلہؒ اور آپ کی بی بی صاحبہ کو اس واقعہ سے سخت صدمہ پہنچا کہ ہمیں خداوند عالم اولاد سرفراز نہیں فرمایا، ایک بچہ کو لے کر پالے تو وہ بھی اس طرح جاتا رہا۔ اس واقعہ کے وقت بھی حضرت مکان میں تشریف فرماتھے اور اتفاقاً میں بھی سامنے حاضر تھا، گھر کے تمام لوگ خبر پاتے ہی دوڑے ہوئے گئے۔ مگر حضرت اِسی طرح خاموش تشریف فرماتھے۔ جب برہنہ صاحب نامی حضرت کے خادم نے اس کی اطلاع دی تو ارشاد ہوا کہ اگر مرگیا تو دفن کردو میں کیا کروں؟ میں ان کو دے دیا بس! تھوڑی دیر بعد آپ مسکراتے ہوئے اُٹھے اور سیدھے حضرت مولوی صاحبؒ کے مکان کا رُخ فرمایا، میں بھی ساتھ ساتھ پیچھے پیچھے تھا۔ جب حضرت مولوی صاحب قبلہؒ کے مکان میں داخل ہوئے اور مولوی صاحب قبلہؒ کو آواز دی تو مولوی صاحب قبلہؒ آتے ہی قدموں پر سر رکھ کر رونے لگے تو ارشاد ہوا کہ ''کیوں روتے ہو تمہارا بچہ اچھا ہے'' راوی صاحب کہتے ہیں اس کے بعد حضرت اندر زنانہ میں تشریف لے گئے۔ میں باہر ہی ٹھہر گیا، تھوڑی دیر انتظار کے بعد میں اپنے گھر چلا گیا۔ چار بجے پھر جب حاضر ہوا تو حضرت مکی میاں صاحب قبلہؒ نے فرمایا کہ آج تو حضرت نے عجیب و غریب تصرف دکھایا۔ جب حضرت تشریف لائے اس وقت بچہ کو کپڑا اڑھا کر لٹا دیا گیا تھا کیونکہ ہم نے ہر طرح کا اطمینان کرلیا تھا۔ حضرت تشریف لا کر بچہ کے منہ سے کپڑا ہٹائے اور بچہ کی پیشانی پر دست مبارک رکھ کر رگڑتے ہوئے بچہ کا نام لے کر تین مرتبہ صائب صائب صائب پکارے۔ جس کے ساتھ ہی بچہ نے آنکھیں کھول دیں اور آپ نے بچہ کو گود میں لے کر حضرت سید عمر صاحب قبلہؒ کے حوالہ فرمادیا۔

جس کے بعد سب کی بالخصوص حضرت سید عمر صاحب قبلہؒ اور آپ کے محل محترم کی مسرت قابل دید تھی کہ خوشی سے پھولوں نہیں ساتے تھے اور خداوند عالم کا شکر بجالا رہے تھے کہ

خدا نے جان بخشی، خیر معاملہ رفت و گذشت۔ اس واقعہ پر کامل ایک سال گزرا پھر وہ بچہ ہیضہ سے علیل ہوا اور ایک دو روز کی مختصر علالت کے بعد دوسرے سال اسی تاریخ اسی ماہ داعی اجل کو لبیک کہا۔ جس وقت بچہ کا انتقال ہوا تو حضرت سید عمر صاحب قبلہؒ روتے ہوئے بیخودی کے عالم میں دوڑتے ہوئے حضرت کی خدمت مبارک میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت اس واقعہ کا میرے دل پر اس قدر صدمہ ہوا کہ اب میں عمر بھر نہیں ہنسوں گا تو آپ نے تبسم فرماتے ہوئے فرمایا کہ ''نہیں! ان شاء اللہ المستعانِ خدا تم کو ہمیشہ ہنستا رکھے گا''۔ بیان کیا جاتا ہے کہ واقعی ایسا ہی ہوا کہ خداوند عالم نے حضرت ممدوح کو ہمیشہ خوش و خرم ہی رکھا۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بچہ تو گذشتہ مرحلہ ہی میں ختم ہو گیا تھا لیکن خدا جانے کہ حضرت نے کیا دعا فرمائی کہ پروردگار عالم نے پھر اِس بچہ کی عمر میں ایک سال کی توسیع فرمائی ورنہ یہ واقعہ اس وقت ہی پیش آتا تو خدا جانے نادان لوگ حضرت سید عمر صاحب قبلہؒ سے متعلق کیا کیا کہتے۔ گو حضرت موصوف کو صدمہ اِس وقت بھی ہوا اور اُس وقت بھی ہوتا مگر حضرت نے اپنی توجہات خاص سے نادانوں کی طعن سے محفوظ فرمایا۔

مولوی محمد حسین صاحب مدرس فنون سپہ گری جامعہ نظامیہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت کے ساڑو مولانا محمد رکن الدین صاحب صدیقی مرحوم بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ میں حضرت کی ملاقات کے لئے حاضر ہوا، تھوڑی دیر بیٹھا بات چیت کی۔ اس کے بعد اجازت چاہی تو آپ نے مجھے رخصت فرماتے ہوئے فرمایا کہ اب آپ کدھر سے جائیں گے۔ میں نے عرض کیا جی شاہ علی بنڈہ سے براہ چار مینار گھر جاؤں گا تو آپ نے فرمایا نہیں! اب آپ لاڑ بازار سے جائیے۔ میں اس وقت تو جی! کہہ کر خاموش ہو گیا مگر دل میں خیال کیا کہ حضرت بلاوجہ مجھے چکر کاٹ کر جانے کی ہدایت فرما رہے ہیں مگر چونکہ میں حضرت کو بزرگ سمجھتا تھا اور ان کے حکم کے خلاف عمل کرتے ڈرتا بھی تھا، اس لئے مجبوراً لاڑ بازار ہی سے گیا، جب چار مینار پہنچا تو راستہ پر کچھ گڑبڑ دکھائی دی، دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ پنچ محلّہ کے پاس عربوں میں آپس میں کچھ تصادم ہو گیا، تلواریں کھچ گئیں، راستہ پر بھگدڑ مچ گئی۔ اس وقت حضرت کا ارشاد

سمجھ میں آیا کہ آپ نے اسی وجہ مجھے اس راستہ سے نہ جانے کی ہدایت فرمائی تھی ورنہ خواہ مخواہ مجھے بھی پریشان ہونا پڑتا تھا۔

مولانا شرف الدین صاحب قادری بیان کرتے ہیں کہ بعض دفعہ رات میں میرے بھائی مولوی غلام محی الدین صاحب وخیرالدین صاحب گھر میں کسی معاملہ میں مشورہ کرتے کہ ایسا کرنا چاہئے اور ایسا کہنا چاہیے۔صبح کو جب میں حضرت کی خدمت مبارک میں حاضر ہوتا تو آپ رات کی تمام گفتگو تفصیل سے اس طرح بیان فرماتے کہ گویا رات میں ہمارے ساتھ حضرت بھی موجود تھے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ عبدالقادر صاحب عرف چھٹنکی نواب اورنگ آباد سے چند مشروع کے تھان بغرض تجارت لائے تھے۔ان کا خیال تھا کہ امراء کی دیوڑھیوں میں اس کی قیمت معقول مل جائے گی۔اس خیال کے تحت اُنھوں نے مختلف ذرائع سے اپنے مال کے نکالنے کی کوشش کی۔رفتہ رفتہ یہ خبر مقدم جنگ کی دیوڑھی کے ملازمین کو بھی پہنچی، اس زمانہ میں مقدم جنگ کا بہت زور تھا۔ان کے پاس کے سدیوں کے مظالم اب تک بھی زبان زد خاص وعام ہیں مگر چونکہ عبدالقادر صاحب بھی یہیں رہتے تھے، اکثر اس دیوڑھی کے سدیوں وعربوں سے ملاقات بھی تھی۔اس دیوڑھی کے ایک سدھی ''امان'' نامی نے نواب صاحب سے نہایت خلوص کے ساتھ آکر کہا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ اورنگ آباد سے ہمرو مشروع کے تھان بغرض تجارت لائے ہیں۔اگر یہ تھان آپ میرے سپرد کردیں تو ان کو میں جمعدار کی دیوڑھی میں معقول قیمت پر فروخت کروادوں گا مگر مجھے سیکڑہ دس روپیہ کمیشن دینا ہوگا۔صاحب موصوف نے رات دن کی ملاقات اور ہم محلّہ ہونے کا اعتبار کرتے ہوئے اس پر اعتماد کیا اور اپنا تجارتی مال اس کے حوالہ کردیا۔یہ مال لے کر روانہ ہوا، تھوڑے روز موصوف نے انتظار کیا، اس کے بعد اس سے دریافت کیا تو جواب ملا کہ آج کل میں رقم لادوں گا، مال نکل گیا ہے، اس کے بعد اُنھوں نے متعدد بار دریافت کی تو وہ امروز فردا پر ٹالنے لگا جس کی وجہ انھیں شبہ ہوا، بالآخر ایک روز اُنھوں نے سختی سے مطالبہ کیا اس پر وہ سدی برہم ہوکر مال لینے اور رقم دینے سے صاف

انکار ہی کر دیا کہ نہ تم نے مجھے کوئی مال دیا نہ میرے ذمہ تمہاری رقم ہے۔ تم جھوٹ کہتے ہو۔ اسی بات پر دونوں میں جھگڑا ہو گیا، ہاتھا پائی کی نوبت پہونچ گئی۔ یہ بیچارے پریشان ہو گئے کہ مال بھی گیا اور رقم بھی، دوسرے اس بدسلوکی سے ان کے قلب پر سخت صدمہ پہنچا تھا، روتے ہوئے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام ماجرا بیان کیا جس کے سنتے ہی حضرت کا چہرہ مبارک غضب ناک ہو گیا اور آپ نے فرمایا کہ صبر کرو، غیرت الٰہی جوش میں آ گئی ہے، دیکھو کیا ہوتا ہے۔ اِدھر یہ گفتگو ہی ہو رہی ہے، حضرت مسجد میں تشریف فرما ہیں، سمجھا رہے ہیں، کہ یکایک عقب مسجد سے ایک فائر کی آواز آئی تھوڑی دیر کے بعد باہر سے لوگ دوڑے ہوئے آئے اور کہا کہ ''لو! عبدالقادر صاحب تمہارا دشمن مر گیا'' دریافت کئے تو معلوم ہوا کہ سدی امان مقدم جنگ کی سواری کے گھوڑے پر قبوروں میں طمنچے رکھ رہا تھا کہ یکایک ایک طفنچہ سے فائر ہو گیا اور گولی سدی امان کے سینے سے پار کر نکل گئی، سب دوڑے ہوئے باہر پہنچے دیکھے تو واقعی ''امان'' کی نعش بازو پڑی ہے اور سواری کا گھوڑا کھڑا ہے۔

عبدالحلیم صاحب بیان کرتے تھے کہ حضرت دولت سرا میں رونق افروز تھے، میں اور چند خادمین نے بیٹھے بیٹھے آپس میں گفتگو کی کہ اعلیٰحضرت یعنی نواب میر محبوب علی خان مرحوم اِدھر اُدھر جاتے ہیں ہمارے حضرت کے پاس نہیں آتے۔ اگر یہاں حاضر ہوں تو ان کی بہبودی کا باعث ہوگا۔ (اعلیٰحضرت مرحوم کو بزرگان دین سے بیحد عقیدت تھی اور اِسی زمانہ میں حضرت مسکین شاہ صاحب قبلہؒ کے پاس بھی حاضر ہوئے تھے۔ اس لئے ہم کو یہ خیال پیدا ہوا) ساتھ ساتھ ہمارا یہ بھی خیال تھا کہ اگر اعلیٰحضرت یہاں حاضر ہوں تو رات دن جو خادمین حضرت کی پیشی میں حاضر رہتے ہیں ان کا بھی کچھ بھلا ہوگا، ماہواروں میں اضافہ ہو جائے گا، آمدنی بڑھنے کی وجہ آرام سے بسر ہوگی۔

اس گفتگو کے تھوڑے ہی دیر بعد حضرت باہر رونق افروز ہوئے، ہم سامنے ہی حاضر تھے۔ ہماری جانب مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ ''ہاں کہو! کیا محبوب علی خاں کو بلوانا''؟ ہم نے نہایت مسرت کے ساتھ عرض کیا کہ ''جی ہاں! پیرومرشد بلانا چاہیئے'' تو آپ نے فرمایا کہ ''کیا

اس لئے کہ ان کے آنے سے تمہاری ماہواروں میں اضافہ ہو جائے گا"۔ ہم نے عرض کیا کہ جی۔ پیر و مرشد آپ کے صدقہ میں ہمارا بھی فائدہ ہوگا۔ فرمایا "اچھا تمہاری آمدنی میں کس قدر اضافہ ہو تو تمہارے لئے کافی ہے"۔ تو میں نے عرض کیا کہ جی پیر و مرشد اس قدر ہو تو بس ہے پھر دوسرے صاحب سے اسی طرح آپ نے دریافت فرمایا پھر تیسرے صاحب سے بہر حال اس وقت جتنے خادمین حاضر تھے، ان میں سے ہر ایک سے آپ نے اسی طرح کا استفسار فرمایا۔ جب سبھوں نے عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ اچھا تمہاری آمدنی میں اس قدر اضافہ ہو جائے تو بس ہے تو ہم نے عرض کیا کہ جی حضرت کافی ہے۔ ارشاد ہوا کہ "اچھا ہم دعا کریں گے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری اس آمدنی میں اتنی ہی برکت عطا فرمائے۔ مگر محبوب علی خاں کا آنا تم لوگوں کے لئے مفید نہیں۔ وہ آئیں گے تو تم لوگ دور ہو جائیں گے"[1]

چنانچہ عبدالحمید صاحب برادر عبدالحلیم صاحب (جو اس وقت حاضر تھے) کہتے تھے کہ آپ کے اس ارشاد کے بعد سے اب تک میں اپنے گھر کے ماہواری اخراجات میں غیر معمولی فرق محسوس کرتا ہوں۔ جب حساب دیکھتا ہوں آمدنی سے زیادہ خرچ ہوتا ہے عقل حیران رہ جاتی ہے کہ یہ زائد خرچ کہاں سے ہوا۔

عبداللہ خاں صاحب جوکلی سے بھی ایک واقعہ اِسی طرح کا مروی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں حاضر ہو رہا تھا۔ جب آپ کے دولت سرا کے قریب مسجد کے پیچھے پہنچا تو یکا یک یہی خطرہ دل میں آیا کہ اعلحضرت اِدھر اُدھر جاتے ہیں مگر ہمارے حضرت کے پاس نہیں آتے۔ جب یہاں پہنچا تو اتفاق سے حضرت باہر ہی رونق افروز تھے۔ میں نے بڑھ کر قدم بوسی حاصل کی تو ارشاد ہوا کہ "اجی عبداللہ خاں تم کیا کہہ رہے تھے"؟ میں حیران ہو گیا کہ میں نے تو کوئی معروضہ ہی نہیں کیا۔ میں نے عرض کیا جی کیا؟ تو حکم ہوا کہ "اجی ابھی مسجد کے پیچھے تم کہہ رہے تھے نا کہ حضور اِدھر اُدھر جاتے ہیں یہاں نہیں آتے" میں عرض کیا کہ جی ہاں پیر و مرشد! میرے دل میں ایسا خیال آیا۔ تو ارشاد ہوا کہ "محبوب علی خاں کی مثال ہمارے ساتھ ایسی ہے جیسی کہ پتنگ کی ڈور پتنگ اُڑانے والے کے ہاتھ۔ جس طرف چاہا پھیر دیا۔

اگر میں بلانا چاہوں تو وہ آج دوڑے ہوئے آتے ہیں'' اس کے بعد حضور کا رنگ متغیر ہو گیا، جذبہ کی حالت میں فرمائے کہ ''ابھی بلاتا ہوں دیکھو۔تم بیٹھ جاؤ''۔تو میں نے گھبرا کر قدموں پر سر رکھ دیا اور عرض کیا کہ جی نہیں! حضرت کی مرضی مبارک تو ارشاد ہوا کہ ''ان کے آنے سے فائدہ نہیں، نقصان ہے''۔

عبداللہ خاں صاحب جوکلی بیان کرتے ہین کہ میں نے زمانہ کمسنی میں حضرت مسکین شاہ صاحب قبلہؒ سے بیعت کی تھی مگر میری قرابت کے تمام لوگ حضرت سیدی خواجہ محبوب اللہ قدس سرہٗ کے خاندان ہی سے نسبت غلامی رکھتے تھے۔ جب میں سنِ شعور کو پہنچا تو ایک دفعہ حضرت سے معروضہ کیا کہ میں بھی غلامی میں داخل ہونا چاہتا ہوں، اجازت عطا فرمائی جائے تو آپ نے فرمایا کہ تم کو تو مسکین شاہ صاحبؒ سے بیعت ہے پھر مکرر بیعت کی کیا ضرورت ہے؟ میں نے جواب میں عرض کیا کہ حضرت یہ بیعت بہت صغرسنی کی ہے اس پر آپ نے تھوڑی دیر سکوت اختیار فرما کر فرمایا کہ میں نے ابھی حضرت خواجہ نقشبند قبلہ رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کی تو حضرت نے فرمایا کہ عبداللہ خاں ہمارے سلسلہ کا نہیں ہے پھر تم نے حضرت مسکین شاہ صاحب سے کس سلسلہ میں بیعت کی تھی؟ میں نے عرض کی پیرومرشد میں چھوٹا تھا۔اس وقت اور بھی لوگ مرید ہو رہے تھے۔ میں بھی ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔نہیں معلوم کہ حضرت مسکین شاہ صاحب قبلہ نے کس سلسلہ میں بیعت لی۔تب آپ نے مجھے داخل سلسلہ ہونے کی اجازت عطا فرمائی۔

حکومت سے متعلق پیشین گوئیاں

حضرت نے بعض پیشین گوئیاں حکومت سے متعلق بھی فرمائی تھیں جو لفظ بہ لفظ پوری ہوئیں۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومتی معاملات میں بھی حضرت کا دخل تھا۔ چنانچہ حضرت قبلہ مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ آپ اکثر ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ ''عثمان علی خاں بڑا ذی اقبال پادشاہ ہوگا'' اس ارشاد کو متعدد خادمین نے متعدد اوقات سنا ہے۔

ایک دفعہ آپ صحن مسجد میں تشریف فرما تھے، ایک خادم نے عرض کی کہ حضرت! افواہ پھیلی ہے کہ عثمان علی خاں کی ولیعہدی منسوخ کی جارہی ہے اور اعلیٰ حضرت (غفران مکان)

اپنے چھوٹے صاحبزادہ کو ولیعہد مقرر کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے سنتے ہی آپ کا چہرۂ مبارک غضب آلود ہو گیا۔ ارشاد ہوا کہ ''ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔ محبوب علی خاں کے بعد ان کا جانشین عثمان علی خاں ہی ہو گا'' پھر اُنھوں نے باادب عرض کیا کہ سنا جا رہا ہے کہ اس لڑکے کی ولیعہدی سے متعلق کارروائی چل رہی ہے توقع ہے کہ عنقریب منظور ہو جائے تو آپ نے فرمایا کہ ''اگر ایسا ہو تو وہ بچہ نہ رہے گا''۔ حضرت مولانا سید محمد بادشاہ حسینی صاحب قادری بھی اپنے والد ماجد حضرت سید عمر صاحب قبلہ قدس سرہٗ سے یہ روایت اسی طرح اس اضافہ کے ساتھ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت نے فرمایا کہ ''عثمان علی خاں کی تلوار میرے ہاں رکھی ہوئی ہے''۔ اور یہ بھی ارشاد ہوا کہ ''یہ معذور لڑکا چند دن کا مہمان ہے'' (بیان کیا جاتا ہے کہ وہ صاحبزادہ جن کی ولیعہدی سے متعلق حضرت غفران مکان کو خیال پید[illegible]یان کے کہ ایک پیر میں لنگ تھا) چنانچہ ویسا ہی ہوا کہ اس ارشاد کے دو تین روز بعد ہی خبر [illegible] کے کا[illegible] ہو گیا اور اعلیٰحضرت مرحوم کے بعد ان کے جانشین وہی میر عثمان [illegible] کی جانشینی کا مسئلہ قطعیت کے ساتھ طے کر دیا گیا تھا اور جس کی [illegible] محفوظ ہے فرمایا تھا۔ گو مخالفین نے کافی مخالفت کی لیکن کسی کی ایک نہ چلی۔ ارشاد مبارک پورا ہو کر رہا اور آج اس کے اقبال کا آفتاب جس طرح چمک رہا ہے وہ محتاج بیان نہیں۔

حضرت قبلہ مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ حضرت کے ایک خادم فیضو میاں منصبدار محلہ قاضی پورہ ہی میں رہتے تھے، اکثر اوقات حضرت کی خدمت مبارک میں حاضر رہتے، ان سے سرکشن پرشاد یمین السلطنۃ کا بیحد یارانہ تھا، جس کی وجہ سر یمین السلطنت آنجہانی نے ان کے ذریعہ حضرت کی خدمت میں معروضہ کروایا کہ حضرت ان کے یعنے مہاراجہ بہادر کی مدارالمہامی کے لئے دعا فرمائیں۔ متعدد دفعہ فیضو میاں صاحب نے آپ کے بحالی کا وقت دیکھ کر اپنے اس معروضہ کو پیش کیا کہ ''حضرت! کشن پرشاد کی مدارالمہامی کے لئے دعا فرمانا'' لیکن آپ اکثر اس پر کچھ التفات نہ فرماتے۔ ہمیشہ کچھ نہ کچھ جواب دیکر ٹال دیا کرتے۔ ایک روز حضرت کی طبیعت بحال تھی۔ موقع کو غنیمت جان کر اُنھوں نے پھر وہی اپنا قدیم معروضہ پیش کیا،

دریائے رحمت جوش پر تھا، مقصد دلی بر آنے کا وقت آچکا تھا، نظر عنایت ہوگئی حکم ہوا ''اچھا جاؤ ہو جائے گا'' چنانچہ ویسا ہی ہوا کہ نواب وقارالامرا مرحوم کے بعد قلمدان وزارت مہاراجہ بہادر ہی کے گھر آیا۔

مریدین کی امداد

حضرت کو اپنے مریدین کا بیحد خیال رہتا تھا۔ان پر اپنی اولاد کی طرح شفقت فرماتے ان کے دکھ درد میں شریک ہوتے، ان کی بھلائی کی فکر ہمیشہ رہتی، ان کے لئے دعائیں فرماتے تھے۔ چنانچہ حضرت مولانا فضل مدظلہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ حضرت مکی میاں صاحبؒ کے گھر میں مجلس سماع میں رونق افروز تھے۔اور آپ پر رقت کی کیفیت طاری تھی۔ یکا یک آپ نے سر مبارک سے ٹوپی نکال کر آسمان کی جانب کی۔آنکھ سے آنسو رواں تھے۔ بیحد بے قراری کے ساتھ دعا مانگنے لگے۔اس بے قراری سے تمام حاضرین بے قرار ہوگئے کہ نہیں معلوم آج کس کے لئے حضرت نے اس بے قراری سے دعا مانگی۔ بعد برخاست مجلس صاحب مجلس اور خاص خادمین و بھائیوں میں سے بعضوں نے عرض کیا کہ حضرت آج آپ اس قدر بے قراری سے کس کیلئے دعا مانگ رہے تھے۔ کیا آپ نے ہمارے لئے دعا فرمائی تو پھر آپ کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈا گئے۔ ارشاد ہوا کہ تم لوگ تو خیر کچھ کرتے ہو۔ مجھے ان کی زیادہ فکر ہے جو برائے نام مرید تو ہیں لیکن ان کی عمر لہو ولعب ہی میں گزرتی ہے۔صوم وصلوٰۃ کی بھی پابندی ان سے نہیں ہوئی مثلاً بعض بوڑھی عورتیں کہ صبح سے شام تک لغویات ہی میں ان کی گزرتی ہے میں نے اُن ہی کے لئے آج خداوند عالم کی بارگاہ میں معروضہ کیا۔

حضرت مولانا فضل مدظلہ فرماتے ہیں کہ جب اس ارشاد کی حضرت کے چھوٹے برادر حضرت سید عمر صاحب قبلہؒ کو اطلاع ہوئی تو سخت متاثر ہوئے اور کہنے لگے کہ کاش میں بھی کچھ نہ کیا ہوتا تا کہ حضرت اسی طرح بے قراری سے میرے لئے بھی دعا فرماتے کیونکہ مجھے یقین ہے کہ آج جن جن لوگوں کے لئے آپ نے دعا فرمائی ہے بخدا وہ دعا مستجاب ہوگئی۔

مریدین کا حضرت کو ایسا خیال رہتا کہ ان کی ذرا سی تکلیف میں بھی آپ ان کی امداد

فرماتے تھے۔ چنانچہ دار الشفاء والی بی صاحبہ فرماتی تھیں کہ میں ہمیشہ آپ کی خدمت میں حاضر رہا کرتی تھی۔ میں نے گھر بار کو خیر باد کر کے در دولت پر سہارا لیا تھا، صبح سے شام تک پیشی ہی میں حاضر رہتی، جب حضرت آرام فرمانے کمرہ میں تشریف لے جاتے اس وقت تک میں سامنے ہی رہتی تھی، ایک روز کا واقعہ ہے کہ شام میں حسب عادت حاضر تھی، آپ بہت دیر تک تشریف رکھے رہے، اس کے بعد نعمت خانے میں آرام فرمانے تشریف لے گئے، دروازہ بند فرمالیا، میں بھی اب اپنے بچھونے پر سونے کا ارادہ کررہی تھی کہ یکا یک زور سے ''ہاں'' کی آواز دیئے جیسے کہ کسی کے پکارنے پر آواز دی جاتی ہے، اور ساتھ ہی آپ بستر سے اُٹھے نعمت خانے کا دروازہ کھول کر تھوڑی دیر چوکھٹ کو ہاتھ لگائے کھڑے رہے، آنکھیں بند کرلیں۔ میں حیران تھی کہ آج آپ نے یہ کس کو آواز دی حالانکہ باہر سے کسی نے پکارا ہی نہیں۔ تھوڑی دیر بعد آپ نے آنکھیں کھولیں اور پھر واپس ہونے لگے تو میں نے عرض کی کہ حضرت آپ نے اس طرح کس کو جواب دیا تو فرمایا کہ ''ہاں! تو تھلے عبدالرزاق کی بیوی کو۔ میں نے عرض کی وہ کہاں ہیں۔ تو جواب ملا کہ وہ گاؤں میں ہیں۔ میں یہ سن کر خاموش ہوگئی، اس تاریخ و دن اور وقت کو یاد رکھ لیا، چند دن بعد جب وہ پیر بہن حضرت سے ملنے کے لئے آئیں، تو میں نے ان سے پوچھا کہ فلاں روز فلاں وقت تم نے حضرت کو کیوں پکارا تھا تو وہ کہنے لگیں کہ اس روز میرے کان میں اس قدر شدت کا درد تھا کہ معلوم ہوتا تھا کہ اب دم نکلا جاتا ہے اس لئے میں نے بے قراری میں حضرت کو پکارا کہ ''میرے پیر اس وقت میری امداد کیجئے'' دس پندرہ منٹ میں بحمدللہ مجھے آرام ہوگیا۔ پھر اُنھوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ آپ کو کس طرح اطلاع ملی تو میں نے یہاں کا تمام واقعہ سنایا۔

بیان[1] کیا جاتا ہے کہ حضرت کے ایک خادم وجیہ الدین صاحب رسؔا نے ایک ملازم لڑکے کو حالت غصہ میں ایسی زدوکوب کی، وہ جان سے جاتا رہا۔ پولیس نے بعد تحقیقات مقدمہ دائر کیا۔ یہ ماخوذ ہوئے حراست میں لے لئے گئے۔ کہا جاتا ہے کہ اُن سے حضرت کے بعض خلفاء میں بالخصوص حضرت سید عمر صاحبؒ سے بہت گہرا یارانہ تھا۔ حضرت موصوف کو اس

واقعہ سے بہت صدمہ پہنچا۔ زمانہ حراست میں آپ اکثر ان کے گھر کی خبر گیری فرماتے جیل خانہ کو تشریف لے جا کر ان کی خبر لیتے اور ان کو دلاسا دیا کرتے تھے۔ ایک عرصہ تک مقدمہ چلتا رہا۔ تحقیقات میں جرم ثابت ہوا، عدالت نے فیصلہ کر دیا، قصاص کی رائے ظاہر کر دی۔ اس کے بعد یہ کارروائی اعلیٰ حضرت کے ملاحظہ میں بغرض منظوری روانہ کی گئی، کیونکہ قصاص میں فرمان کا حاصل کرنا ضروری تھا۔ عدالت کے فیصلہ کے بعد جب کہ قصاص طے ہو چکا تو منجانب عدالت ملزم سے استمزاج کیا گیا کہ اگر تم اپنے عزیز و اقارب سے ملنا چاہتے ہو تو مل سکتے ہو، عدالت کی اس اجازت پر سرکاری نگرانی میں یہ اپنے اہل و عیال سے ملنے گھر آئے، بال بچوں کو دیکھا، سب کو آخری سلام کیا، وصیت نصیحت کی، گھر میں ایک کہرام مچا تھا، اس کے بعد انھوں نے خواہش ظاہر کی کہ میں اپنے پیر و مرشد قبلہ کی بھی قدمبوسی کر لینا چاہتا ہوں، اس پر انھیں اس کی بھی اجازت ملی۔ حضرت کی خدمت مبارک میں حاضر ہوئے۔ کہتے ہیں کہ اس وقت کا منظر بھی عجیب دردناک تھا، ان کے عزیز و اقارب دوست احباب ساتھ لپٹے ہوئے تھے، اور ان کی آنکھ کے آنسو سوکھتے نہ تھے۔ جس وقت یہ حاضر ہوئے تو حضرت مسجد میں منڈیر سے لگے ہوئے تشریف فرما تھے۔ یہ آتے ہی قدموں پر سر رکھ کر چیخنا چلاّنا شروع کیے۔ تمام حاضرین بھی رونے لگے، حضرت مکی میاں صاحب قبلہ بھی حاضر تھے اور سخت متاثر تھے۔ ان کی گریہ وزاری سے حضرت بھی متاثر ہوئے۔ ہر چند ان کو قدموں سے اُٹھانے کی کوشش فرمائی لیکن وہ اپنا سر نہ اُٹھائے تو آپ نے فرمایا کہ ''اجی اچھا ہوگا کہ دنیا کا بدلہ دنیا ہی میں مل جائے تاکہ آخرت میں مواخذہ نہ رہے'' ان الفاظ نے ان کے قلب پر تیر کا کام کیا، ان کی گریہ و زاری اور بڑھ گئی۔ پہلے سے زیادہ چلاّنے لگے، ان کی اس بیقراری اور بے تابی کو دیکھ کر حضرت مکی میاں صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ نے آگے بڑھ کر معروضہ کیا کہ ''حضرت! کیا آپ چاہیں تو یہاں اور وہاں بھی نہیں بچا سکتے'' حالانکہ اس سے پیشتر حضرت موصوف نے متعدد دفعہ ان کے متعلق حضرت کی خدمت میں معروضہ کیا اور توجہ دلائی تھی لیکن قبول نہیں ہوا تھا مگر اب چونکہ حضرت خود بھی متاثر ہو چکے تھے۔ دریائے کرم جوش میں آ گیا ارشاد ہوا کہ ''ہاں اچھا

جاؤ، چھوٹ جاؤ گے'' اس ارشاد سے نا اُمیدی اُمید سے بدل گئی۔ سب کے دم میں دم آیا بے قراری سکون سے متبدل ہوگئی۔ اُنھوں نے قدموں سے سر اُٹھایا اور پھر اسی طرح سرکاری نگرانی میں واپس ہوئے۔ اِدھر کیفیت سنئے کہ مثل پیش ہوئی اعلحضرت مرحوم نے مثل کی ورق گردانی کی، عدالت کے فیصلہ کو بغور ملاحظہ فرمایا، مگر دستخط نہیں فرماتے۔ بار بار اُلٹتے پلٹتے اور مثل کو رکھ دیتے حالانکہ اعلحضرت مرحوم کی عادت تھی کہ عدالتی معاملات بالخصوص ایسے معاملات میں بالکلیہ عدالت کی تجاویز پر بھروسہ فرماتے تھے اس لئے کہ یہ معاملات حقوق سے متعلق ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ کل قیامت میں اس کی ذمہ داری خود پر عائد ہو مگر اس کارروائی کو کئی بار ملاحظہ فرمایا بالآخر کرنل نواب سر افسر الملک بہادر سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ ''علی بیگ مجھے یہ کارروائی فرضی معلوم ہوتی ہے۔ شہادت جو قلم بند کی گئی ہے اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ گواہ بنائے ہوئے ہیں ملزم بے قصور ہے۔ بالاخر شاہانہ اختیارات کے تحت رہائی کی تجویز فرمادی، پیشگاہ سے مثل واپس ہوئی۔ حسب فرمان مبارک ملزم عزت کے ساتھ بری کیا گیا۔

بیان[1] کیا جاتا ہے کہ نواب عبدالقادر صاحب عرف چھٹنکی نواب جو حضرت کے خادمین سے تھے ان کے لڑکے کا مزاج سخت علیل تھا۔ اس وقت تک موصوف کو سوائے ایک فرزند کے کوئی اولاد نہ تھی، بچہ کی حالت خراب دیکھ کر سخت بے چین تھے۔ بالآخر حضرت کے پاس حاضر ہوئے۔ اس وقت حضرت مسجد میں تشریف فرما تھے۔ قدموں پر گر کر رونا شروع کیا۔ ہر چند حضرت نے انھیں سمجھایا مگر ان کی بے قراری کم نہ ہوئی تو آخر ارشاد فرمایا کہ ''اچھا جاؤ تمہارا بچہ اچھا ہو جائے گا۔ جب یہ مکان جا کر دیکھے تو بچہ کی حالت نسبتاً پہلے کے ٹھیک نظر آئی۔ ان کے دل کو ایک گونہ سکون ہوا کہ حضرت کی زبان مبارک سے جو نکلا تھا اس کی تصدیق ہوئی رفتہ رفتہ مزاج سنبھلتا گیا اور تھوڑے روز میں بچہ اچھا ہو گیا۔ اس واقعہ کے چند ہی روز بعد حضرت کے ایک صاحبزادہ نے انتقال فرمایا۔ لوگ جب پرسہ دینے لگے تو آپ نے فرمایا کہ ہم کو خدا نے کئی بچے دیئے ہیں، اگر ان میں سے ایک گیا تو کیا۔ البتہ چھٹنکی نواب کو ایک ہی لڑکا تھا اگر وہ جاتا رہتا تو انھیں سخت صدمہ ہوتا تھا''۔ کہتے ہیں کہ اس ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ شائد

حضرت نے دعا فرمائی تھی کہ پروردگار تو ان کے بچہ کو صحت عطا فرما اگر ایسا ہی ہے تو میری اولاد سے کسی کو اُٹھا لے، جس کا یہ ظہور ہوا۔

خواجہ محمود صاحب نامی ایک حضرت کے خادمین سے تھے بیان کرتے تھے کہ وہ ایک دفعہ پیدل گاؤں کو جا رہے تھے۔ اس روز بادل گھرے ہوئے تھے۔ بجلیاں بھی چمک رہی تھیں، راستہ میں مغرب ہوگئی، اور یہ راستہ بھول کر چکر کھانے لگے۔ ایک دوسری طرف جا نکلے۔ پہلے ہی سے اندھیرا، اس پر پھر رات کی تاریکی طرفہ تھی، راستہ سجھائی نہیں دیتا تھا۔ یہ ایک ٹیلے پر چڑھے اس کے بعد ادھر سے اترنا چاہتے تھے کہ یکا یک بجلی چمکی تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بہت عمیق غار ہے کہ ایک قدم ان کا آگے بڑھتا تو اس گڑھے میں جا گرتے۔ اب یہ سخت پریشان ہوئے کہ ''نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن'' کا مصداق ہے۔ جاؤں تو کدھر؟ اگر ٹھیروں تو کہاں؟ جنگل کا مقام، راستہ کا یہ حال تاریکی کا یہ عالم ہے۔ اس پریشانی میں اسی مقام پر ٹھہر کر بے ساختہ حضرت کی جانب توجہ کر کے پکارنا شروع کئے کہ المدد یا سیدی المدد یا مرشدی میں سخت پریشانی میں مبتلا ہوں۔ اس وقت آپ کی امداد درکار ہے۔ کہتے ہیں کہ مجھے یہ خیال کر کے پانچ سات منٹ سے زائد عرصہ نہ گذرا ہوگا کہ کیا دیکھتا ہوں کہ اسی ٹیلہ کے نیچے سے ایک صاحب گزر رہے ہیں۔ میری نظر جب ان پر پڑی تو دم میں دم آ گیا۔ میں فوراً ٹیلہ سے اتر کر ان کے ساتھ ہو گیا۔ دو چار سو قدم کا راستہ طے نہ کیا تھا کہ چراغ نظر آنے لگے۔ میں دل میں خیال کیا کہ نہیں معلوم یہ کونسی بستی ہے اور یہ صاحب کدھر جا رہے ہیں مگر ساتھ ہی یہ بھی دل میں ٹھان لیا کہ کونسی بھی بستی ہو اسی جائے ٹھہر جاؤں گا اور جس طرح بھی ہو رات گزار کر صبح اپنے گاؤں کا قصد کروں گا۔ اب اس اندھیرے میں آگے کا قصد کرنا خطرات میں مبتلا ہونا ہے۔ جب بستی قریب آ گئی اور گاؤں کے مکان دکھائی دیئے تو مجھے بالکل اپنے گاؤں کی طرح دکھائی دیا جب اور قریب ہوا تو واقعی اپنا گاؤں پایا۔ اس کے بعد مجھے ان صاحب کا خیال ہوا جو آگے آگے چل رہے تھے۔ ہر چندان کی تلاش کی مگر کسی کا پتہ نہ پایا۔ اس وقت میں سمجھا کہ یہ سب میرے حضرت کا تصرف تھا جو اس طرح مجھے خطرہ سے بچائے۔

اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت قبلہ فرماتے ہیں کہ سید فخر الدین صاحب نامی حضرت کے ایک خادم بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ میں بھی راستہ بھول گیا رات کا وقت تھا ہر چند جستجو کی مگر راستہ نہ ملا آخر ایک اونچے مقام پر چڑھ گیا اور وہاں سے راستہ کو غور کرتا رہا۔ جب کچھ بجھائی نہ دیا تو میں نے بالکل مایوس ہو کر حضرت کی جانب توجہ کی اور عرض کیا کہ خواجہ محمود ہی کیا آپ کے غلام تھے، میں نہیں ہوں؟ پھر مجھے کیوں رہنمائی نہیں کی جاتی۔ اس خیال کے ساتھ ہی اس ٹیلے کے نیچے سے جس پر میں کھڑا تھا، کوئی صاحب گزرتے نظر آئے، میں نے خیال کیا کہ چلواُن کے ساتھ ہو گیا وہ تیز رفتاری سے چلے جاتے تھے۔ میں نے بھی تیزی سے ان کا تعاقب کیا، تھوڑی دیر نہ گذری تھی کہ راستہ مل گیا۔ راستہ پر پہونچ کر میں نے اپنا اطمینان حاصل کیا، اس کے بعد ان صاحب کی فکر کی جن کے پیچھے میں چلا تھا تو ان کو نظروں سے غائب پایا، بہت کچھ تلاش کی مگر معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کون تھے کدھر سے آئے تھے۔ تب مجھے یقین ہوا کہ یہ سب میرے حضرت ہی کا تصرف تھا۔

مولوی خواجہ علی صاحب فرزند کیپٹن محسن علی صاحب مرحوم سے ایک عجیب واقعہ مروی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میرے خاندان کے اکثر حضرات اہل حدیث اور بزرگوں کے تصرفات کے قائل نہ تھے۔ میری والدہ حضرت ہی سے بیعت تھیں۔ میری والدہ کو مجھ سے پیشتر متعدد بچے ہوئے اور سب صغرسنی ہی میں جاتے رہے جس کی وجہ والدہ کو بہت سخت صدمہ پہنچا۔ سب کے آخر پر جو بچہ مرا تو والدہ صاحبہ نے اس بچہ کی میت کا فوٹو لے کر رکھ لیا تھا، جب کبھی بچہ کی یاد آتی تو وہ اس میت کے فوٹو کو دیکھ کر دل کو تسلی دے لیتی تھیں۔ اس صدمہ کی وجہ ان کے دماغ پر بھی اثر ہو گیا تھا۔ راتوں میں روتے اُٹھتیں اور دروازہ کھول کر مکان کے باہر نکل جانا چاہتی تھیں۔ اس لئے والد صاحب رات میں مکان کے دروازہ کو قفل لگا دیا کرتے تھے۔

میرے والد قلعہ کی پلٹن میں کیپٹن ہونے کی وجہ قلعہ ہی میں رہتے تھے۔ ایک دفعہ والدہ صاحبہ رات کے دو ڈھائی بجے اسی طرح روتی اُٹھیں اور اس پریشانی میں اپنے پیرومرشد قبلہ کو یاد کر کے کہا کہ دیکھو میرے پیرومرشد قبلہ تشریف لائے ہیں۔ دروازہ کھولو۔ والد صاحب نے

سمجھایا کہ حضرت اس وقت کہاں سے تشریف لائیں گے کیونکہ اس زمانہ میں قلعہ کے تمام دروازے رات کے بارہ بجے بند ہو جاتے اور پچھلی میں ساڑھے چار بجے بعد کھلتے تھے مگر والدہ صاحبہ نے بہ اصرار کہا کہ دیکھو میرے پیر و مرشد کی آواز آ رہی ہے۔ جب دروازہ کھولا گیا تو واقعی حضرت دروازہ پر موجود تھے۔ والد صاحب نے حضرت سے قدمبوسی حاصل کی، آپ کو اندر لائے۔ آپ تشریف لاکر والدہ صاحبہ کو دلاسا دیا، تھوڑی دیر تشریف رکھے اس کے بعد مراجعت فرمائی۔

اس کے بعد بھی ایک دو مرتبہ ایسا ہی ہوا کہ جب کبھی والدہ صاحبہ نے بحالت پریشانی حضرت کو یاد کیا، دروازہ پر حضرت کی آواز سنائی دی، دروازہ کھول کر دیکھا تو حضرت تشریف فرما تھے۔ والد صاحب حضرت کو اندر بلا لائے، آپ اندر تشریف رکھے اور میری والدہ کو تسلی دی کہ اللہ تعالیٰ تم کو باعمر اولاد عطا فرمائے گا۔ جب والدہ کو سکون ہوا آپ تشریف لے گئے۔

آپ کے اس طرح تشریف لانے پر سب کو حیرت تھی کہ قلعہ کے دروازے بند ہو جانے کے بعد پھر حضرت کدھر سے تشریف لاتے ہیں۔ میری والدہ تو اس کو حضرت کا تصرف سمجھتی تھیں۔ مگر اور حضرات چونکہ بزرگوں کے تصرف کے قائل ہی نہ تھے اس لئے ان لوگوں نے یہ تاویل کی کہ! ممکن ہے راتوں میں حضرت یہیں رہتے ہوں گے۔ والدہ نے ان کے اس خیال کی تردید کی تو ان لوگوں نے کہا کہ اچھا آج ہم اس کی تحقیق کریں گے۔ اگر آج بھی حضرت اسی طرح تشریف لائیں تب ہم سمجھیں گے۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ میرے عزیزوں میں سے بعض اصحاب اول شام ہی سے قاضی پورہ میں حضرت کے پاس حاضر ہوئے اور اس وقت تک حضرت سے باتیں کرتے بیٹھے رہے جب تک کہ قلعہ کے دروازہ بند نہ ہو گئے۔ (یعنے رات کے بارہ بجے تک) جب دروازہ بند ہو جانے کا وقت ہو گیا تب ان لوگوں نے اپنا سلسلہ گفتگو ختم کیا۔ حضرت تشریف لے گئے اور یہ لوگ وہیں حضرت کے پاس ہی احاطہ مسجد میں ٹھہرے رہے۔

ادھر کا واقعہ سنئے کہ رات میں وہی دو ڈھائی بجے حسب عادت والدہ کو اختلاج کا شدید

دورہ ہوا وہ چیختے چلاتے اٹھیں اور اپنے پیر کو یاد کرنا شروع کیا تو پھر دروازہ پر حضرت کی آواز سنائی دی۔ والد صاحب نے جاکر دروازہ کھول کر دیکھا تو حضرت تشریف فرما تھے، حسب عادت اندر تشریف لائے۔ تھوڑی دیر ٹھہرے اس کے بعد جب والدہ کو سکون ہوا تب آپ واپس ہوئے۔

دوسرے روز جب ان لوگوں کو جو محض حضرت ہی کو دیکھنے قاضی پورہ جاکر ٹھہرے ہوئے تھے اطلاع ملی تو اولاً ان کو یقین نہ آیا۔ جب اس کی تحقیق ہوئی تو ان سب کی حیرانی کی کوئی انتہا نہ تھی کہ آخر حضرت کہاں سے اور کیسے تشریف لائے؟ کیونکہ وہ لوگ جو دروازہ ہی پر حاضر تھے حضرت کو دولت سرا سے باہر نکلتے دیکھا ہی نہیں۔

راوی کہتے ہیں کہ چند دن کے بعد حضرت کی پیشین گوئی کے بموجب میں پیدا ہوا، میرا نام بھی حضرت ہی نے خواجہ علی خاں رکھا۔

ایک اور واقعہ صاحب موصوف ہی سے مروی ہے۔ بیان کرتے ہیں کہ میری والدہ کو ہر پہلی جمعرات کو حضرت بابا شرف الدین صاحب قبلہؒ کے پاس جاکر فاتحہ گزراننے حضرت نے حکم دیا تھا۔ والدہ کہتی تھیں کہ اکثر مجھے گھر کے کاروبار سے فارغ ہوکر نکلنے میں شام ہو جاتی۔ متعدد دفعہ متعدد اصحاب نے مجھ سے کہا کہ جانا دور ہے پھر جنگل کا مقام، راستے کی حالت بھی اطمینان بخش نہیں اس لئے سویرے ہی سے جاکر آجایا کرو مگر میں ہر وقت جواب دیا کرتی تھی کہ فکر کی کیا بات ہے میرا پیر بڑا زبردست ہے وہی میرے محافظ ہیں۔

والدہ کہتی تھیں کہ ایک دفعہ اسی طرح شکرام میں سوار ہوکر فاتحہ کی غرض سے نکلی چونکہ سواری بھی تیز رفتار نہ تھی راستہ ہی میں شام ہوگئی۔ چاندنی رات تھی میسرم کے پاس جب شکرام پہنچی تو چند ڈاکوؤں نے شکرام کو گھیر لیا اور شکرام والے کو مار پیٹ کی۔ شکرام سے بیلوں کو جدا کردیا۔ اس وقت اتفاق سے میرے ساتھ کوئی اور مرد بھی نہ تھا بلکہ چند عورتیں تھیں اور شیر خوار بچہ (یعنے راوی) گود میں تھا۔ میں پریشان ہوکر بچہ کو گود میں لے کر کود پڑی اور فرضی چند لوگوں کے نام لے کر پکارنا شروع کیا اور ادھر اپنے قلب کو اپنے پیرومرشد قبلہ کی جانب متوجہ

کر کے عرض کیا کہ حضرت اس وقت میری عزت، آبرو، جان سب خطرہ میں ہے۔ آپ کی مدد چاہئے۔ اتنے میں کیا دیکھتی ہوں کہ اسی جنگل سے حضرت قبلہ مع چند خادمین کے جن کے ہاتھوں میں لٹ بھی ہیں، تشریف لا رہے ہیں۔ حضرت کو دیکھتے ہی وہ تمام ڈاکو بھاگے اور میرے دم میں دم آیا۔ حضرت نے مجھے شکرام میں سوار کروا کر اپنے سامنے رخصت فرمایا۔

مولانا شرف الدین صاحب قادری بیان کرتے ہیں کہ مجھے ایک دفعہ درد گردہ کا شدت سے دورہ ہوا جس کی وجہ سے میں بے حد پریشان تھا، زندگی سے مایوس ہو چکا تھا، ڈاکٹر لقمان الدولہ مرحوم کے زیر علاج تھا، ڈاکٹر صاحب نے بھی مایوسی ظاہر کی تھی، اسی پریشانی میں مجھے حضرت کا خیال آیا کیونکہ اس وقت تک حضرت نے مجھے ملاحظہ نہ فرمایا تھا۔ دل میں خیال کیا کہ حضرت کو تکلیف دوں تو سوء ادبی ہو گی اور میرا یہ حال ہے کہ میں خود حاضر نہیں ہو سکتا۔ آخر کیا کروں؟ کس طرح حضرت کو دیکھوں؟ ادھر میرا خیال آپ کی جانب بندھا۔ ادھر تھوڑی دیر نہ گزری کہ حضرت خود تشریف فرما ہوئے۔ واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اس روز حضرت اپنے ماموں زاد بھائی حضرت مولانا شجاع الدین صاحب ثانیؒ کے ہمراہ گنبد شریف کو تشریف لے جا رہے تھے۔ زہرہ بی صاحبہ مجذوبہؒ کی قبر تک پہنچ چکے تھے کہ یکایک آپ ٹھہر گئے اور واپس ہونا چاہا۔ آپ کے ماموں زاد بھائی صاحب نے فرمایا کہ "کیوں"؟ تو آپ نے فرمایا کہ شرف الدین بیمار ہیں۔ اس لئے میں پہلے جا کر ان کو دیکھ آتا ہوں" آپ کے بھائی صاحب نے کہا کہ اب درگاہ شریف قریب آ چکی ہے۔ فاتحہ سے فارغ ہو کر آپ جا سکتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ "نہیں! میں پہلے جا کر ان کو دیکھوں گا۔ اس کے بعد فاتحہ کے لئے حاضر ہوں گا اور وہاں سے سیدھے میرے مکان کو تشریف لائے۔ جوں ہی آپ تشریف فرما ہوئے میں نے بے چینی سے آپ کے قدم مبارک پر سر رکھ کر رونا شروع کیا۔ آپ نے مجھے تسلی دی اور فرمایا کہ "کیوں پریشان ہو گئے۔ کیا تم خیال کرتے ہو کہ اب مر جاؤ گے؟ میں نے عرض کیا کہ پیر و مرشد! تکلیف ناقابل برداشت ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ "اب درد نہیں ہو گا۔ اور تم ابھی بہت روز جیو گے"۔ اس کے بعد بہت دیر تک ٹھہر کر برخاست فرمائے۔ راوی کہتے ہیں کہ اس

کے بعد سے اب تک پھر مجھے گردہ کے درد کی شکایت نہ ہوئی۔

دیگر

مولوی محمد حسین صاحب مدرس فنون سپہ گری جامعہ نظامیہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت کے ساڑو مولانا محمد رکن الدین صاحب صدیقی مرحوم بیان فرماتے تھے کہ ایک دفعہ حضرت ہمارے پاس تشریف لائے، تھوڑی دیر ٹھہرے، گفتگو کی۔ اس کے بعد واپس ہونے لگے تو میں بھی ساتھ ہی نکلا۔ سواری میں سوار ہوتے ہوئے آپ نے مجھ سے فرمایا کہ ''آیئے میرے ساتھ چلیئے۔ قلعہ کو جائیں گے'' تو میں نے عرض کی کہ جی! مجھے دفتر جانا ہے۔ اگر میں دفتر نہ جاؤں تو غیر حاضری کا عمل ہوگا۔ ادھر میری اہلیہ بھی پریشان رہیں گی کیونکہ انکو میرے آپ کے ساتھ جانے کی کوئی اطلاع نہیں ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ ''آیئے سب کچھ ہو جائے گا''۔ اس ارشاد پر میں مجبور ہو گیا مگر دل میں خیال کیا کہ آج خواہ مخواہ حضرت مجھے مجبور کر رہے ہیں۔ میرے دفتر نہ جانے کی وجہ اُدھر غیر حاضری کا عمل ہوگا۔ اِدھر اہلیہ پریشان رہیں گی۔ اگر پہلے ہی حضرت مجھ سے فرماتے تو میں کچھ انتظام کر لیتا، خیر۔ مجبوراً ساتھ چلا گیا، دوسرے روز قلعہ سے واپسی ہوئی، جب گھر پہنچا تو اہلیہ نے مجھ سے پوچھا کہ آپ قلعہ سے ابھی آرہے ہیں؟ میں نے حیرت سے ان سے پوچھا کہ تمہیں اس کی کیسے اطلاع ہوئی، اہلیہ نے جواب دیا کہ کل آپ ہی جاتے جاتے کہلوائے کہ میں دلہے بھائی (حضرت خواجہ محبوب اللہؒ) کے ساتھ قلعہ کو جا رہا ہوں، کل آؤں گا اور اب ایسا پوچھ رہے ہیں؟ اس جواب کے سننے کے بعد میری حیرانی کی کوئی انتہا نہ تھی کہ میں نے تو کسی کے ذریعہ ایسی کوئی اطلاع نہیں دی اور نہ حضرت نے میرے سامنے کسی سے مکان میں اطلاع دینے فرمایا۔ پھر یہ اطلاع کیسے ہوئی؟ مگر کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ اس کے بعد جب دفتر پہنچا تو اپنے منتظم متعلقہ سے کل کی غیر حاضری کی معافی کی درخواست کی اور کہا کہ میں ایک موقتی ضرورت کے تحت قلعہ چلا گیا تھا۔ اس لئے حاضر نہ ہو سکا۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ ہاں! کل ہی آپ نے جو درخواست بھیجی تھی وہ منظور ہو چکی ہے، اس کے سننے کے بعد میری حیرانی میں اور اضافہ ہو گیا کہ میں نے کسی کے ذریعہ

درخواست بھیجی نہ کسی سے ایسی درخواست دینے کہا۔ پھر یہ درخواست کیسے آئی؟ کون دیا؟ مگر یہ معمہ حل نہ ہوا۔

سبحان اللہ! کیا انتظام ہے۔

عالم ہے دنگ یار کے حسن و جمال میں   حیراں ہے موشگاف ترے بال بال میں

مولانا شرف الدین قادری فرماتے ہیں کہ حضرت کے پاس ایک بکری تھی جو اکثر مکان کے صحن میں بندھی رہتی۔ ایک دفعہ وہ بکری پکار رہی تھی، اس کا اس وقت کا پکارنا آپ کو ناگوار خاطر گذرا۔ آپ نے اس کی جانب مخاطب ہوکر فرمایا کہ "کیوں چیختی ہے خاموش رہ"۔ اس کے ساتھ ہی وہ بکری خاموش ہوگئی اور اس کے بعد سے پھر کبھی اس کی آواز سنائی ہی نہیں دی۔

O-O-O

حضرت کے معالجات

حضرت کو فن طب میں بھی خاص دخل تھا جیسے کہ ہم نے پہلے صراحت کی ہے۔ نسخہ جات میں آپ نے ایک کتاب بھی تالیف فرمائی ہے جو غیر مطبوعہ ہے جس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام نسخے کسی قرابادین وغیرہ سے نہیں لئے گئے بلکہ آپ کو بذریعہ کشف باطنی معلوم کرائے گئے ہیں کیونکہ اکثر نسخہ جات پر فرمودہ حضرت سرور عالمیاں ﷺ، بعض پر ''فرمودۂ حضرت غوث الاعظم دستگیرؓ'' لکھا ہوا ہے۔ بہرحال یہ تالیف بھی ایک خاص اور اس کے نسخہ جات بھی خاص۔ متعدد نسخہ جات کا متعدد اصحاب نے تجربہ کیا بیحد مجرب و مفید ثابت ہوئے۔ چنانچہ حکیم مولانا عبدالجبار صاحب صدیقی (جو افسر الاطباء حکیم عبدالوہاب صاحب نابینا کے خاص تلامذہ سے ہیں) بیان فرماتے ہیں کہ حضرت کے نسخہ جات سے سرمہ مقوی بصر کا ایک نسخہ میں نے نوٹ کر کے اپنے استاد کے پاس پیش کیا جو دو چار مفردات پر مشتمل تھا۔ حکیم صاحب نے اس نسخہ کو سن کر فرمایا کہ ''یہ کس کا مرتبہ نسخہ ہے؟ میں نے حضرت کا اسم گرامی آپ سے عرض کیا اور کہا کہ یہ نسخہ حضرت کو بذریعہ کشف معلوم ہوا ہے۔ آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ بینائی کے لئے بیحد مفید ہے۔ چونکہ حکیم صاحب موصوف بھی ایک عرصہ تک بلدۂ حیدرآباد فرخندہ بنیاد میں قیام فرمائے تھے۔ یہاں کی مشہور ہستیوں بالخصوص حضرت کے حالات سے بخوبی واقف تھے۔ آپ کا اسم گرامی سنتے ہی خاموش ہو گئے۔ نسخہ تیار کرایا گیا۔ جب تجربہ کیا گیا تو بیحد مفید ثابت ہوا، اس سرمہ کے استعمال سے آنکھ کا پھولا یا جال بھی کٹ جاتا ہے۔ ایک عورت کو فالج کا اثر ہو گیا تھا میں نے علاج کیا تو صحت تو ہوئی مگر آنکھ سے ہر چیز دوہری دکھائی دیتی تھی۔ میں نے اسی سرمہ کا استعمال کروایا جس سے یہ شکایت جاتی رہی۔

اسی طرح حکیم مولانا عبدالجبار صاحب فرماتے ہیں کہ دوسرا ایک نسخہ تیل کا حضرت نے تحریر فرمایا ہے کہ دردوں وغیرہ کے لئے بیحد مفید ہے۔ میں نے اس نسخہ کا متعدد مرتبہ تجربہ کیا

بیحد مفید ثابت ہوا۔ آپ نے تو اس کو درد دوں[1] وغیرہ کے درد کے لئے استعمال کرنے تحریر فرمایا ہے لیکن میں نے ہر درد کے موقع پر حتی کہ کان کے درد کے لئے بھی استعمال کرایا تو بیحد مفید پایا اس کے علاوہ میں نے اور بہت سے حضرت کے مرتبہ نسخہ جات کا تجربہ کیا۔ ہر ایک کو اسی طرح مفید پایا۔

آپ نے اپنی تالیف میں ماءاللحم کا بھی ایک نسخہ تحریر فرمایا ہے جس کی بہت تعریف بھی کی ہے۔ گو ماءاللحم کے قرابادیں میں کئی نسخے پائے جاتے ہیں جس میں کئی کئی دوائیں شامل کی جاتی ہیں لیکن حضرت نے جو نسخہ تحریر فرمایا ہے وہ بہت کم ادویات پر مشتمل ہے۔ اس نسخہ کو ایک دفعہ حکیم سرفراز حسین خان صاحب مرحوم کو (جو بلدہ کے مشہور و ممتاز اطباء میں شمار کئے جاتے تھے اور خاندانی طبیب ہونے کے علاوہ خاص معلومات کے حامل تھے) دکھایا گیا۔ حکیم صاحب موصوف نے بہت دیر تک اس کے اجزاء کو دیکھ کر دریافت کیا کہ یہ کس کا مرتبہ ہے۔ جب حضرت کا اسم گرامی ان سے کہا گیا تو خاموش ہو گئے (کیونکہ موصوف حضرت کے حالات سے واقف تھے اور خاص عقیدت بھی رکھتے تھے) اس کے بعد اجازت چاہی کہ اس کو تیار کر کے دیکھیں گے۔ جب حکیم صاحب ممدوح نے اس کا تجربہ کیا تو بیحد تعریف کی چنانچہ حکیم صاحب موصوف نے اس ماءاللحم کی تیاری کے بعد دو شیشے راقم الحروف کو بھی عنایت فرمائے تھے جو استعمال سے بہت مفید و بے ضرر ثابت ہوئے۔

بہر حال اسی طرح حضرت کے مجوزہ نسخہ جات کے منجملہ متعدد نسخوں کا متعدد اصحاب نے متعدد مرتبہ تجربہ کیا اور ہر ایک نسخہ کو اسی طرح غیر معمولی زود اثر و مفید پایا۔

آپ نے ایک زمانہ میں خدمت خلق کے خیال سے ادویات کے ذریعہ عامۃ الناس کا علاج بھی فرمایا ہے جو بہت کامیاب رہا۔ چنانچہ بعض واقعات جو ہم کو ملے ہیں ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں۔

زہرہ بی صاحبہ (جو حضرت کی پروردہ ہیں) بیان کرتی ہیں کہ وہ شادی کے بعد سخت علیل ہو گئی تھیں، بخار کا سلسلہ تھا، متعدد حکماء کا علاج رہا، لیکن بخار کا سلسلہ جاتا نہ تھا، حالت دن بدن

لاغر ہوئی جارہی تھی۔ بالآخر حضرت ایک روز ایک آدمی کو ساتھ لے کر جنگل سے مختلف درختوں کے پتے اور مختلف جڑیاں لے آئے، اس کا جوشاندہ تیار کیا، سب دوائیں موقوف کر کے اپنا علاج شروع فرمایا۔ چند روز میں خدا کا فضل ہو گیا، بخار کا سلسلہ جاتا رہا، توانائی پیدا ہوئی۔

اسی طرح ایک دوسرا واقعہ بھی انہی سے مروی ہے کہ حضرت سید عمر صاحب قبلہؒ کو بھی شادی سے قبل بخار کا سلسلہ تھا، کمزوری بیحد ہوگئی تھی، بعض اطباء نے تپ دق کا شبہ ظاہر کر دیا اور بعضوں کی رائے ہوئی کہ فوراً شادی کر دی جائے ورنہ جان کا اندیشہ ہے۔ جب بہت سے علاج ختم ہو چکے اور فائدہ کی صورت نظر نہ آئی تو پھر حضرت نے خود اپنا علاج شروع کیا۔ تھوڑے ہی روز میں اللہ تعالیٰ کا فضل ہو گیا صحت بالکل اچھی ہوگئی۔

حضرت مولانا فضل مدظلہ بیان فرماتے ہیں کہ مجھے ایک وقت بخار کا سلسلہ شروع ہوا، جو ایک عرصہ تک جاری رہا، جس کی وجہ طبیعت پر بیحد پستی ہوگئی تھی، حضرت عیادت کے لئے تشریف لائے، مزاج پرسی کی، اس کے بعد فرمایا کہ نارنگیاں کھاؤ۔ ان شاء اللہ المستعان فضل ہو جائے گا۔ حضرت ممدوح فرماتے ہیں کہ میں نے فوراً بازار سے نارنگیاں منگوائیں تو میرے والد ماجدؒ نے ممانعت فرمائی اور فرمایا کہ "خواجہ میاں بچپن میں سنکھیا کھائے تھے جس کی حدت ان کی طبیعت میں ابھی تک ہے۔ وہ اپنی طبیعت پر قیاس کر کے تمہیں بھی کہے ہیں"۔ میں اس وقت تو خاموش رہا مگر چونکہ حضرت کے ارشاد کی تعمیل فرض سمجھتا تھا اور یقین تھا کہ مجھے اسی سے صحت ہوگی اس لئے میں نے بعد میں حکم کی تعمیل کی اور خوب جی بھر کر نارنگیاں کھالیں اسی روز سے بخار موقوف ہو گیا، طبیعت بالکل ٹھیک ہوگئی۔

آپ نے ایک عرصہ تک باضابطہ ادویات کے ذریعہ بھی علاج فرمایا ہے۔ اس کے بعد آپ کو بذریعہ کشف تعویذات بتائے گئے اور اس کے ذریعہ علاج کا طریقہ سمجھا گیا۔ یہ تعویذات بھی دوسروں کے تعویذات سے بالکل علیحدہ ہیں اور اس میں بھی اکثر نسخہ جات کی طرح آپ نے فرمودہ حضرت سرور عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم، فرمودۂ حضرت پیران پیرؒ تحریر فرمایا ہے۔ ان تعویذات میں علاوہ سحر آسیب وغیرہ کے جملہ امراض کیلئے تعویذات موجود

ہیں۔تقریباً ہر کام کیلئے علیحدہ علیحدہ تعویذ تحریر فرمائے ہیں، سوائے محبت وعداوت کے، کہ آپ کے تعویذات کی خصوصیت ہے کہ ان میں محبت وعداوت کے لئے کوئی تعویذ نہیں البتہ محبت زوجین کا نقش موجود ہے، ہر قسم کا نقش ہو لیکن محبت وعداوت کا کوئی نقش نہ ہو یہ بھی مصلحتاً معلوم ہوتا ہے تاکہ لوگ کسی وقت اس کے ذریعہ ناجائز فائدہ نہ اُٹھا سکیں۔

حضرت کے تعویذات کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ کے تعویذ پر اگر کسی دوسری جگہ کا نقش رکھا جائے تو فائدہ ہی نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات اس کا برعکس نتیجہ بھی نکلا۔تعویذات میں بعض اسماءالٰہی ہیں۔بعض میں اعداد ہیں لیکن بعض تعویذات ایسے بھی ہیں جس میں نہ تو کوئی اسم ہی ہے نہ کوئی عدد مثلاً دودھ کے لئے آپ نے ایک نقش تحریر فرمایا ہے جس میں صرف چند لکیریں ہیں اور چند نقطے۔تعویذ کے دیکھنے سے حیرانی ہوتی ہے لیکن ایسا قوی الاثر ہے کہ عقل حیران ہوکر رہ جاتی ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ صرف کسی غیر معمولی قوت کا کرشمہ ہے اور بس۔اسی طرح آسیب کا بھی ایک نقش تحریر فرمایا ہے جو صرف ایک خط ہے لیکن اثر کا یہ عالم ہے کہ ادھر نقش استعمال کیا گیا ادھر فائدہ شروع ہو گیا جو آج تک آپ کے سلسلہ میں چلے آرہے ہیں۔حضرت کے فیض سے صدہا مریض شفا پاتے ہیں جس سے بلدہ کا ہر فرد بشر بخوبی واقف ہے۔

حضرت کے معالجات تو اور بھی خاص انداز کے ہوتے ہیں۔تعویذ فرمان کا حکم رکھتا تھا کیونکہ ایک تو ان اسماءالٰہی کے نقوش کا، دوسرے حضرت کے دستِ فیض اثر سے لکھے جانے کا اثر شامل تھا چنانچہ دارالشفاء والی بی بی صاحبہ فرماتی تھیں کہ ایک دفعہ میرا بچہ علیل ہو گیا تھا جس کی وجہ پریشان تھی، آپ نے میری پریشانی کو ملاحظہ فرما کر کاغذ پر چند نقوش تحریر فرما کر مجھے سرفراز فرمائے کہ ان نقوش کو دھو کر بچہ کو پلاؤ۔حسب الحکم میں نے تعمیل کی، فوراً بچہ کو صحت ہوگئی، لیکن دھونے کے بعد بھی کاغذ پر نقوش موجود تھے تو میں نے ان کاغذات کو اپنے پاس محفوظ کر لیا، اور جب کبھی کسی کی طبیعت بگڑتی ہوئی دیکھی فوراً ان میں سے ایک نقش کو پانی میں دھو کر مریض کو پلا دیا اللہ نے صحت عطا فرمائی۔

راقم الحروف نے بھی بعض اوقات بی بی صاحبہ موصوفہ کو ان نقوش کا استعمال کرتے دیکھا

ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس مریض کو صحت عطا فرمائی اور بعض وقت خود راوی صاحب کو بھی استعمال کرتے دیکھا ہے۔ (مؤلف)

حضرت کے بعض معالجات تو ایسے بھی رہے کہ جہاں نہ تعویذ استعمال فرمایا گیا نہ کوئی دوا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس کو حضرت کا تصرف ہی سمجھنا چاہئے۔

دارالشفاء والی بی صاحبہ فرماتی تھیں کہ مجھے بواسیر ونواسیر کی شکایت ایک عرصہ تک رہی جب کبھی اس مرض کا زور ہوتا بیحد تکلیف رہتی طبیعت میں بہت پستی ہو جاتی تھی۔ ایک دفعہ اس مرض کا غلبہ ہوا خون شدت سے نکلنے لگا۔ میری حالت دیکھ کر حضرت پیرانی بی صاحبہ قبلہ نے دریافت فرمایا تو میں نے تمام کیفیت عرض کی۔ اس پر پیرانی بی صاحبہ قبلہ نے فرمایا کہ جب ایسی شکایت ہے تو پھر آپ حضرت سے عرض کر کے کوئی تعویذ وغیرہ کیوں نہیں لیتے۔ حالانکہ آپ روزانہ صبح سے شام تک پیشی میں حاضر رہتے ہیں میں نے جواب دیا کہ ''بی! شرمندگی سے معروضہ کرنے میری طبیعت نہیں بڑھتی'' اس پر حضرت پیرانی بی صاحبہ قبلہ نے فرمایا کہ اچھا میں کہتی ہوں۔ چنانچہ ایک وقت حضرت خاصہ پر تشریف رکھے تھے، طبیعت پر بحالی دیکھ کر پیرانی بی صاحبہ نے عرض کیا کہ جی! دارالشفاء والی بی صاحبہ آج کل بہت پریشان ہیں۔ ایسی شکایت ہے مگر شرم سے اب تک آپ سے عرض نہیں کئے، یہ سن کر آپ بہت متاثر ہوئے اور مجھ سے تمام کیفیت دریافت فرمائی، میں نے تمام واقعات عرض کئے۔ جس کو حضرت سماعت فرما کر خاموش ہو گئے۔ نہ کوئی تعویذ ہی سرفراز فرمایا نہ دوا اور نہ کچھ پڑھنے پڑھانے کی ہدایت فرمائی، میں بھی خاموش رہی کہ حضرت کی جیسی مرضی ہو وہی بہتر ہوگا لیکن اس روز سے تکلیف میں کمی ہوگئی۔ تیسرے روز پھر جب خاصہ کو تشریف رکھے تو مجھ سے کیفیت پوچھی میں نے عرض کیا کہ کل سے تو ذرا سکون ہے۔ آپ ہاں! کہہ کر خاموش ہو گئے۔ اس روز سے اور زیادہ سکون رہا۔ پانچویں روز پھر خاصہ کے وقت آپ نے دریافت فرمایا کہ اب آپ کی بواسیر ونواسیر کیسی ہے؟ میں نے عرض کی کہ جی! اب تو بہت آرام ہے۔ پھر آپ نے ہاں! کہہ کر سکوت اختیار فرمایا۔ اس کے بعد سے بالکل صحت ہوگئی۔

راوی صاحبہ فرماتی تھیں کہ اس تاریخ سے اب تک پھر مجھے وہ شکایت ہی نہیں رہی حالانکہ بائیس سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔

نہیں معلوم کہ اس استفسار میں کیا جادو تھا کہ جوں جوں استفسار فرمایا جاتا صحت ہوتی جاتی تھی اور صحت بھی ایسی ہوئی کہ مرض کے اثرات بالکل جاتے ہی رہے ورنہ بالخصوص یہ ایسا سخت مرض ہے کہ اس کے علاج میں بڑے بڑے ماہر اطباء بھی عاجز آجاتے ہیں۔

دارالشفاء والی بی سے ایک اور واقعہ بھی اسی طرح کا مروی ہے راوی صاحبہ مرحومہ کہتی تھیں کہ ایک دفعہ میرا نواسہ سید احمد مغربی جل گیا تھا، تمام جسم پر آبلے آگئے تھے۔ جب میری لڑکی نے اس کی اطلاع دی تو میں حضرت سے اجازت لیکر اپنی لڑکی کے گھر گئی، اور بچہ کی تیمارداری میں مصروف رہی۔ بچہ اکثر میرے پاس ہی رہتا۔ راتوں میں بھی میرے ہی گود میں سوتا، چونکہ اس کو تکلیف زیادہ تھی اس لئے جب کبھی نیند سے بیدار ہوتا تو روتا، تلملاتا، چیختا اور اس بے چینی میں پیر مارتا۔ اکثر اس کا پیر میری بائیں بغل پر پڑتا۔ نہیں معلوم کہ اس طرح مسلسل پیر مارنے کی وجہ رگوں پر اس کا کیا اثر ہوا کہ چند دن کے بعد میرا بایاں ہاتھ جھوٹا ہوگیا۔ اب اس سے کوئی وزنی چیز اُٹھائی نہیں جاتی۔ اگر کوئی چیز اُٹھانا بھی چاہتی تو ہاتھ میں لرزہ پیدا ہوتا اور وہ شئے ہاتھ سے چھوٹ جاتی، ہاتھ برابر اُٹھتا بھی نہ تھا۔

جب بچہ کو صحت ہوئی تو میں حضرت کی خدمت مبارک میں حاضر ہوگئی۔ ایک دفعہ حضرت کے وضوء کے لئے لوٹے میں پانی بھرنا چاہی تو اسی طرح ہاتھ میں لرزہ ہوکر لوٹا ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ جب آپ نے اس کو ملاحظہ فرمایا تو مجھ سے فرمایا کہ کیا آپ نے نواسہ کی تیمارداری میں ہاتھ کو نذر کردیا؟ تو میں نے تمام واقعہ سنایا۔ آپ اس کو سماعت فرما کر خاموش ہوگئے۔ پھر ایک روز کے فصل سے آپ نے مجھ سے میرے ہاتھ کی نسبت دریافت فرمایا کہ ''اب آپ کا ہاتھ کیسا ہے؟ میں نے اپنے ہاتھ پر جب غور کیا تو قدرے قوت محسوس کی اور ہاتھ ذرا اُٹھ رہا تھا۔ میں نے ہاتھ اُٹھا کر آپ کو دکھایا اور عرض کیا کہ اب قدرے فرق محسوس ہورہا ہے تو آپ خاموش ہوگئے۔ اس کے بعد پھر ایک روز کے فصل سے آپ نے مجھ سے

ہاتھ کی نسبت استفسار فرمایا کہ "اب آپ کا ہاتھ کیسا ہے" تو میں نے عرض کیا کہ نسبتاً پہلے کے میں اب زیادہ فرق محسوس کر رہی ہوں۔ پھر آپ خاموش ہو گئے۔ اس کے بعد تو میرا ہاتھ بالکل درست ہو گیا۔ اب وہ کمزوری ہی تھی نہ کسی شئے کے اُٹھانے میں تکلف۔ عقل حیران تھی کہ آپ نے کیا تصرف کیا۔

ان ہی بی بی سے ایک اور واقعہ بھی مروی ہے۔ بیان کرتی تھیں کہ حضرت کے وصال کے بعد ایک دفعہ میں سخت علیل ہو گئی۔ علالت کے بعد میرا بایاں پیر سوکھ گیا تھا۔ حضرت کی مزار مبارک پر حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ جب تک آپ تشریف فرما تھے ہماری مدد فرماتے اور اپنے تصرفات خاص سے ہماری مشکلیں آسان فرمایا کرتے تھے۔ آپ میرے پیر کو اچھا کر دیجئے۔ چنانچہ مزار مبارک کے پائیں میں آکر گڑھا کھود کر میں نے اپنا پاؤں اس میں رکھ دیا اور دس منٹ بعد جب پاؤں نکالا تو بحمدہ تعالیٰ میرا پاؤں بالکل اچھا تھا۔ کوئی شکایت باقی نہ رہی۔

حضرت قبلہ مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت شاہ علی بندہ سے گزر رہے تھے۔ آپ کے ہمراہ حضرت مکی میاں صاحب قبلہؒ بھی تھے۔ راستہ میں آپ کی نظر ایک شخص پر پڑی جو آپ کے خادمین سے بھی نہ تھا، مگر نوجوان تھا، چہرہ پر اس کے بدحواسی طاری تھی، پان والے کی دوکان سے پان خرید رہا تھا۔ آپ نے اس کی جانب اشارہ کر کے خادمین سے فرمایا کہ "اس لڑکے کو یہاں بلا لاؤ چنانچہ ایک صاحب بڑھے اور جا کر اس سے کہا کہ چلو! تمہیں ہمارے حضرت یاد فرما رہے ہیں۔ تو اس نے آنے سے انکار کیا اور کہا کہ مجھے معاف فرمائیے۔ میں اس وقت ٹھہر نہیں سکتا جلد مجھے جانا ہے لیکن جو صاحب بلانے گئے تھے وہ اصرار کئے کہ حضرت یاد فرما رہے ہیں۔ اور تم انکار کرتے ہو، بزرگوں کے احکام کی تعمیل نہ کرو گے تو پریشان ہو جاؤ گے کیونکہ آپ راستہ ہی پر اس کے انتظار میں کھڑے تھے۔ خیر، وہ لڑکا گھبراتا ہوا حاضر ہوا تو آپ نے مسکرا کر اس سے فرمایا کہ کیوں تم اس قدر بدحواس ہو؟ اس پر لڑکے نے کہا کہ خیر، حضرت میری قسمت کی خرابی ہے۔ اب آپ پوچھ کر کیا کریں گے؟ اب یہ فرمائیے کہ آپ نے مجھے کیوں یاد فرمایا ہے؟ کیونکہ میں مجبور ہوں زیادہ دیر تک نہیں ٹھہر سکتا اس جواب پر پھر آپ

نے اس کو سمجھا کر استفسار فرمایا کہو تمہیں کیا پریشانی ہے؟ تو پھر وہ ٹالنا چاہتا تھا، لیکن آپ کے ساتھ کے خادمین نے بھی اصرار کیا کہ کہو حضرت کی دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ تمہاری پریشانی دفع کر دے گا تب اس نے اپنا دُکھ بھرا دکھڑا شروع کیا کہ کیا عرض کروں۔ میں نے حال ہی میں شادی کی ہے۔ میری بی بی بہت حسین اور خوبصورت ہے لیکن عقد کے دوسرے ہی روز سے یہ واقعہ ہے کہ ایک ہندو گورے رنگ کا، جس کے سر پر چٹو بھی ہے، دھوتی باندھے نمودار ہے اور میری بی بی کے پاس ہی بیٹھا رہتا ہے۔ مجھ سے ایک نوکر کی طرح تمام خدمت لیتا ہے۔ بازار کو بھجواتا ہے، سودا منگواتا ہے، اگر میں نے ذرا سی تاخیر کی تو مجھے مارتا ہے چنانچہ اس وقت بھی اس کے کہنے پر میں پان لانے کے لئے نکلا ہوں، نکلتے وقت ہی اس نے تاکید کی تھی کہ دس منٹ میں فوراً واپس آنا اس لئے میں جلد جانا چاہتا ہوں۔ اب اگر تاخیر ہوگی تو پھر مجھے مارے گا۔ آپ نے اس کی تمام پُر درد داستان کو بغور سماعت فرما کر ارشاد فرمایا کہ اچھا تم یہ تو کہو کہ تمہیں بی بی چاہئے یا دولت؟ تو اس نوجوان نے عرض کیا کہ مجھے مال و دولت کی پرواہ نہیں مجھے میری بی بی مل جائے تو بس ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا جاؤ! اور اس سے کہہ دو کہ "خواجہ میاں قاضی پورہ والے نے تجھ کو حکم دیا ہے کہ تو چلے جا" اس پر وہ بہت اصرار کرے گا اور تم کو روپے پیسے کی بہت لالچ بتائے گا، مگر خبردار! تم اس کی ایک نہ سننا اور یہی کہنا کہ تو چلے جا"۔ یہ لڑکا اس ارشاد کو سنکر بہت خوش خوش لوٹا۔ مگر ابھی اس کے دل میں دل نہ تھا کہ دیکھیں کیا واقعہ پیش آتا ہے۔ خیر، جب مکان پہنچ کر گھر میں داخل ہوا تو چونکہ اس کو یہاں کافی تاخیر ہو چکی تھی، اس خبیث نے دیکھتے ہی بُری صورت بنائی، اس پر کڑکنا شروع کیا، اس نے فوراً حضرت کا حکم پہنچایا۔ وہ لڑکا بیان کرتا تھا کہ جوں ہی اس حکم کو سنا اس کا تمام کس بل جاتا رہا اور تحکمانہ شان سے اُتر کر منت سماجت شروع کر دی، کہنے لگا کہ مجھے اس لڑکی سے بچپن سے محبت ہے، میں اس کی صورت کا دیوانہ ہوں، تم جو چاہے کہو، لیکن اس کو چھوڑ دینا میرے امکان سے باہر ہے۔ اگر تم چاہتے ہو تو میں تمہیں کافی رقم دیتا ہوں، تم کسی دوسری عورت سے شادی کر لو۔ لیکن مجھ پر رحم کرو، یہ کہہ کر اس نے آسمان کی جانب ہاتھ دراز کیا اور روپیوں سے بھری تھیلیاں اس کے

سامنے رکھنا شروع کیا، وہ بیان کرتا تھا کہ اس نے اتنی تھیلیاں لا کر ڈال دیں کہ زمین سے مکان کی چھت تک روپیوں کی تھیلیوں سے ڈھیر لگ گئی مگر چونکہ مجھے حضرت نے جو تاکید کی تھی یاد تھی۔ میں آخر تک یہی کہتا رہا کہ مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں، بس تو چلے جا؟ اس پر وہ بھی مجبور ہو گیا، ہار مان لی، اور وہاں سے اُٹھ کر اپنا لوٹا لیا اور چلتا بنا۔ اس دن سے مجھے آرام ملا، اور میری بی بی کو بھی، ہم دونوں اب آرام کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ ظاہر تو ظاہر خواب میں بھی اس کی پر چھائی نظر نہیں آتی، ان معالجات پر عقل حیران ہے کہ نہ تو تعویذ ہے نہ فتیلہ، نہ تشتری نہ کوئی وظیفہ نہ عمل نہ کچھ پڑھ کر پھونکا نہ دم کیا، نہ کوئی نقش دیا، صرف ایک حکم دیا گیا گویا کہ شاہی فرمان نافذ ہوا، جس کی تعمیل میں کسی چون و چرا کی گنجائش ہی نہ رہی۔ بقول شخصے نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن، بجز تعمیل کے کوئی چارہ ہی نہ تھا۔ دوسروں سے مہینوں میں جو کام ہونا دشوار تھا یہاں سکنڈوں میں ہوا۔ سبحان اللہ۔

حضرت قبلہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ نظام الدین صاحب بیجاپوری کی (جن کو حضرت سے بیعت و خلافت تھی) بچپن میں ایک عجیب کیفیت تھی کہ جہاں ان کے سامنے سونے کا علم چاندی کا علم، بی بی کا علم، ان جملوں کو کسی نے دو تین مرتبہ دہرایا کہ ان پر ایک بیخودی کا عالم طاری ہوتا اور اس قدر شدت کے ساتھ کہ حواس باقی نہ رہتے لوٹنا شروع کرتے۔ تھوڑی دیر تک یہی کیفیت رہتی۔ اس کے بعد کہیں ان کو ہوش آتا۔

ایک دفعہ وہ حضرت کے پاس حاضر ہوئے۔ کسی نے آپ کے سامنے ان کی اس حالت کا ذکر کیا اور ان جملوں کو آپ کے سامنے دہرایا جیسے ہی وہ جملے دہرائے گئے نظام الدین پر بیخودی کا عالم طاری ہوا وہ لوٹنا شروع کیئے۔ آپ نے ان کی اس حالت کو بغور ملاحظہ فرما کر ان پر کچھ دم کیا۔ جس کے بعد ان کو ہوش آ گیا اور اس کے بعد سے وہ کیفیت جاتی رہی۔

متفرقات

حضرت قبلہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ حضرت سید شیخین احمد صاحب شطاری علیہ الرحمہ کے پاس ہر سال نیاز یازدہم شریف بڑے تکلف سے ہوتی جس میں بلدہ کے اکثر مشائخین، علماء عہدہ دار مدعو کیے جاتے تھے۔ ایک دفعہ اس دعوت میں حسب عادت آپ بھی تشریف فرما ہوئے، اس روز نہیں معلوم کہ حضرت پر کیا کیفیت طاری تھی، ریش مبارک کے بال کتر کر چھوٹے کر دیئے تھے اور جو لباس گھر میں زیب تن تھا اِسی لباس سے مقام دعوت پر تشریف لے گئے۔ وہاں پہنچنے کے بعد وسطِ دالان میں دیوار سے ٹیکا لگا کر تشریف رکھے۔ اب جس قدر دعوتی اصحاب بھی آئے آپ نے ان کی جانب توجہ ہی نہ کی۔ نہ کسی سے سلام نہ مصافحہ، آنے والے اصحاب آپ کو حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ بعضوں نے آپس میں چہ میگوئیاں بھی کیں کہ آج کا کچھ عجیب تماشہ ہے؟ بعض وہ حضرات جن کو حضرت سے خلوص تھا بہت رنجیدہ و متاثر تھے اور خیال کر رہے تھے کہ اگر ''ایسی باطنی کوئی کیفیت طاری تھی تو بہتر ہوتا کہ حضرت یہاں تشریف فرما ہی نہ ہوتے تا کہ عوام کو نکتہ چینی وغیرہ کا موقع نہ ملتا۔ بہر حال محفل کا عجیب رنگ تھا اور ہر شخص حیرت و استعجاب سے آپ کو دیکھ رہا تھا۔ آپ بہت دیر تک اسی طرح تشریف فرما رہے اس کے بعد وہاں سے واپس ہوئے۔

دوسرا ایک اور واقعہ بھی حضرت قبلہ مدظلہ العالی بیان فرماتے ہیں کہ حضرت کے پھوپی زاد برادر مفتی محبوب نواز الدولہ مرحوم کے پاس بھی ہر سال یازدہم شریف کی نیاز بڑے تکلف و اہتمام سے ہوتی تھی۔ مشائخین کرام، علمائے عظام کے علاوہ عہدہ دار، قرابت دار، احباب، اہل محلّہ وغیرہ سینکڑوں کی تعداد میں مدعو کئے جاتے تھے۔ آج تک یہی مفتی صاحب مرحوم کے پاس کی نیاز شریف زبان زد خاص و عام ہے۔ یہاں بھی ایک سال آپ حسب عادت تشریف لے گئے اور مقام دعوت پر پہنچتے ہی جہاں سب دعوتی اصحاب کے جوتے

رکھے تھے، ان جوتوں پر لوٹنا شروع کیا۔ سارے حضرات پریشان اور ہر شخص آپ کی اس حرکت کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

خواہش نفس کا خلاف، لومۃ لائم کی پروانہ کرنا حضرت کا رنگ خاص تھا جس کی تفصیل دوسرے اور واقعات سے جو ہم نے آگے پیش کیا ہے تصدیق ہوسکتی ہے۔

حضرت قبلہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں اور میرے چھوٹے برادر سید محمد باقر حسینی صاحب احاطہ مسجد میں کھیل رہے تھے۔ آپ برآمد ہوئے تو ہم آپ کو دیکھتے ہی چھپ گئے کیونکہ زیادہ کھیل کود سے آپ خفا ہوتے تھے مگر جونہی آپ کی ہم پر نظر پڑی آپ نے ہم کو آواز دی۔ اب تو ہم چھپ نہ سکے فوراً نکل پڑے۔ ارشاد ہوا کہ چلو! حضرت شاہ راجو حسینی صاحب قدس سرہٗ کی درگاہ شریف کو جائیں گے۔ ہم اس وقت بے تکلف کھیل رہے تھے، پیر میں جوتا بھی نہ تھا۔ اس لئے ہم نے عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو ہم جوتا پہن لیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جوتا نہیں تو نہ سہی ایسے ہی چلو! اب تو کچھ مزید عرض کرنے کی جراءت نہ ہوسکی۔ فوراً ساتھ ہوگئے۔ آپ نے مجھے ایک طرف اور بھائی سید محمد باقر حسینی صاحب کو ایک طرف لے لیا۔ ہم دونوں ساتھ تھے۔ اس وقت میرا سن آٹھ یا نو سال کا ہوگا۔ یہاں سے غازی بنڈہ پہنچنے تک مجھے کچھ زیادہ بار نہ گذرا لیکن اس کے بعد مجھے اپنی برہنہ پائی شاق گزرنے لگی اور بار بار خیال آتا تھا کہ غازی بنڈہ پر بعض قرابت کے لوگ ہیں۔ اگر وہ اس وقت مل جائیں تو کس قدر تکلیف کی بات ہے چونکہ میرے پیر میں جوتا نہیں ہے اس لئے وہ لوگ دیکھ کر کیا کہیں گے۔ مگر اتفاقی بات ہے کہ ان لوگوں سے کوئی ملا نہیں۔ آپ اسی طرح ہم دونوں کو ساتھ لے کر گئے اور واپس تشریف لائے۔

حضرت قبلہ مدظلہٗ فرماتے ہیں اس واقعہ پر غور کرتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ بڑے دل کی بات ہے کیونکہ انسان اپنی ذات کے لئے ہر طرح کی سبکی پسند کرسکتا ہے۔ مگر اولاد کے ساتھ ایسا طرز مشکل ہے۔ اس واقعہ سے نتیجہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ہم کو اوائل عمری میں پہلا سبق دیا تھا کہ اہل دنیا کی باتیں اور لومۃ لائم کا خیال ناقابل التفات ہے۔

حضرت قبلہ مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ حضرت قطب الہند مولانا شجاع الدین حسین قبلہ قدس سرہٗ کے گنبد شریف کو فاتحہ کے لئے رونق افروز ہوئے میں بھی ہمراہ رکاب تھا واپسی میں جب میر جملہ کے تالاب کے کٹہ پر پہنچے تو کٹے کے نیچے بعض شوقین مزاج اپنے اشغال میں مصروف دکھائی دیئے جو شدت سرور میں گاتے بجاتے بیٹھے تھے۔ وہ لوگ اس وقت یہ گا رہے تھے۔ ؎

جی چاہتا گوار کی پھلی کھانا

ان کا اس وقت کا گانا آپ کو بہت پسند آیا۔ چلتے چلتے ٹھہر گئے۔ بار بار فرماتے جاتے تھے کہ کیا اچھا کہا کہ "جی چاہتا ہے گوار کی پھلی کھانا" تھوڑی دیر توقف فرمانے کے بعد وہاں سے واپس ہوئے۔ راستہ میں بھی بار بار اس کو دہراتے اور فرماتے تھے کہ کیا خوب کہا ہے۔

حضرت قبلہ مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ اس جملہ "گوار کی پھلی" سے غالباً حضرت نے دیوانگان دنیا کی باتوں کا مفہوم لیا کیونکہ عوام میں "گنوار" دیوانہ کو کہتے ہیں۔ اہل اللہ کی باتوں کو یہ بیچارے دیوانے کیا سمجھیں۔ خواہ مخواہ زبان درازی کر کے ان پر اعتراض کرنے کی جسارتِ بیجا کر جاتے ہیں اور ان خاصان خدا کو دیوانہ سمجھتے ہیں۔ حالانکہ خود دیوانے ہیں:

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نہ شد اوست فرزانہ کہ فرزانہ نہ شد

اور خاصان خدا کو ان کا بُرا بھ ہنا اچھا معلوم ہوتا ہے۔

حضرت قبلہ مدظلہٗ بروایت حضرت مکی میاں صاحب قبلہؒ بیان فرماتے ہیں کہ توتلے عبدالرزاق نامی حضرت کے ایک خادم تھے جو آپ کے ہم عمر اور بچپن کے ساتھی تھے۔ ان کا جب انتقال ہوا تو حضرت تشریف لے گئے اور میت کے پاس تشریف رکھ کر تبسم فرمائے۔ حالانکہ آپ کی بلاوجہ تبسم فرمانے کی عادت نہ تھی اور پھر میت کے مقام پر اس طرح کے تبسم نے حاضرین کو حیرت زدہ کر دیا۔ حضرت مکی میاں صاحب قبلہؒ فرماتے تھے کہ میں نے دریافت کیا کہ آج حضرت نے خلاف عادت کیوں تبسم فرمایا تو فرمانے لگے کہ یہ میرے بچپن کے ساتھی اور کھیل کود کے شریک تھے۔ ایک دفعہ زمانۂ طفلی میں کھیلتے کھیلتے میں نے ان کے سر پر

ایک مار ماری تھی۔ اب مجھے حکم ہو رہا ہے کہ تمہارے اس مار کی وجہ ہم نے ان کے مدارج میں ترقی عطا کی۔

سبحان اللہ! بزرگوں کے ساتھ کھیلنا اور ان کا مار کھانا بھی کیا کام دیتا ہے:

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ایک اور واقعہ بھی حضرت قبلہ مدظلہٗ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ایک ضعیفہ حضرت کی خادمہ تھیں۔ جب ان کا انتقال ہوا تو حضرت نے فرمایا کہ میں نے ان کے مدارج میں ترقی عطا ہونے کے لئے بطور خاص دعا کی اور معروضہ کیا کہ اس بڑھیا نے میری بہت خدمت کی ہے تو حکم ہوا کہ خدمت تو ضرور کی لیکن ہمارا محبوب سمجھ کر نہیں اس لئے اس خدمت کا کوئی صلہ نہیں مل سکتا۔

اس واقعہ سے نتیجہ معلوم ہوتا ہے بزرگوں کی خدمت اگر خداوند عالم کے خیال سے کی جائے تو موجب اجر و باعث فلاح دارین ہوتی ہے ورنہ نہیں۔ انما الاعمال بالنیات۔

عبدالحلیم صاحب مرحوم کہتے تھے کہ ایک دفعہ بلدۂ حیدرآباد میں شدت سے ہیضہ پھوٹ پڑا، کثرت سے اموات ہوئیں، اِسی زمانہ میں حضرت کے بعض مریدین بھی اس مرض سے انتقال کر گئے۔ منجملہ ان کے لوہانی عبدالرزاق نامی ایک خادم جو حضرت کے مکان کے سامنے ہی کے مکان میں رہتے تھے۔ وہ اور ان کی والدہ اسی سے انتقال کر گئے۔ پہلے والدہ کا انتقال ہوا اس کے بعد ان کا۔ جس وقت لوہانی عبدالرزاق صاحب کی میت کو غسل دیا جا رہا تھا، حضرت نے آسمان کی جانب منہ کر کے ارشاد فرمایا کہ ”کیا ہیضہ ہمارے ہی مریدین کے لئے آیا ہے؟“۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت کے اِس ارشاد کے بعد سے پھر آپ کے کسی مرید کا مرض ہیضہ سے انتقال نہیں ہوا۔ آج تک بھی کوئی ایسا شخص جس کو حضرت سے شرف بیعت حاصل تھا، اس مرض سے انتقال کرتا دکھائی نہ دیا۔ متعدد اصحاب اس مرض میں ضرور مبتلا ہوئے لیکن صحت یاب ہو گئے۔

حضرت قبلہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ حضرت مکی میاں صاحب قبلہؒ فرماتے تھے کہ ایک دفعہ آپ پہاڑی شریف کو فاتحہ کے لئے جانے کے ارادہ سے نکلے پیادہ بنڈلہ گوڑہ تک پہنچے تھے کہ واپسی کا قصد فرمایا، میں نے عرض کی کہ حضرت نے اپنے ارادہ کو کیوں ملتوی فرمایا؟ تو ارشاد ہوا کہ ''حضرت بابا صاحب علیہ الرحمہ خود ہمارے پاس تشریف لارہے ہیں اس لئے اب جانا لاحاصل ہے''۔

سبحان اللہ بزرگان دین کی باتیں ہماری عقلوں سے پرے ہیں:

زاغ کیا جانے باز کی باتیں   دل کی باتوں کو جانے کیا بیدل

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت سید محمد بادشاہ حسینی صاحب قبلہ قدس سرہٗ اپنے بھانجے مفتی محبوب نواز الدولہ مرحوم کو بیحد چاہتے اور اپنا بیٹا فرمایا کرتے تھے۔ اِسی طرح مفتی صاحب کو بھی حضرت سے بیحد محبت و عقیدت تھی اور اپنے ماموں زاد بھائیوں کے ساتھ بھی حقیقی بھائیوں کی طرح رہتے تھے۔

حضرت قبلہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ مفتی محبوب نواز الدولہ مرحوم نے حضرت خواجہ محبوب اللہ قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوکر معروضہ کیا کہ میں اپنے شفیق و محترم ماموں علیہ الرحمہ کے چبوترہٗ مزار مبارک پر چوکھنڈی بنوانا چاہتا ہوں، اجازت دی جائے۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ بھائی! کھلا حصہ اچھا معلوم ہوتا ہے اب اس پر چوکھنڈی کی کیا ضرورت ہے؟ حضرت کا یہ ارشاد مبارک مفتی صاحبؒ کو بیحد ناگوار گزرا، ناگوارانہ انداز میں اُنھوں نے کہا کہ کیا مجھے اتنی خدمت کا بھی حق نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ''میں آپ کو منع نہیں کرتا۔ اگر آپ چاہتے ہیں تو بنوا سکتے ہیں''۔ اس پر مفتی صاحب نے تعمیری کام کا آغاز کیا۔ پایہ کی کھدوائی ہوئی، بندش کی گئی، دیواریں اُٹھنے لگیں ایک طرف کے پانچ کمان بنے تھے کہ یکا یک بیٹھ گئے۔ مفتی صاحب کو خیال ہوا کہ پایہ کی بندش برابر نہیں ہوئی۔ چنانچہ دوبارہ پہلے سے زیادہ مستحکم پایہ کی بندش کی گئی اور دیواریں اُٹھیں ایک لائن پوری ہونے نہ پائی تھی کہ یکا یک پھر بیٹھ گئی۔ اب تو مفتی صاحب پریشان ہوئے۔ میستری پر بگڑنا شروع کیا کہ باوجود تاکید کے پھر کام

ناقص کیا۔ دو دفعہ کمانوں کی دیوار کے بیٹھ جانے سے بلا وجہ نقصان ہو گیا۔

حضرت احمد علی شاہ صاحبؒ نے مفتی صاحب سے فرمایا کہ بھائی صاحب آپ میستری پر بلا وجہ خفا ہو رہے ہیں۔ اس کے گرنے کے وجوہ پر افسوس ہے کہ آپ نے غور ہی نہیں فرمایا۔ مفتی صاحب نے کہا کہ وہ کیا وجوہ ہیں؟ تو آپ نے جواب دیا کہ آپ نے حضرت (یعنے حضرت خواجہ محبوب اللہ قدس سرہٗ) کے منشاء کے خلاف اس کام کا آغاز فرمایا ہے اس لئے یہ صورت پیش آ رہی ہے۔ تاوقتیکہ آپ کو حضرت اس کی بخوشی اجازت نہ دیں یہ تعمیر مکمل نہ ہو گی۔ مفتی صاحب نے جب اس پر غور کیا تو حقیقت سمجھ میں آئی۔ دوسرے ہی روز حضرت کی خدمت مبارک میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ اس تعمیر کے سلسلہ میں اب تک میری اتنی رقم صرف ہو چکی ہے۔ دو دفعہ اس طرح جو کمان بیٹھ گئی اس کی وجہ مجھے اتنا نقصان پہنچا۔ آخر آپ کو کیا میرا نقصان گوارا ہے؟ جو بار بار میں بنواتا جاتا ہوں اور آپ گراتے جاتے ہیں۔ اس پر آپ نے تبسم فرما کر فرمایا کہ ''کیا میں نے آپ کو منع کیا ہے؟ آپ اپنے ماموں کے مزار پر عمارت بنوانے کے مجاز ہیں اس لئے بنوایئے'' پھر مفتی صاحب نے مخلصانہ انداز میں بگڑ کر کہا کہ نہیں! آپ اپنی خوشی سے اجازت دیجئے کہ بلا وجہ میرا نقصان ہو رہا ہے۔ تب آپ نے فرمایا کہ ''اچھا جایئے اب نہ گریں گی''۔ اس کے بعد مفتی صاحب نے اسی پایہ پر تعمیر کی بنیاد رکھی عمارت تیار ہو گئی جو آج تک بحمد اللہ تعالیٰ قائم ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت مکی میاں صاحبؒ کی جب شادی قرار پائی تو حسب دستور قرارداد تاریخ سے قبل ہی تمام گفتگو طے کر لی گئی۔ بروز عقد جب دلہا دلہن کے گھر پہنچا اور سیاہہ کی تکمیل شروع ہوئی تو دلہن کے والد جناب میر ولایت علی صاحب رسالدار نے اضافہ مہر سے متعلق خواہش کی کہ مہر ایک لاکھ لکھا جائے۔ حضرت خواجہ محبوب اللہ قدس سرہٗ نے فرمایا کہ مہر دلہا کی آمدنی کی مناسبت سے ہوتا ہے اس لئے ایک لاکھ بہت زیادہ ہے۔ گیارہ ہزار ہونا چاہئے۔ اس پر دلہن کے والد بہت بگڑ گئے اور کہا کہ میں تو ایک لاکھ سے کم پر ہرگز تیار نہیں ہوں۔ اگر اس قدر مہر پر راضی ہوں تو خیر ورنہ میں لڑکی دینا ہی نہیں چاہتا۔ بحث اس قدر طول

ہوئی کہ فریقین میں ناراضی پیدا ہوگئی۔ بالآخر حضرت سید شیخین احمد صاحب شطاریؒ و مفتی محبوب نواز الدولہ مرحوم نے دلہن کے والد کو سمجھا منا کر پچاس ہزار پر راضی کیا۔ اس کے بعد حضرات نے حضرت سے کہا کہ جب وہ اس قدر اُتر آئے ہیں تو اب آپ بھی پچاس ہزار پر راضی ہو جائیے۔ اس کے جواب میں حضرت نے ارشاد فرمایا کہ جب پانی سر سے اونچا ہی ہوتا ہے تو ایک ہاتھ کیا اور ایک گز کیا؟ اگر ان ہی کی خواہش کی تکمیل کرنا ہے تو ایک لاکھ ہی رکھا جائے۔ چنانچہ سیاہہ کی تکمیل ہوئی، خطبہ پڑھا گیا۔ اس واقعہ سے دلہا یعنے مکی میاں صاحبؒ کو بہت بار گزرا کیونکہ وہ اس زیادتی مہر پر قطعاً آمادہ نہ تھے مگر حضرت کے حکم کی تعمیل میں مجبور رہے۔

معاملہ رفت و گزشت۔ حسب عملدر آمد جلوہ ہوا شب میں دلہن کو گھر لائے گھر آتے ہی دلہن نے معافی مہر کا اعلان کر دیا۔ حضرت مکی میاں صاحبؒ نے بیحد مسرور ہو کر حضرت سے اس کی اطلاع کی تو آپ نے سن کر تبسم فرمایا۔ جب اس واقعہ کی دلہن کے والد جناب میر ولایت علی صاحب کو اطلاع ملی تو اپنی لڑکی سے بہت ناراض ہوئے کہ میں نے مہر میں اتنی کوشش سے زیادتی کروائی تھی اور اس نے اس قدر عجلت کے ساتھ معافی مہر کا اعلان کر دیا۔

سبحان اللہ! اس واقعہ سے دنیا کو دکھا دیا کہ اگر ہماری بات یوں نہیں مانی جاتی تو اس طرح ہم منوا لیتے ہیں۔ اس واقعہ کی متعدد اصحاب سے اسی طرح روایت ہے۔

حضرت قبلہ مدظلہ بروایت حضرت مکی میاں صاحب قبلہؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت دعوت میں تشریف لے جانے لگے۔ اپنے مکان سے چند قدم فاصلہ تک جا کر ٹھہر گئے اور فرمایا کہ دیکھو مسجد میں کوئی ہے؟ اگر ہے تو بلا لو۔ حضرت مکی میاں صاحب فرماتے تھے کہ میں نے تمام مسجد میں تلاش کی مگر کوئی دکھائی نہ دیا۔ تو عرض کیا کہ حضرت! کوئی نہیں ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ ''نہیں! پھر دیکھو مجھے ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ ہمارا ایک مخلص مسجد میں ہے۔ اس کو ساتھ لے کر جاؤ۔ اس لئے اچھی طرح دیکھو ممکن ہے مسجد کے کسی گوشہ میں کوئی ہوگا؟'' حضرت مکی میاں صاحبؒ فرماتے تھے کہ جب میں نے مکرر مسجد میں تلاش کی تو مسجد کے کھم کے پیچھے چھپے

ہوئے شرف علی صاحب نامی حضرت کے ایک خادم (جو رشتہ میں حضرت کے چچازاد بھائی بھی تھے) دکھائی دیئے۔ میں ان کو حضرت کے نام سے بلا کر ساتھ لے گیا۔ پھر حضرت ان کو ساتھ لے کر دعوت میں تشریف لے گئے۔

پہلوان صاحب نامی حضرت کے ایک خادم تھے (جو قصبہ دیول پلی میں رہتے تھے، یہ قصبہ اب عثمان ساگر میں غرق ہوگیا ہے) وہ بیان کرتے تھے کہ ایک رات مجھے حضرت کے دولت سرا میں رہنے کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت دولت سرا میں آرام فرمارہے تھے اور میں باہر پائیں کے دالان میں درگاہ شریف کے پاس سوگیا۔ نصف اللیل کے بعد آنکھیں کھلی تو پائین کے دالان میں چلّہ پیتے بیٹھا رہا۔ یکایک حضرت کے دولت سرا پر نظر پڑی تو حضرت کے دولت سرا کی چھت سے (جہاں آپ آرام فرمارہے تھے) آسمان تک ایک نورانی ستون جیسے کہ کویلو کے مکان میں بالعموم آفتاب کی شعاع پڑتی ہے دکھائی دیا۔ بہت دیر تک میں اس کو غور سے دیکھتا رہا، پہلے تو متحیر ہوا اس کے بعد سمجھا کہ یہ انوار الٰہی ہیں جو ہمارے حضرت پر نازل ہورہے ہیں۔

O-O-O

آپ کی تعلیم وارشادات

آپ کی تعلیم کا صحیح خاکہ ناظرین کی خدمت میں پیش کرنا بہت دشوار ہے پھر بھی حتی الوسع کوشش کی جائے گی کہ اس کو واضح کیا جائے۔ اُمید کہ فروگذاشت کو معاف فرمایا جائے گا۔ اس باب کی ابتداء آپ ہی کے ایک ارشاد سے کی جاتی ہے۔ حضرت مولانا حسرت مدظلہ فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ:

> ''جس طرح نوافل وفرائض میں فرق ہے اسی طرح قرب نوافل و قرب فرائض میں بھی فرق ہے اگر کوئی کام استخارۂ قلبی سے کیا جائے تو وہ قرب فرائض میں داخل ہوگا ورنہ قرب نوافل میں، پس ہر کام میں استخارہ کرلیا کرو''۔

واضح ہو کہ اپنی خوشی سے عبادت الٰہی کرنا قرب نوافل سے ہے اور امر الٰہی کی اطاعت میں کام کرنا قرب فرائض سے۔ رات بھر کے نوافل صبح کے دو رکعت فرض کے مساوی نہیں ہوسکتے۔ قرب نوافل میں بندہ اپنے ارادہ کو خدا سے پورا کرواتا ہے اور قرب فرائض میں اللہ اپنے ارادہ کی تکمیل بندہ سے کرواتا ہے۔

ایک بزرگ نے یوں فرمایا کہ قرب نوافل میں خدا بندہ کا ہاتھ ہو جاتا ہے۔ یعنے اس کا مقصد پورا کرتا ہے اور قرب فرائض میں بندہ خدا کے ہاتھ کا کام دیتا ہے یعنی اس کے امر وارادہ کو پورا کرتا ہے۔

اس تمہید کے بعد واضح ہو کہ قادری دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو اپنے مقاصد نسبت عالیہ قادریہ سے حاصل کرتے ہیں ان کا ماخذ فرمان غوثیہ ہوتا ہے۔ ان لم یکن مریدی جیداً فانا جید ۔ اگر میرا مرید اچھا نہیں تو کیا ہوا میں تو اچھا ہوں۔

لو کشفت عورۃ مریدی بالمغرب وانا فی المشرق لسترتہ اگر میرا مرید

مغرب میں ہو اور میں مشرق میں رہوں اور میرے مرید کا عیب کھل جائے تو میں اس کو ڈھانک دونگا۔ ایسے لوگ قرب نوافل کے قادری ہیں۔

دوسرے قسم کے قادری وہ ہیں جو بے حکم کوئی کام نہیں کرتے۔ ان کا ہر فعل تحت امر الٰہی ہوتا ہے خواہ حکم الٰہی یعنے پیغمبر کے ذریعہ معلوم ہو جو تمام اُمت کا متفق علیہ ہے خواہ بذریعہ الہام وامر قلبی۔ یہ لوگ صاحب قرب فرائض ہیں۔ ان کا مرجع حضرت غوث کا فرمان واجب الاذعان ہے۔ **کن کالمیت فی یدالغسال او کالکرة تحت صولجان الفارس او کالولد الرضیع فی حجر ظئره** (ایسا ہو جا جیسے مردہ غسال کے ہاتھ میں۔ گولا پولو کھیلنے والے شہسوار کے چوگان میں یا شیر خوار بچہ انا کی گود میں) ان پر **ما ینطق عن الھویٰ ان ھوالا وحی یوحیٰ** کا پرتو پڑتا ہے۔ وہ بے ارادہ رہتے ہیں، بے مقصد جیتے ہیں ان کا عمل **مافعلت عن امری** پر رہتا ہے۔

زمانۂ حال میں قرب نوافل کے قادری دنیا میں پھیلے ہوئے تھے۔ قرب فرائض کے پابند بہت کم تھے۔ اس قرب فرائض کی تعلیم کو حضرت نے زندہ کیا۔ لوگوں کو بے ارادہ جینا سکھایا۔ کسی کے ارشاد پر چلنے کی تعلیم دی:

کہا جو مرنے کو مر گئے ہم کہا جو جینے کو جی اُٹھے ہم
اب اور کیا چاہتا ہے ظالم ترے اشاروں پہ چل رہے ہیں

حاکم فوجداری جرم کی تحقیق کرتا ہے۔ مجرم کا ارادہ ثابت ہونے کے بعد اس کو سزا سناتا ہے۔ جو شخص بھی تحت امر حاکم کام کرتا ہے اس پر ذمہ داری ہی نہیں آتی۔ بس اسی پر حضرت کا عمل تھا۔ اپنے متبعین کو اسی کی تعلیم دیتے تھے۔ ساری کوششیں اس پر صرف کی جاتی تھیں۔ بہر حال حضرت کے عمل و انداز تعلیم کی بناء پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت مجدد زمانہ تھے۔

آپ کی تعلیم میں سب سے زیادہ قلب کی صفائی کی اہمیت اور اس کی نگہداشت کا اہتمام ہے کیونکہ جسم انسانی میں اس کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ انوار الٰہی کا یہی مسکن ہے، استاد جلیل نے خوب کہا ہے:

جلیلؔ اچھا ہے دل کو پاک رکھنا ہر کدورت سے　　اسی گھر میں ظہور جلوۂ جاناناں ہوتا ہے

اچھائی و بُرائی کا امتیاز انوارالٰہی کے ذریعہ سے ہی ہوتا ہے۔ پس جس قدر قلب صاف ہوگا اسی قدر نورانیت زیادہ ہوگی۔ جب نورانیت بڑھے گی بھلائی بُرائی صاف تمیز ہوگی اور اگر قلب ہی بگڑ جائے تو پھر کچھ سجھائی نہ دے گا۔ چنانچہ حکم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے ان فی جسد ادمَ مضغۃً اذا صلحت صلح الجسد کله و اذا فسدت فسد الجسد کله الاوھی القلب (بخاری) اسی کے تحت آپ نے ہمیشہ قلب کو یادِ الٰہی میں مشغول رکھنے کی تعلیم فرمائی اور اس پر شدت سے تاکید کی تاکہ وہ بگڑنے نہ پائے اور ہر دم اس پر مصقلہ ہوکر نورانیت میں اضافہ ہوتا رہے۔ چنانچہ آپ نے ذکر قلبی سے متعلق ارشاد فرمایا:

> ''یہ ذکر سہل اور بے مشقت ہے بیٹھے لیٹے چلتے پھرتے کہیں ہو کسی حال میں ہو اس کا خیال نہ چھوڑے اس کو کوئی کام مانع نہیں۔ ہاں البتہ دل کے خطرات اس کو مانع ہیں۔ جب دل میں دوسرے خیالات آتے ہیں تو ذکر رُک جاتا ہے اور جب تک ذکر جاری رہتا ہے کوئی خیال نہیں آنے پاتا''۔

اسی طرح اس کی نگہداشت کے متعلق فرمایا:

> ''جھوٹ، غیبت، حسد، بیکار گفتگو دل کے نور کو کھوتے ہیں''۔

اس سے ہر دم ہوشیار رہنا چاہئے تاکہ قلب متاثر ہونے نہ پائے۔ اسی طرح لقمۂ حرام سے احتراز کے متعلق تاکید فرمائی، فرمایا کہ:

> ''جو لقمہ پیٹ میں جاتا ہے اپنا اثر دکھاتا ہے۔ حلال روزی باعث خیر ہے اور لقمۂ حرام باعث ظلمت اور موجب فساد ہے۔ ایک پیسہ کے عوض کئی مقبول نمازیں برباد ہوتی ہیں''۔

ہر وقت دل پر غور کرنے اور ہر معاملہ میں اس سے استفسار کرنے کی بطور خاص تاکید فرمایا کرتے تھے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حکم بھی یہی ہے کہ استفت قلبک ولوا افتاک المفتون اورماخاب من استخارہ۔

اس ارشاد میں کئی راز پنہاں ہیں۔ ایک تو حکم نبوی ﷺ کی تعمیل، دوسرے ہر کام میں استخارۂ قلبی سے کام کرنے کی وجہ سے وہ کام اس کا نہیں بلکہ اس ملہم کا ہوگا جو راست اسی کے حکم

سے کیا گیا جیسا کہ اوپر قرب فرائض وقرب نوافل کی صراحت کی گئی ہے۔ تیسرے ہر بھلی بُری سے قبل از قبل آگاہ ہوجائے گا کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: عسیٰ عن تکرھوا شیئا وھو خیر لکم وعسیٰ ان تحبو شیئاً وھو شر لکم ۔ شائد تم کو وہ چیز بُری معلوم ہو مگر تمہارے لئے اچھی ہو اور شائد تم کو وہ اچھی معلوم ہو مگر تمہارے لئے بُری نکلے کیونکہ انسان آئندہ کے حالات سے تو واقف نہیں ہوتا۔ صرف قیاس قائم کر کے ایک اندازہ لگاتا ہے جو بعض وقت غلط بھی ہوجاتا ہے۔ جس سے بعض اوقات بہت سی پریشانیاں بھی اُٹھانی پڑتی ہیں۔ اس لئے احسن طریقہ یہ ہے کہ اپنے قلب میں جو نور الٰہی ہے اس سے استخراج کرلیا جائے تاکہ اگر کسی کام میں کوئی بُرائی مضمر ہو تو اس سے قبل از قبل آگاہ ہو کر نقصان اُٹھانے سے بچا رہے چنانچہ خود حضرت فرماتے ہیں:

حق نے رکھا ہے جو گنجینۂ ایماں دل میں ۔۔۔ شکر کر اس کا ادا بندۂ احساں دل میں

ہے مہیا وہ ہر اک طرح کا ساماں دل میں ۔۔۔ دیکھ کر دل جسے ہوتا ہے پریشاں دل میں

چوتھا فائدہ اس سے یہ بھی مرتب ہوگا کہ ہر وقت قلب سے مخاطبت کی وجہ قلب کی کیفیات کا بھی اس کو صحیح اندازہ ملتا رہے گا۔ اگر اس میں کسی قسم کی کمی محسوس ہوگی تو فوراً اس کے علاج کی جانب متوجہ ہوگا۔ ان ہی وجوہ کے مدنظر اس جانب زیادہ توجہ مبذول فرمائی گئی اور اس بارے میں خاص تاکید کی گئی ہے۔

کبر ونخوت کے بارے میں بھی آپ نے بیحد تاکید فرمائی کہ اہل تقویٰ کو اپنے تقوے پر ایک طرح کا غرہ پیدا ہوجاتا ہے اس لئے اس سے ہر وقت بچتے رہنے کا ارشاد ہوا کہ:

> ''تکبر سب سے بڑا گناہ ہے اپنے کو اچھا سمجھنا حماقت ہے اس سے عمل ناچیز ہوجاتے ہیں''۔

اہل دنیا کی خوشنودی اور ان کے خیال سے کام کرنے سے آپ نے منع فرمایا، ارشاد ہے کہ:

> ''دنیا میں کوئی شخص ایسا نہیں کہ جو سب کو خوش رکھے اس لئے ہر کام کے کرنے سے پیشتر یہ غور کرلو کہ یہ اچھا ہے یا بُرا۔ اگر اچھا معلوم ہو تو کرو خواہ دنیا کچھ کہے ورنہ مت کرو اور کسی کے کہنے سننے کی کچھ پرواہ نہ کرو''۔

اسی طرح عوام کے کہنے سننے کے بارے میں ایک جا ارشاد فرماتے ہیں کہ:

> ''اس زمانہ میں کوئی ایسا نہ ہوگا کہ مسلمان کو سیدھا راستہ بتادے ہر ایک اپنے خبط میں گرفتار۔ اس سے بہتر یہ ہے کہ سوائے اپنے مرشد یا رفیق خدا کے کسی کی نہ سنے''۔

مطلب اس ارشاد کا یہ ہے کہ اہل دنیا کی باتوں پر بلا وجہ پریشان نہ ہو، اس لئے مناسب صورت یہی ہے کہ تم نے اللہ کی راہ میں جس کو اپنا ہادی مقرر کیا ہے اسی کے حکم پر چلو اور اسی کے منشاء کے مطابق عمل کرو، ورنہ تم کو شیطان بھٹکا کر کہیں کا نہ رکھے گا اور یہ کیفیت عموماً بُری صحبتوں کے نتائج سے ہوتی ہے اس واسطے اس سے ہمیشہ احتراز کرو، جب تم نے اپنے سابقہ تمام افعال سے توبہ کی، اور خدائے تعالیٰ کی جانب اپنے کو رجوع کر دیا تو اب ان صحبتوں سے بھی بچنا لازم ہے چنانچہ ایک جا اسی بارے میں فرماتے ہیں کہ:

> ''خلاصہ سب کا اچھوں کی صحبت میں رہنا ہے اور سب طرح کا فساد اپنے جیسے غافلوں کی صحبت میں ہے جو مرید کہ بعد طلب کے پھر اپنی قدیم صحبتوں کو نہ چھوڑے وہ بالکل فیض سے محروم ہے۔ ضرورت کے وقت ان سے ملنا چاہئے اس سے بڑھ کر جائز نہیں''۔

مولانا رومؒ فرماتے ہیں:

اہل دنیا کافران مطلق اند   روز شب در زق زق و در بق بق اند

اِس ارشاد سے منشاء مبارک کی وضاحت ہوتی ہے کہ دنیاداروں کو حصول دنیا کے سوا فکر ہی کیا رہتی ہے اور اس راہ پر شاہراہِ شریعت سے اس قدر دور ہٹ جاتے ہیں کہ حلال و جائز چیزیں بھی حرام و ناجائز کا حکم رکھتی ہیں اس لئے ان کی ہمراہی سے ویسے ہی نتائج پیدا ہونے کی توقع ہے۔ پس بہتر صورت یہی کہ بقدر ضرورت ہی ان سے ملیں، اس لئے آپ نے ان قدیم صحبتوں کو یک لخت ختم کرنے کا حکم دیا کہ مبادا پھر وہ بُرائیوں کی جانب نہ لے جائیں اور اس پر شدت سے حکم دیا کہ جو ایسا نہ کرے وہ فیض سے محروم ہے ہر مسلمان کو اپنی بساط کے موافق نیکی کی تعلیم دینے کی ہدایت فرمائی کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تعمیل ہو۔ فرمایا کہ:

''مسلمانوں کو اچھی تدبیر سکھانا واجب ہے''۔

آپ نے احکام شریعت کی پابندی پر شدت سے زور دیا ہے اور اکثر فرمایا کرتے تھے کہ:

''یہی وہ سیدھا راستہ ہے جس میں کسی طرح کا خطرہ نہیں، اتباع سنت میں ہر قسم کی بھلائی مضمر ہے۔ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی ہر چھوٹے بڑے کے لئے یکساں مفید ہے یہی وہ عمل ہے جس میں سوائے فائدہ کے قصان نہیں''۔

چنانچہ حضرت بھی ہر وقت سنت نبوی کی پیروی کا بیحد خیال فرماتے تھے۔ آپ نے خوف الٰہی کا ہر دم خیال رکھنے کی ہدایت فرمائی۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

''خدا سے ہر حال میں ڈرتے رہنا اور اسی سے اُمید رکھنا''۔

کہ خوف خدا ہی وہ چیز ہے جس سے انسان ہر بُرائی سے بچا رہتا ہے اسی لئے قرآن میں ہر جا ''واتقوا اللہ'' سے بطور خاص تاکید فرمائی گئی ہے۔ اسی سے احکام کی تعمیل منہیات سے احتراز کا خیال پیدا ہوتا ہے اسی کے باعث اپنے گناہوں پر نادم ہو کر عاجزانہ گریہ وزاری کرتا اور اپنے خدا سے معافی کا خواستگار ہوتا ہے۔

اسی طرح باری تعالیٰ سے اُمید کی بھی تاکید فرمائی ہے کہ مسلمان کا ایقان لا نافع وضا والا اللہ پر چاہئے کوئی بڑی سے بڑی قوت اور زبردست سے زبردست طاقت بدون حکم الٰہی نہ فائدہ پہنچا سکتی ہے نہ نقصان۔ اس کے ساتھ ساتھ اُمید بھی اسی سے رکھنا مایوس نہ ہونا چاہئے کہ خداوند جل وعلیٰ کا ارشاد ہے کہ لا تیسوا من روح اللہ انہ لا یایئس من روح اللہ الا القوم الکافرون ۔ اور ایک جا لا تقنطوا من رحمۃ اللہ کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ پس وہ مومن نہیں جو اپنے خدا سے اُمید وابستہ نہ رکھے اور ہر وقت اسی سے مدد طلب نہ کرے کہ اسلام کی بنیادی تعلیم یہی ہے ایاک نعبد و ایاک نستعین پس ہم کو ہر معاملہ میں کسی دوسرے سے مدد طلب کرنے کے بجائے اپنے رب ہی سے مدد طلب کرنا چاہئے۔ چنانچہ اس بارے میں آپ نے فرمایا:

''اپنے کام میں ہر وقت اللہ سے مدد چاہے اور ہر سبب کو جو خدا سے دور کرتا ہے قطع کرنا چاہئے اور یقین کرے کہ جو کچھ بھلائی ہے خدا کے حکم بجالانے میں اور جس قدر برائی ہے وہ لوگوں کی رائے پر چلنے میں''۔

اس ارشاد میں یہ خاص تاکید اس امر کی بھی ہے کہ ہر وہ سبب جو خدا سے دور کرتا ہے قطع کرنا چاہئے یعنے وہ تعلیم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا خلاصہ جو بحکم الٰہی لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون ۔تمام وابستگان دامانِ محمدی ﷺ کو دیا گیا ہے کہ خدا کی اور اس کے رسول کی محبت میں کوئی چیز خواہ جان ہو کہ مال و اولاد، حائل ہونے نہ پائے کیونکہ یہی اس سے دوری کا باعث ہوتے ہیں اور جب ہر چیز کو اس کی محبت میں اس کے خیال میں ٹھکرادیا تو نیکی کو پالیا، مقصود ہاتھ آیا، اسی پر تکمیل ایمان کا انحصار ہے۔

آپ کی تعلیم میں کشف قلبی کو بھی خاص اہمیت حاصل ہے۔آپ نے اپنے متوسلین کو اس کی بہت تاکید فرمائی ہے چنانچہ آپ روزانہ اپنے مریدین کو بعد مغرب اس کی تعلیم دیتے اور ہر ایک کی کیفیات کو سماعت فرمایا کرتے تھے۔

آپ کی تعلیم کا خاص انداز یہ بھی تھا کہ مریدین کے فروگزاشتوں کو نظر انداز فرماتے اور ان کی دل افزائی فرماتے تاکہ ان کے حوصلے پست نہ ہونے پائیں۔ ریاکاری سے پرہیز کرنے کی ہر وقت شدت سے تاکید فرمائی ہے کہ اس سے عمل ضائع ہوجاتے ہیں۔رسم ورواج کی پابندی کو سخت ناپسند فرماتے تھے چنانچہ اس بارے میں ارشاد ہوا:

> ”جس رسم وعادات کا شرع میں اچھا یا بُرا ہونا معلوم نہ ہو اس میں
> دخل نہ دے نہ کسی کو اس کا حکم کرے نہ انکار جب تک کہ معلوم نہ ہوجائے۔
> جتنے لوگ رسم وعادات کے پابند ہیں ان کو آدمی نہ سمجھے اور ان سے نہ شرمائے،
> نیک کام کسی کو دکھانے کے لئے نہ کرے کہ اس کو ریا کہتے ہیں۔ ذرا سا کام
> بھی خالص خدا کے لئے ہو تو وہی باعث نجات ہوگا“۔

تکلفات سے آپ کو سخت تنفر تھا جیسا کہ ہم نے آگے اخلاق وعادات کے باب میں صراحت کی ہے اور اس قسم کے باتوں سے بہت خفا ہوتے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ ایک دفعہ مسجد میں تمام خادمین حاضر تھے آپ مکان سے ایک تحریر لکھ کر لائے اور سب کو پڑھ کر سنایا جو حسب ذیل ہے[1]۔

نقل تحریر

''سلام سنت ہے اسلام اور شرع کی بہت عمدہ بات ہے اس کا ترک کرنا بُرا ہے، ابتداء تو سنت اور جواب فرض[1] ہے مصافحہ عالم اور سید اور دیندار سے بہتر ہے آپس میں دوست دوست بھی کریں تو جائز۔ مصافحہ ہاتھ میں ہاتھ ملانے کو کہتے ہیں۔ ایک دوسرے کے ہاتھ کو پیار کرنا سونگھنا بیکار بات ہے۔ بعضے احمق تو اپنے ہی ہاتھ کو پیار کرتے ہیں ہاں کوئی عالم یا سید یا ماں باپ یا مرشد یا استاد ہو تو مضائقہ نہیں۔ مگر ہر وقت مصافحہ اور تقبیل حماقت ہے۔ سلام سیدھے کھڑے ہو کر کرے پشت خم کرنا نہ چاہئے، پاؤں پر ہاتھ پھیرنا یا پاؤں کو پیار کرنا، کوئی ضروری نہیں، کسی کی تعظیم سر و قد کھڑے ہو کر مسنون نہیں، جو اس کے خلاف کہے ناپسند بات ہے، ہاں کسی کی دینداری اور بزرگی کے لئے جائز ہے فرض وسنت نہیں یہ جو اپنے بزرگوں کے لئے کرتے ہیں کہ جب وہ مجلس سے اُٹھ کے جائیں تو سب اُٹھتے ہیں اور پھر آئے تو سب اُٹھتے ہیں، بُری بات ہے، ایسے تکبر کی باتوں سے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے، مرشد اور اس کے مرید لوگ دونوں احمق ہیں جو اس کو جائز کہتے ہیں غرض میرے کہنے سے یہ ہے کہ اب سے کوئی جھک کر سلام کرے، یا ہر روز مصافحہ لازم سمجھے یا پاؤں کو ہاتھ لگائے، یا تعظیم کو اُٹھے، وہ میرا مخالف ہے۔

والسلام   تحریر فی التاریخ ۱۵ر شوال ۱۳۱۳ھ

یہ تحریر حضرت کے وصال سے ایک ماہ پیشتر کی ہے جس کو آپ نے خادمین کے مجمع میں سنایا۔ کہتے ہیں کہ اس وقت آپ کے چہرہ مبارک پر آثار جلال کے تھے وجہ اس کی یہ ہوئی تھی کہ بعض مریدین جب کبھی حاضر ہوتے بالالتزام سلام کے بعد مصافحہ کرتے، اور قدم چوما کرتے تھے، اگرچہ آپ نے متعدد دفعہ انھیں اس سے منع بھی فرمایا تھا، مگر جوش عقیدت میں وہ اسی طرح کرتے رہتے تھے اور بعض مریدین آپس میں ایک دوسرے سے بھی مصافحہ لازم سمجھتے تھے، بعض کا یہ بھی عمل تھا کہ بوقت مصافحہ خود اپنے ہی ہاتھ کو چوم لیا کرتے تھے، ان تمام اُمور کو ملاحظہ فرما کر آپ نے یہ تحریر ارقام فرمائی، کہتے ہیں کہ جب آپ نے سب کو یہ سنایا تو خادمین

---

[1] امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے سلام کا جواب فرض قرار دیا ہے۔

پر عجیب کیفیت چھا گئی، بالخصوص وہ سماں عجیب ہوتا جبکہ حضرت کبھی اندر سے باہر تشریف لاتے یا مجلس سے برخاست فرما کر دولت سرا میں رونق افروز ہوتے اور اس حکم کی تعمیل میں کوئی اُٹھ نہ سکتا، کیونکہ آپ نے ایک جملہ ایسا فرمایا تھا کہ جو اس کے خلاف کرے وہ میرا مخالف ہے، جس نے سب کو مجبور کر دیا تھا، ہر شخص اپنے آپ میں دم بخود ہو کر رہ جاتا تھا۔

حضرت مولانا فضل[1] مدظلہ فرماتے ہیں کہ اس ارشاد کے کئی روز بعد مجلس سماع منعقد ہوئی تھی، سب حاضر تھے، چونکہ آپ نے ان سے قدمبوس ہونے سے بھی منع فرما دیا تھا، اسلئے مجلس میں بھی، قدمبوس ہونے کی کسی کو جرأت نہ ہوئی۔ اتفاق سے قوال نے اس وقت ایک ایسی غزل شروع کی جس سے سب پر عالم وجد طاری تھا، اور سب بے چین تھے اور ہر شخص کا دل چاہتا تھا کہ قدموں پر سر رکھے لیکن تعمیل حکم میں مجبور تھے، بالآخر حضرت مولانا سید عمر صاحب قبلہؒ سے رہا نہ گیا، بہت کچھ ضبط بھی فرمایا لیکن جب معاملہ طاقتِ ضبط سے متجاوز ہو گیا تو دوڑ کر پہنچے، قدموں پر سر رکھ دیا، اور آنکھیں ملنے لگے اس وقت حضرت نے بے حد شفقت سے سر پر ہاتھ پھیرنا شروع کیا، جس سے عنایت کا اظہار ہو رہا تھا، چونکہ دوسرے حضرات بھی اسی کیفیت سے بے چین تھے اور محض خوف و تعمیل حکم میں اپنے اپنے مقام پر سہمے ہوئے بیٹھے تھے، اس عنایت کو دیکھتے ہی ٹوٹ پڑے، مدتوں کی تمنا بر آئی، خوب جی بھر کر آنکھیں ملیں، قدموں کو چوما، لیکن آپ خاموش تشریف فرما رہے کہ یہ ایک بیخودی کی کیفیت تھی۔

حضرت مولانا فضل[2] مدظلہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ کے بعض خلفاء میں حضرات شیخین رضی اللہ عنہما اور حضرت مولا مشکل کشا رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی۔ ایک صاحب فضیلت شیخینؓ پر احادیث پیش فرما رہے تھے، اور دوسرے صاحب حضرت شیر خداؓ کے متعلق۔ بحث زوروں پر جاری تھی اثناء گفتگو میں آپ دولت سرا سے باہر رونق افروز ہوئے تو وہ مسئلہ بغرض تصفیہ آپ کے پاس پیش کر دیا گیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ

[1] یہ روایت اسی طرح حضرت مولانا حسرت مدظلہ و حضرت مولانا سید محمد مسعود صاحب قادری و حضرت مولانا قطب الدین احمد صاحب مدظلہما سے بروایت حضرت مکی میاں صاحب قبلہ علیہ الرحمہ مروی ہے۔

[2] یہ روایت اسی طرح حضرت مولانا حسرت مدظلہ و حضرت مولانا سید محمد مسعود صاحب قادری و حضرت مولانا قطب الدین احمد صاحب مدظلہما سے بروایت حضرت مکی میاں صاحب قبلہ علیہ الرحمہ مروی ہے۔

فضیلت شیخین مسلمہ مسئلہ ہے اور جمہور اہل سنت کا اتفاق اسی پر ہے اس لئے اس کے خلاف کہنا نامناسب بات ہے، اس وقت تو سب خاموش ہو گئے دوسری مرتبہ پھر اسی طرح اس مسئلہ پر گفتگو چھڑی تو آپ نے خفا ہو کر ارشاد فرمایا کہ "اگر اس طرح آئندہ پھر تم لوگ ایسے مسائل پر گفتگو کرو گے تو میں باہر نکلنا ترک کر دوں گا۔ جب اس طرح شدت سے آپ نے تاکید کی تو پھر کبھی اس قسم کا کوئی مسئلہ آپ کے پاس پیش نہیں کیا گیا، اور سب نے احتیاط برتنا شروع کی چنانچہ آپ کا شعر اس بارے میں پیش کیا جاتا ہے، فرماتے ہیں:

ہیں بعد رسول سب سے بہتر صدیقؓ   اس شاہ کے ہیں وزیر اکبر صدیقؓ

اس طرح حضرت مولانا فضل مدظلہٗ سے مروی ہے کہ جب آپ نے تبدیل مذہب فرمایا، یعنی حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیروی اختیار فرمائی تو آپ کے ساتھ آپ ہی کے حکم سے آپ کے خلفاء و مریدین نے بھی تبدیل مذہب کیا چونکہ انسانی فطرت ہے کہ وہ جس کو اپنا امام یا پیشوا بناتا ہے تو اس کو سب سے اونچا و اعلیٰ سمجھتا ہے لیکن اس کے ساتھ حفظ مراتب بھی از بس ضروری ہے۔ ایک کے جوش محبت میں دوسرے کے مراتب کا خیال نہ رکھنا بدترین چیز ہے۔ حضرت ممدوح فرماتے ہیں کہ آپ کے بعض خلفاء میں اکثر حضرت امام اعظم و حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہما کے بارے میں گفتگو ہوتی رہتی تھی، بعض خلفاء امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ کی تعریف میں اس قدر غلو کر جاتے کہ حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کے متعلق آداب ملحوظ نہ رکھتے تھے۔ ایک دفعہ یہ بحث آپ نے سماعت فرمائی تو ارشاد ہوا خبردار اس طرح کے مباحثہ سے احتراز کرنا۔ پھر دوسری مرتبہ باوجود تاکید کے آپ نے اسی قسم کا مباحثہ ہوتے ہوئے سنا تو اسی طرح ڈانٹ کر فرمایا کہ اگر تم لوگ اس طرح بیجا گفتگو کرو گے تو میں باہر نکلنا چھوڑ دوں گا۔

حضرت قبلہ گاہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ آپ نے مریدین کو شیعوں کی تردید سے بھی باز رہنے کی تاکید فرمائی کیونکہ بالعموم تردید میں انسان اپنی بات کو مختلف دلائل سے ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ بسا اوقات فریق مخالف کے دلائل کو توڑنے کے لئے ان پاک نفوس کی

ذات پر غور کر کے خامیاں تلاش کرنے کی ناجائز جرأت کا مرتکب ہوجاتا ہے چونکہ اہل بیت اطہار رضوان اللہ علیہم کی محبت ہم پر فرض اور ان کا احترام واجب ہے۔اس لئے اس قسم کے بیجا مباحث سے حتی الامکان بچتے رہنے کی تاکید فرمائی کہ شیعوں کی تردید کرنے میں کہیں ایسا نہ ہو کہ اہل بیت کرام کا دامن چھوٹ جائے اور ان کی محبت میں کمی ہو کر ایمان کو نقصان پہنچے۔

حضرت قبلہ گاہ مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ آپ کے بعض مریدین نے خواہش ظاہر کی کہ تصوف میں ایک کتاب حضرت خود تصنیف فرمائیں تو بہت بہتر ہوگا ہمارے کام آئے گی تو آپ نے فرمایا کہ ''میرا تصوف تمہارے کیا کام آئے گا'' اس ارشاد پر ممکن ہے کہ کوئی اعتراض پیدا ہو، اِس لئے حسب ذیل اُمور کی تحقیق ضروری ہے۔

پہلے یہ کہ صوفی کس کو کہتے ہیں؟ تصوف کیا ہے؟

آج کل بعض، نادان لوگ مسئلہ وحدۃ الوجود کو چند فرضی اصطلاحوں کے ساتھ بیان کرنے کا نام تصوف سمجھ رکھا ہے۔اس لئے ہم مختصراً اس کی تشریح کر دینا چاہتے ہیں۔

صوفی کے متعلق حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ ملبوس صوف کی نسبت سے صوفی کہتے ہیں کیونکہ سرکار دو عالم ﷺ بھی کبھی صوف کا لباس زیب تن فرماتے تھے (صوف پشم یعنی اون کو کہتے ہیں) اور اکثر انبیاء کرام نے صوف کا لباس بھی پہنا ہے۔ احادیث میں ہے کہ بعض صحابہ کرام کا لباس یہی رہا تھا اسی لئے یہ لباس اہل اللہ کا سمجھا گیا اور یہ مبارک گروہ گروہِ صوفیہ کہلاتا ہے۔

تصوف کی تعریف میں حضرت سید عمر صاحب قبلہ قدس سرہٗ نے تفسیر قادری میں بضمن تفسیر سورہ کہف صفحہ (۳۴۶) پر حضرت شیخ ذکریا انصاریؒ کے شرح قشیریہ سے، اس طرح بیان فرمایا ہے ''تصوف وہ علم ہے جو ظاہر ہوتا ہے، ذوق عبادت سے، جس سے، جانا جاتا ہے۔ احوال تزکیہ نفس یعنے اس کی تطہیر اور تصفیۂ اخلاق یعنے اخلاق کو کدورت خواہشات و عادات سے پاک کرنا اور تعمیر ظاہر و باطن یعنے اعضاء سے عبادات اور قلب سے دوام مراقبات، تا سعادت ابدیہ حاصل ہو۔ یہی اس علم کا ثمرہ اور غایت ہے اور موضوع اس کا وہی تصفیہ و تزکیہ ہے۔

اور کشف الظنون سے علم تصوف کی تعریف علامہ ابن صدر الدینؒ سے اس طرح نقل فرمائی ہے کہ اس درجات و مقامات کی کیفیت جیسی کہ چاہئے بیان کرنا غیر ممکن ہے کیونکہ عبارات انھیں معانی کے لئے وضع کئے گئے ہیں جو لغت والوں کی سمجھ میں آسکتے ہیں اور جو ایسے معانی ہوں کہ ان کو وہی شخص پاتا ہے جو اپنے قوی بدن بلکہ اپنی ذات سے بھی غائب ہوتا ہے۔تو پھر ایسے معانی کے لئے الفاظ کا وضع کرنا ہی غیر ممکن ہے تو وہ الفاظ سے کس طرح ادا ہوں گے۔جیسے معقولات کو اوہام سے اور موہمات کو خیالات سے اور تخیلات کو حواس سے نہیں پاسکتے ہیں، اِسی طرح جو عین الیقین معائنہ ہوسکتے ہیں۔ان کو علم الیقین سے پانا غیر ممکن ہے، پس جو شخص اس کا ارادہ رکھتا ہے مشاہدہ اور عیاں ہونے کے لئے کوشش کرے نہ کہ اس کو بیان سے ڈھونڈے۔یہ طور عقل سے پرے ہے:

علم التصوف علمٌ لیس یعرفه	الا اخو فطنةٍ بالحق معروف
ولیس یعرفه من لیس یشهدهٗ	وکیف یشهد ضوء الشمس مکفوف

بہر حال اس صراحت سے واضح ہوجائے گا کہ تصوف علم کیفیات ہے جس کو عمل سے پاسکتے ہیں اور انسان جس طرح صورت میں ایک دوسرے سے مختلف ہے اسی طرح اس کے کیفیات بھی باہم مختلف ہوتی ہیں اس لئے ایک کا تصوف دوسرے کے کام نہیں آسکتا۔اسی چیز کی طرف حضرت نے اشارہ فرمایا ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ آپ باہر حوض پر حمام کے لئے تشریف فرما ہوئے۔لنگ باندھ کر جسم کے کپڑے اُتارے، اس کے بعد اپنے سینے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے حاضر الوقت مریدین کی جانب مخاطب ہوکر فرمایا کہ:

> ''مرشد وہ ہے جو اپنے مریدین کو اس طرح دیکھے جیسے اپنے سینے کے بالوں کو دیکھتا ہے''۔

اس ارشاد سے آپ کے کشفی کیفیت کا اظہار ہوتا ہے کہ آپ اپنے مریدین سے کبھی بے خبر نہیں رہتے۔ہر وقت ان کو ملاحظہ فرماتے رہتے ہیں۔

حضرت مولانا فضل مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ نہایت مسرور نظر آرہے تھے۔

سامنے مریدین بھی حاضر تھے، آپ نے ان مریدان حاضر کی جانب مخاطب ہوکر فرمایا کہ:

''تم لوگوں میں ہر شخص اپنی اپنی دیگ علیحدہ علیحدہ دم دینے کی کوشش کررہا ہے تو پھر ہم نے جو دیگ تیار کی ہے وہ کس کے لئے''۔

حضرت ممدوح فرماتے ہیں کہ میں نے آگے بڑھ کر عرض کی کہ آپ کی تیار کی ہوئی دیگ تو ہم ہی کھائیں گے اب ہم جو کچھ تیار کریں گے وہ ہمارے بعد والوں کے لئے ہوگی اس پر آپ تبسم فرما کر خاموش ہو گئے۔

حضرت مولانا سید شاہ اصغر حسینی صاحب چشتیؒ جانشین حضرت شاہ خاموش علیہ الرحمہ (جو آپ کے بھانجے داماد ہوتے تھے) بیان فرماتے تھے کہ آپ کی مجھ پر بیحد نظر عنایت تھی اور میرے ساتھ ایسا ہی سلوک تھا جیسا کہ حقیقی سسرے کا داماد کے ساتھ رہتا ہے۔ میری عادت تھی کہ میں اکثر اجمیر شریف کے عرس شریف میں حاضری دیا کرتا، ایک دفعہ حسب عادت حاضری کا قصد ہوا تو ملنے کے لئے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں عرس شریف میں حاضری کے لئے جارہا ہوں تو آپ نے فرمایا کہ:

''میاں! آپ کا اجمیر شریف تو مکہ مسجد کے پیچھے خانقاہ میں ہے''۔

میں نے جواب دیا کہ میری عادت رہی ہے کہ اکثر عرس شریف میں حاضری دیتا رہا ہوں تو فرمایا کہ:

''نہیں! میں منع نہیں کرتا ضرور حاضری دیجئے مگر اس کا خیال رہے اور جب حاضر ہوں تو حضرت خواجہ خواجگانؒ کی بارگاہ میں میری طرف سے بھی مودبانہ سلام عرض کرنا''۔

اس ارشاد سے کہ آپ کا اجمیر شریف تو مکہ مسجد کے پیچھے خانقاہ میں ہے۔ ایک بہت نازک مسئلہ کی جانب اشارہ تھا کہ حضرت خواجہ خواجگانؓ کا فیض اِسی واسطے سے یعنی اپنے مرشد حضرت سید محمد ہاشم حسینی عرف محمد شاہ صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں میں ہی سے تمہیں ملے گا۔

چونکہ یہاں اجمیر شریف کا تذکرہ اور حضرت کے سلام کا ذکر آگیا ہے اس لئے ہم

چاہتے ہیں کہ اس جا حضرت کا مکتوب گرامی بھی نقل کرنے کی سعادت حاصل کریں جو آپ نے اپنے برادر خورد حضرت سید محمد عمر صاحب قبلہ قدس سرہٗ کو بزمانہ سفر اجمیر شریف تحریر فرمایا تھا جو کتاب رہبر طریقت مؤلفہ حضرت سید محمد عمر صاحب قبلہؒ میں شائع ہو چکا ہے۔ وھوھذا۔

نقل خط

حامداً و مصلیًا

از بندہ فقیر محمد صدیق غفر اللہ لہٗ ولوالدیہ بہ برادر عزیزم سید محمد عمر اطال اللہ عمرہٗ واجل قدرہ بعد سلام وتحیات واضح باد کہ خط مرسلہ آں عزیز مورخہ ۱۵ر ذیقعدہ وخط دیگر مورخہ ۱۷ر ماہ مذور در عین انتظار رسید۔ خاطر را کمال مسرور ساخت واز کوائف مندرجہ آگہی یافت واز خط اول تقرر روانگی روز یکشنبہ ہفدہم ماہ معلوم کردم واز خط دیگر پنجشنبہ بست ماہ بہر حال زود بزیارت غریب نواز قدس سرہٗ مشرف شدہ دیدہ انتظار رانورے و دل مشتاق راسرورے خواہند بخشید۔ وخط دیگر مورخہ وہم ماہ کہ نوشتہ بودم از رسیدنش اطلاع نشد کہ رسیدہ است یانہ۔ بعد رسیدن اجمیر مبارک حال سفر واقامت بہ تفصیل برنگارند میخواہم کہ ہمیں دم بعتبہ بوسی غریب نواز شتابم وسرو دیدہ نجاک آن آستان فیض مالم۔ اما کار من بدستم نسپر وہ اندو ہو حسبی ونعم الوکیل۔ حالا بست ودہم ذیقعدہ است۔ دوستان وخویشان راعافیت نقد حال است بہ ہمشیر صاحبہ سلام وتحیات ودختر شان وعبد المقتدر صاحب وعبد القدیر صاحب و عبد الشاکر صاحب ودیگر ہمراہیاں رالطرف عاجز وبرادران وزن وفرزند و ہمہ اہل محلہ واہل قرابت وغیر ہم سلام وتحیات وعید الضحیٰ ہم قریب است اغلب کہ تاعید اینجا خواہید بود واوصیک یا اخی الا لا تنسانی من السلام والدعاء عند زیارۃ الشیخ وقل عنی فی حضرتہ انا خادمک وحدیث ما کنت وانت سیدی لا تبعد فی عنک وانت الحامی وانت الملاذی وذخری شیئت اوااوا بیت فکن لی ولا تنظر الیٰ ما انا فیہ فمنی الجنایۃ ومنک العنایہ والسلام رحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

حضرت قبلہ مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ آپ نے اپنے سلسلہ کے حضرات کے لئے ارشاد فرمایا کہ:

"تکمیل سلوک اس وقت تک نہیں ہوسکتی جب تک کہ حضرت خواجہ رحمۃ اللہ نائب رسول علیہ الرحمہ کے پاس حاضری نہ دی جائے۔

حضرت خواجہ رحمت اللہ قدس سرہٗ جن کا لقب نائب رسول اللہ ہے۔ شیوخ سلسلہ سے یعنے حضرت شیخ کامل مولانا شاہ رفیع الدین صاحب قبلہ قدس سرہٗ کے مرشد ہیں، آپ کا مزار مبارک ضلع رحمت آباد* علاقہ مدراس میں واقع اور زیارتگاہ خاص وعام ہے۔ ہر مذہب وملت کے لوگ حاضر ہوتے اور گلِ مقصود پاتے ہیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ رحمت آباد شریف میں آج تک یہ عمل جاری ہے کہ وہ شخص خواہ وہ کسی مذہب وملت کا کیوں نہ ہو جو آپ کے گنبد شریف کے سامنے سے گزرے مودبانہ آداب بجا لائے۔ اگر کوئی اس کے خلاف عمل کرے تو اسے سزا ملتی ہے چنانچہ ہندو عیسائی پارسی جو آپ کی گنبد مبارک کے سامنے سے گزرتے ہیں برابر آداب بجالاتے ہیں۔ حضرت سید مصطفیٰ صاحب قادری مرحوم جو حضرت سید علوی بردم قدس سرہٗ کی اولاد سے تھے بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ ایک عیسائی کمشنر وہاں آیا تو وہاں کے باشندوں نے اس سے کہا کہ یہاں کا یہ طرز ہے حسبہٗ عمل کیجئے۔ اس عیسائی نے اس خیال سے کہ یہ بزرگ ہونگے تو مسلمانوں کے ہوں گے مجھے اس سے کیا آداب نہیں بجالایا۔ جوں ہی گنبد مبارک سے چند قدم آگے بڑھا ایک ٹھوکر لگی، بُری طرح گرا، کافی چوٹ آئی، گھبرا کر اُٹھا، معافی مانگی، ٹوپی اُتار کر اپنے طریقہ کے موافق آداب بجالایا اور کہا کہ واقعی یہ بڑے پیر پادری ہیں۔ اس کے بعد سے پھر کسی عیسائی نے ایسی جسارت بیجا کی ہمت نہ کی۔

حضرت خواجہ رحمت اللہ قدس سرہٗ کے اور بہت سے ایسے تصرفات کے واقعات مشہور ہیں جن کو یکجا کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب ہوگی۔ بہر حال دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اور دوسرے سلسلہ کے بھائیوں کو اپنے شیخ کے ساتھ وہاں کی حاضری کی سعادت عطا فرمائے کہ ایسی بارگاہوں میں شیخ کی معیت ہی زیادہ مفید ہوتی ہے۔ آمین بحرمت سید المرسلین

O-O-O

* اب رحمت آباد ضلع نیلور میں آتا ہے

آپ کا وصال

حضرت کا وصال ماہ ذیقعدۃ الحرام ۱۳۱۴ھ میں ہوا

پیشین گوئی

دارالشفاء والی بی بی بیان کرتی تھیں کہ جب ماہ ذیقعدہ کا چاند نظر آیا تو اس وقت حضرت کی طبیعت بالکل اچھی تھی کسی قسم کی طبیعت پر گرانی نہ تھی۔ ماہ ذیقعدہ کی دوسری یا تیسری تاریخ ہوگی کہ آپ دستر خوان پر تشریف رکھتے تھے اور میں حسب عادت سامنے حاضر تھی۔ آپ نے مخاطب ہوکر ارشاد فرمایا کہ آپ نے سنا، میں نے عرض کی جی کیا! تو فرمایا کہ بندہ نواز میں بندہ نواز تشریف لے جارہے ہیں۔ (مخفی مباد کہ دکن میں عام طور پر ماہ ذیقعدہ کو بندہ نواز کا مہینہ کہا جاتا ہے چونکہ اسی ماہ میں حضرت خواجہ بندہ نواز گیسودراز قبلہ رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا ہے اس لئے یہ مہینہ آپ ہی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے)

راویہ کہتی تھیں کہ اس ارشاد کو میں سمجھ نہ سکی اس لئے ''جی'' کہہ کر خاموش ہوگئی تو پھر آپ نے فرمایا کہ ''آپ نے سمجھا نہیں؟ بندہ نواز میں بندہ نواز تشریف لے جارہے ہیں!''۔ میں اب بھی سمجھ نہ سکی اس لئے پھر ''جی'' کہہ کر خاموش ہوگئی تو آپ نے بھی سکوت اختیار فرمایا۔ اس کے بعد میں بہت کچھ سوچتی رہی کہ اس ارشاد کا کیا مطلب ہوگا لیکن کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ جب حضرت کا وصال ہوا اس وقت میں نے سمجھا کہ اسی جانب یہ اشارہ تھا اور حضرت نے اپنے وصال کی پیشین گوئی فرمائی تھی۔

علالت

دس بارہ تاریخ تک آپ کی صحت بالکل اچھی تھی، اس کے بعد آپ کو بخار آیا۔ ایک دو

روز تو معمولی حرارت آتی رہی اس کے بعد بخار کچھ زیادہ ہوا۔ ۱۷ تاریخ ماہ ذیقعدہ مطابق یکم مئی ۱۸۹۶ء جمعہ کا دن تھا، اس روز آپ کو بخار زیادہ تھا جس کی وجہ سے آپ نماز جمعہ کے لئے باہر برآمد نہ ہو سکے۔ نماز جمعہ سے فارغ ہونے کے بعد تمام خادمین شرف قدم بوسی کے لئے اندر حاضر ہوئے۔

حضرت مکی میاں صاحب قبلہؒ فرماتے تھے کہ جب سب حاضر ہوئے تو آپ چادر اوڑھے آرام فرمارہے تھے سبھوں نے مزاج پرسی کی تو آپ نے گفتگو فرمائی۔ میں نے بھی سلام کے بعد جب مصافحہ کیا تو جسم اس قدر گرم محسوس ہوا کہ ہاتھ کو چر کا لگ رہا تھا، حضرت کا یہ حال دیکھ کر میرے قلب پر سخت صدمہ ہوا، بے ساختہ آنکھ سے آنسو رواں ہو گئے۔ جب آپ نے مجھے ملاحظہ فرمایا تو دریافت کیا کہ کیوں روتے ہو‘‘۔ میں نے عرض کی کہ حضرت! بخار بہت زیادہ ہے۔ آپ کسی کی دوا بھی استعمال نہیں فرماتے تو آپ نے بگڑ کر مجھ سے فرمایا کہ ’’کس نے کہا کہ بخار زیادہ ہے؟ کہاں ہے بخار بلا وجہ پریشان ہوتے ہو، لو! دیکھو‘‘۔ اور اپنا دست مبارک میری جانب دراز فرمایا۔ اب میں نے جسم کو ہاتھ لگا کر جو دیکھا تو واقعی جسم صاف تھا۔ حرارت بالکل نہ تھی میں سخت حیران ہو گیا کہ پانچ ہی منٹ کے اندر عجیب انقلاب ہے۔

آپ نے فرمایا ’’کیوں؟‘‘ میں نے عرض کی کہ واقعی اب تو حرارت نہیں معلوم ہوتی، اس پر آپ نے تبسم فرمایا اور خاموش ہو گئے۔

اس واقعہ پر بعد میں جب میں نے غو کیا تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ بخار تو زیادہ ہی تھا لیکن محض ہماری پریشانی کو ملاحظہ فرما کر آپ نے اس قسم کا وقتیہ تصرف ظاہر فرمایا تھا:

خلق جس دن سے ہوئے بانکے میاں کے نوکر ہر اشارہ میں کرامات نکل آتی ہے

قرابت داروں کی طلبی

آپ کے خسر حضرت سید شاہ شیخن احمد صاحب شطاری قدس سرہٗ اور آپ کے پھوپی زاد بھائی مفتی محبوب نواز الدولہ مرحوم ہر سال گلبرگہ شریف کے عرس میں بہ پابندی حاضری دیا کرتے تھے۔ اس سال بھی حسب عادت ہر دو حضرات تشریف لے گئے۔ اس وقت تک

حضرت کی طبیعت اچھی تھی۔ کسی قسم کی علالت کی کوئی اطلاع بھی نہ تھی۔ ۱۷/ تاریخ اٹھارویں
شب میں ہر دو حضرات کو ایک ہی طرح کا خواب ہوا کہ آپ تشریف لائے ہیں اور فرماتے ہیں
کہ اب ٹھہرنے کا وقت نہیں ہے فوراً بلدہ آ جائیے۔ صبح حضرت شیخن احمد صاحب قبلہؒ جب بیدار
ہوئے تو بہت پریشان تھے کہ یہ کیا خواب ہے؟ خواجہ میاں نے ایسا کیوں کہا؟ اسی طرح
حضرت مفتی صاحبؒ کا یہی حال تھا۔ جب ان دونوں حضرات کی ملاقات ہوئی تو حضرت شیخن
صاحب قبلہؒ نے رات کا خواب سنایا۔ مفتی صاحبؒ نے فرمایا مجھے بھی بالکل اسی طرح کا خواب
دکھائی دیا جیسا کہ آپ فرماتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرور کوئی خاص بات ہے۔
جب تو خواجہ میاں صاحب نے خصوصیت کے ساتھ ہم کو بلوایا ہے پس فوراً چلنا چاہئے حالانکہ
ان ہر دو حضرات کی عادت تھی کہ ختم عرس شریف کے بعد بھی دو چار روز تک ٹھہر کر اطمینان سے
واپس ہوتے تھے۔ مگر اس پریشانی میں اسی روز چار بجے کی گاڑی سے نکل گئے۔ ۱۸/ تاریخ
شام میں اپنے اپنے مکان پہنچے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ دو چار روز سے بخار ہے۔ مفتی
صاحب نے فوراً اپنے آدمی کے ذریعہ خیریت کی کیفیت منگوائی تو معلوم ہوا کہ بخار تو ہے لیکن
قدرے سکون ہے۔ خیال کیا کہ صبح چلکر مزاج پرسی کریں گے۔ سفر کی تھکان بھی تھی گھر میں
آرام کیا۔

یہاں پہلی شب تو قدرے سکون سے گزری نصف اللیل کے بعد حضرت کی طبیعت میں
پھر تغیر پیدا ہوا بے چینی زیادہ ہوگئی۔

وصیت

اسی اضطراب کی حالت میں آپ نے دریافت فرمایا کہ ''کون ہیں؟'' دارالشفاء والی بی
بی کہتی تھیں کہ میں قدموں کے پاس ہی حاضر تھی۔ میں نے عرض کی ''جی باندی دارالشفاء والی''
پھر فرمایا ''کون'' تو میں نے اپنا نام عرض کیا کہ ''جی! مہرالنساء'' اس کے بعد ارشاد ہوا کہ ''وہ
کہاں ہیں'' میں نے عرض کی جی! کیا پیرانی بی کو (آپ کے محل میں) بلاؤں'' فرمایا ''ہاں'' فوراً
میں نے پیرانی بی صاحبہ کو بلایا۔ اور عرض کی جی پیرانی بی تشریف لائی ہیں تو فرمایا کہ دیکھو

''سات حصے'' پیرانی بی صاحبہ نے پریشان ہوکر دریافت کیا ''جی کیا'' تو پھر اسی کا اعادہ کیا کہ سات حصے، سات حصے، پیرانی بی پھر بھی سمجھ نہ سکیں۔ پھر استفسار کیا کہ آپ کیا فرمارہے ہیں، میں سمجھ نہ سکی تو جھنجلا کر سکوت اختیار فرمایا۔ پیرانی بی صاحبہ نے پریشان ہوکر رونا شروع کیا کہ آج یہ کیسی باتیں کررہے ہیں اور خیال کیا کہ بخار کی زیادتی کی وجہ شائد آپ پر سرسامی کیفیت طاری ہے۔ چنانچہ آپ کے برادر صاحبان کو اطلاع دی گئی فوراً بھاگتے ہوئے آئے لیکن جب حضرت کا وصال ہوا تو اس وقت سمجھ میں آیا کہ فی الحقیقت آپ نے متروکہ کی تقسیم سے متعلق تاکید کی تھی کہ دیکھو جملہ مال کے سات حصے کرنا یعنے تین صاحب زادے اور ایک صاحبزادی کی شرعی تقسیم بتائی گئی۔

صاحبزادہ کی یاد

دارالشفاء والی بی بی کہتی تھیں کہ اس تقسیم متروکہ کی وصیت کے بعد آپ نے منجھلے صاحبزادہ یعنے حضرت قبلہ گاہ مدظلہٗ کو یاد فرمایا کہ ''یحییٰ کہاں ہے'' (چونکہ سب صاحبزادوں میں آپ کو منجھلے صاحبزادہ صاحب سے بہت محبت تھی اور یہ صاحبزادہ صاحب بھی ہمیشہ آپ کے ہی پاس رہا کرتے۔ راتوں میں آپ ہی کے پہلو میں آرام فرماتے تھے۔ اس روز بھی اتفاق سے بازو ہی آرام فرمارہے تھے) میں نے عرض کی کہ ''جی حضرت کے بازو ہی آرام کررہے ہیں کیا جگاؤں؟'' تو فرمایا کہ ''نہیں'' اور اس کے بعد صاحبزادہ صاحب کا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لیا مٹھی بند تھی انگلیاں کھولیں، تھوڑی دیر غور سے دیکھ کر پھر مٹھی بند کردی اور ہاتھ چھوڑ دیا۔ یہ راز سمجھ میں نہ آسکا کہ آپ نے کیا چیز ملاحظہ فرمائی۔

استغراقی کیفیت

اس کے بعد آپ پر استغراقی کیفیت طاری ہوگئی، اس وقت تک آپ کے تمام بھائی صاحبان بھی تشریف لالئے۔

آپ کا اس وقت قبلہ کی سمت سر مبارک اور جنوب کی سمت جس طرف مکان کی آمدو

رفت کا راستہ تھا رُخ تھا۔ آپ نے السلام علیکم تشریف لائیے کئی دفعہ ٹھہر ٹھہر کر فرمایا گویا کہ ہر آنے والے کا آپ خیر مقدم فرمارہے ہیں۔ سب کے سب حیران تھے کہ کوئی آتا نظر نہیں آتا پھر حضرت یہ کس کو سلام اور تشریف لائیے، تشریف لائیے فرمارہے ہیں۔ آپ کے برادر صاحبان رونے لگے۔ تین چار مرتبہ کے سلام کے بعد آپ نے اپنا رُخ سمت جنوب سے پھیر کر شمال کی جانب جدھر کہ مکان کا اندرونی حصہ یعنے دالان وغیرہ ہے کردیا گویا کہ آنے والے مہمانوں کی جانب مخاطب ہورہے ہیں۔

حضرت مولانا فضل مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ اس وقت تو آپ کے منجھلے وسنجھلے بھائی حضرت احمد علی شاہ صاحب وحضرت مکی میاں صاحب علیہما الرحمۃ سے ضبط نہ ہوسکا بے ساختہ رونے لگے۔ آپ کے چھوٹے بھائی حضرت سید عمر صاحب علیہ الرحمہ نے ہر دو بھائیوں کو موقع کی نزاکت دیکھ کر سمجھایا اور خود یٰسین شریف کی باآواز بلند تلاوت شروع کی۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ نے

حق ۔ حق ۔ حق

فرمایا اور آپ کی روح مبارک عالم بالا کی طرف پرواز کرگئی۔ اِنَّـا لِلّٰـهِ وَاِنَّـا اِلَیْـهِ رَاجِعُوْن ۔ اس طرح آپ کا وصال ۱۸/ ذیقعدہ ۱۳۱۳ھ روز شنبہ انیسویں شب بوقت سحر ہوا۔ (مطابق ۲/ مئی ۱۸۹۶ء)

حضرت مولانا فضل مدظلہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت کی روح مبارک عالم بالا کی طرف پرواز کی حضرت سید عمر صاحبؒ نے فوراً بڑھ کر آپ کے چہرۂ مبارک پر دھاٹا باندھا۔ میں نے ممدوح سے دریافت کی کہ آپ نے اس میں اتنی عجلت کیوں کی؟ تو فرمایا کہ میں نے ابھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حضرت کو اپنے سینۂ بے کینہ سے لگا کر ارشاد فرمارہے ہیں کہ "ہم اپنے بچہ کو لیجاتے ہیں"۔ اس ارشاد مبارک سے مجھے حضرت کے وصال پاک کا یقین ہوگیا۔

۱۹/ ذیقعدہ روز یکشنبہ کی صبح میں تمام شہر میں شہرت ہوگئی، لوگ جوق در جوق دوڑے ہوئے آنے لگے، بلدہ کے تمام مشاہیر، علماء ومشائخین وعہدہ داران وغیرہ کا مجمع ہوگیا۔ ہر شخص

کی زبان پر یہی تھا کہ "آہ! آج ایسی فرد اٹھ گئی! کوئی کہتا کہ دکن کی بدقسمتی ہے کہ دکن سے ایسی لاجواب ہستی اُٹھ گئی"۔

حضرت محمد شاہ صاحب قبلہؒ نے فرمایا کہ "آج دکن کا آفتاب غروب ہوگیا"۔ مریدین و خویش اقارب تو خیر بہت سے اجنبی حضرات کہ ان کو نہ کبھی حضرت کی خدمت مبارک میں کسی نے حاضر ہوتا دیکھا نہ کبھی آپ کو ان کے پاس جاتے، لیکن ان کا بھی یہ حال تھا کہ پچھاڑیں کھاتے تھے اور کہتے تھے کہ "آہ آج کیسی ہستی کو ہم نے کھودیا"۔

تکفین پر بحث

حضرت مولانا فضل مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ آپ کے کفن سے متعلق بھی ایک بحث رہی۔ مفتی محبوب نواز الدولہ مرحوم کا اصرار تھا کہ حضرت کی اس آخری خدمت کی سعادت کا مجھے موقع دیا جائے۔ اِدھر حضرت کے برادران عزیز نے فرمایا کہ اولاً تو یہ حق حضرت کے صاحبزادوں کا ہے۔ اگر صاحبزادے اس حق سے دست بردار ہوتے ہیں تو پھر بلحاظ قربِ قرابت ہم کو یہ موقع ملنا چاہئے۔ جب اس بحث میں طوالت پیدا ہوئی تو بالآخر حضرت کے بڑے صاحبزادے حضرت سید عثمان حسینی صاحبؒ نے خود انتظام فرما کر اس کو ختم فرمایا۔

غسل و نماز و دفن

حضرت مکی میاں صاحبؒ نے حضرت کو غسل دینے کی سعادت حاصل کی اور جنازہ کو قاضی پورہ سے مکہ مسجد لے جایا گیا۔ مکہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھائی گئی۔ جنازہ کے ہمراہ ہزاروں کی تعداد تھی، نماز کے بعد پھر جنازہ قاضی پورہ لایا گیا اور بعد نماز ظہر اندرون احاطہ مسجد النور چبوترہ پر آپ اپنے والد ماجد کے بازو مدفون ہوئے۔

رنج و غم

یوں تو ہر گھر کے بڑے کا سایہ گھر والوں کے لئے یا مرشد کا سایہ مریدین کے لئے یا

سرپرست خاندان کا اہل خاندان کے لئے اللہ کی رحمت ہوتا ہے اور اس سایہ کے اُٹھ جانے کا غم ضرور ہوتا ہے لیکن حضرت کے وصال پر ایک عجیب کیفیت طاری تھی۔ ہر شخص کے قلب پر اس واقعہ کا اتنا صدمہ تھا کہ اب وہ آئندہ زندگی کو بے مزہ سمجھ رہا تھا اور چاہتا تھا کہ اگر اس سے ممکن ہو تو اس زندگی کی بیڑیوں کو آج ہی کاٹ ڈالے چنانچہ متعدد اصحاب نے ایسی پچھاڑیں کھائیں کہ بُری طرح زخمی ہو گئے، سر پھٹ گیا، خون میں نہا گئے۔

ان میں وہ جو حضرت سے نسبی تعلق رکھتے تھے یا غلامی کی نسبت تھی ان کے قلوب پر اگر صدمہ ہوا تو ہونا ہی چاہیئے تھا مگر حیرت اس کی تھی کہ بعض وہ حضرات جن کو حضرت سے نہ کوئی نسبی ہی واسطہ تھا نہ سلسلہ کا کوئی تعلق لیکن حضرت کے پردہ فرمانے کے بعد ان کے قلوب پر بھی ویسا ہی اثر تھا جیسا کہ ایک تعلق رکھنے والے کو ہونا چاہیئے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ نواب صفدر یار جنگ مرحوم سرکردہ پولیس بلدہ (جو حضرت مسکین شاہ صاحب قبلہؒ سے بیعت تھے) بیحد متاثر اور بُری طرح پچھاڑیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ "افسوس! کیا غفلت ہوئی، کیسی نعمت کو کھو دیا"۔

فاتحہ سیوم

حسب طریقہ مروجہ صبح میں مسجد النور قاضی پورہ میں فاتحہ سیوم ہوئی۔ اِسی روز بعد قرآن مجید آپ کے بڑے صاحب زادے حضرت سید عثمان حسینی صاحب قبلہؒ آپ کے جانشین ہوئے۔ تمام مریدین وخلفاء نے نذریں پیش کیں۔ پیش کشی نذور کا بھی عجیب پُر درد منظر تھا۔ مفتی محبوب نواز الدولہ مرحوم بازو کھڑے ہوئے ہر نذر پیش کرنے والے کا ہاتھ تھامے نذر آگے بڑھاتے اور نذر لینے کے بعد منہ کو دستی لگا کر روتے جاتے تھے۔ مفتی صاحب ممدوح کی اس کیفیت پر ساری محفل میں ایک غیر معمولی رقت طاری ہو رہی تھی۔ خصوصاً وہ منظر بھی عجیب دردانگیز تھا جب کہ حضرت کے برادر صاحبان نے نذریں پیش کیں۔ نذر لینے والے اور نذر دینے والے ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے آپے سے باہر تھے اور تمام محفل پر ایک عجیب رقت کی کیفیت طاری تھی سب سے پہلے حضرت احمد علی شاہ صاحبؒ نے آپ کے بعد دوسرے اور

حضرات نے نذر دی۔

حضرت مولانا فضل مدظلہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت سید عمر صاحبؒ نے نذر پیش کی تو نذر کے بعد صاجزادہ صاحب یعنے حضرت سید عثمان حسینی صاحب کو لپٹ کر روتے ہوئے یہ شعر پڑھا:

باپ کی بو باس اسی گل میں ہے　　　جزو میں بھی ہے وہی جو کل میں ہے

ممدوح کے اس شعر نے محفل میں ایک حشر برپا کردیا تھا۔اس طرح جانشینی کا اعلان ہوا۔ بروز فاتحہ سوم حضرت کے پاس کے طرز کے بموجب جو موافق سنت نبوی ہے تمام حاضرین کو کھانا کھلایا گیا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ کل تین پلہ کی پخت ہوئی تھی چونکہ لوگ کثرت سے جمع ہوئے تھے اس لئے حضرت کے ہرسہ برادر صاحبان کے مکانوں میں دستر خوان بچھادیئے گئے۔صبح آٹھ بجے سے مردانی کھانے کا جو سلسلہ بندھا تو بارہ بج گئے۔جب یہ سلسلہ منقطع ہوتا دکھائی نہ دیا تو بارہ بجے بعد حضرت سید شیخن احمد صاحب شطاریؒ نے دریافت فرمایا کہ اب کھانا کتنا باقی ہے؟ جواب دیا گیا کہ ابھی بہت ہے۔چونکہ اس وقت تک ہزاروں کی تعداد میں لوگ فارغ ہو چکے تھے۔باوجود اس کے کھانے کے بچے رہنے سے حضرت ممدوح بہت متاثر ہوئے اور حضرت کی مزار مبارک کی جانب دیکھ کر فرمایا کہ:

''آہ خواجہ میاں! تم کو کوئی سمجھ نہ سکا''

مادہ ہائے تاریخ وصال

آپ کے وصال پر آپ کے چھوٹے بھائی حضرت سید عمر صاحب قبلہؒ فرماتے ہیں کہ ''چراغ ہند'' /۱۲۶۳ سے آپ کی ولادت باسعادت کا سن نکلتا ہے۔اس لئے جب میں نے سن وصال پر غور کیا تو ''چراغ مدینہ'' ۱۳۱۳ سے سن وصال نکل آیا اور ایک ''قطعہ'' تاریخی بھی آپ نے بزبان فارسی فرمایا جس میں سن ولادت وسن وصال کے علاوہ حضرت کی عمر شریف بھی بتائی گئی ہے جو افکار غیب میں شائع ہو چکا ہے وھو ھذا۔

جناب پیر و شد حضرت خلق ۔ ۔ کہ فیضش بود از مہ تاباہی
''محبّ'' ''عمرش'' ''چراغ ہند'' ۱۲۶۳ میلاد سن وصلش بخواں ایدل چو خواہی
خلیق از بے سرِ آرام ۲ گفتہ زِدنیا رفت معشوقِ الٰہی ۱۳۱۳

اس مصرح تاریخ سے سر آرام یعنے دو عدد کے تخرجہ سے سنہ وصال نکلتا ہے۔آپ کے بڑے برادر نسبتی حضرت سید غلام غوث صاحب شطاری قبلہ ادیبؒ نے بزبان عربی ''قطعہ تاریخی'' فرمایا ہے جو حسب ذیل ہے۔

نبیہ سیدٌ مقبول حق وصدیقٌ باسم وھو صوفی
ولی اللہ مرشد طالبیہ ھوالمعروف بالخلق العطوفِ
بروحِ صارحیا قلت ارخاً علیہ رحمۃ الرب الروف ۱۳۱۳

چھوٹے برادر نسبتی حضرت سید شاہ محمد علی صاحب شطاری قبلہ اریبؒ بزبان فارسی قطعہ تاریخی فرمایا ہے جو حسب ذیل ہے:

عارف کامل و جناب خلق رہبر راہ دین زعالم رفت
سال رحلت اریبؔ گفت چنیں سید عارفین زعالم رفت ۱۳۱۳

آپ کی فاتحہ

یہاں اس امر کا اظہار بھی نامناسب نہ ہوگا کہ حضرت کو ریوڑی بہت پسند تھی چنانچہ حضرت قبلہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ اکثر جب کبھی میٹھا کھانا چاہتے تو چھوکرے کو آواز دے کر بلاتے اور پیسے دیکر فرماتے کہ ''اس کی ریوڑیاں لے آؤ'' جب ریوڑیاں آجاتیں تو خود بھی تناول فرماتے اور ہم کو بھی سرفراز فرماتے۔اسی وجہ آپ کی فاتحہ ریوڑیوں پر دلائی جاتی ہے۔

اسی طرح حضرت کو غذا میں کھچڑی کھٹا بہت مرغوب تھا چنانچہ حضرت قبلہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ وصال سے چند روز قبل آپ کی غذا صرف یہی تھی۔اسی خیال کے تحت آپ کی فاتحہ میں کھچڑی کھٹا بطور خاص رکھا جاتا ہے۔عرس شریف کے موقع پر بھی بروز صندل اس کے رکھے جانے کی یہی وجہ ہے۔

قبور پر پھول چڑھانے میں بھی چادر چڑھانے کو آپ ناپسند فرماتے تھے جیسا کہ ہم نے اخلاق و عادات کے باب میں ترک رسوم کے تحت تشریح کی ہے۔ کھلے پھول اور وہ بھی زیادہ مقدار میں چڑھانے کو آپ نے ناپسند فرمایا۔ حضرت قبلہ مدظلہ فرماتے ہیں کہ جب کبھی آپ بزرگان دین کی مزار پر فاتحہ کے لئے تشریف لے جاتے تو فرماتے کہ تھوڑے سے پیسوں کے پھول لے لو بقیہ پیسے خیرات کردو کہ اس میں اُس سے زیادہ ثواب ہے۔

اسی طرح آپ دسویں اور چہلم کے فواتح کو ناپسند فرمایا کرتے تھے۔ البتہ فاتحہ سوم کے روز کھانا کھلانے یا انتقال کے ساتویں روز یا مہینہ کی فاتحہ کا آپ نے حکم دیا اور خود بھی اس پر عمل فرمارہے۔ اسی وجہ دسواں، بیسواں، چہلم وغیرہ کے کھانے سے آپ کے فیض یافتہ خلفاء وغیرہ نے بھی احتراز فرمایا۔ چنانچہ حضرت سید عمر صاحب قبلہؒ و حضرت عثمان میاں صاحبؒ قبلہ نے کبھی ان فواتح کی دعوت میں شرکت کی نہ کھانا تناول فرمایا۔ بلکہ اس کو بدعتِ سیۂ خیال فرماتے رہے اور اکثر فرماتے تھے کہ اس کھانے سے دل کی نورانیت کم ہوجاتی ہے۔

حضرت کے محل میں

آپ کی شادی ۱۲۸۴ھ یا ۱۲۸۵ھ میں آپ کے والد ماجد علیہ الرحمہ کے سامنے ہی ہوئی۔ آپ کی بی بی کا اسم شریف "قمر النساءِ صفیہ" لیکن مریدین و معتقدین کا "پیرانی بی" پکارنا آپ کے فطری تقدس کے ساتھ ملکر کچھ ایسی عام قبولیت اس لفظ کو حاصل ہوئی کہ قرابت میں مریدین میں تمام لوگ "پیرانی بی" کے نام ہی سے جانتے اور پکارنے لگے۔ حتیٰ کہ جب پیرانی بی صاحبہؒ نے حضرت کے وصال کے بعد ۱۳۲۴ھ میں بغداد شریف کا سفر فرمایا تو وہاں بغداد شریف کے سب صاحبزادے صاحبزادیاں بھی "پیرانی بی" کے نام ہی سے یاد فرمایا کرتے تھے۔ اسی طرح جب پیرانی بی صاحبہ نے ہجرت کی نیت سے مدینہ طیبہ کا قصد فرمایا تو اہل مدینہ میں بھی اسی نام سے متعارف تھیں اور سب یہی پکارتے تھے، اب ہم چاہتے ہیں کہ ناظرین کرام کو بالاختصار کچھ آپ کے حالات سے بھی واقف کرائیں۔

حضرت پیرانی بی صاحبہ قبلہؒ کے والد ماجد حضرت شیخن احمد صاحب قبلہ شطاری قدس سرہٗ

تھے (جو خاندان شطاریہ کے بڑے مشہور و معروف بزرگ گزرے ہیں) جن کے علم و فضل زہد و تقویٰ سے بلدہ کا ہر فرد بشر بخوبی واقف ہے اور جن کو طبقۂ مشائخین میں امتیاز خاص حاصل تھا۔

آپ کی والدہ ماجدہ (یعنے محل اولیٰ حضرت شیخن احمد صاحب شطاری قبلہؒ) حضرت شاہ سعدو بنے صاحب علیہ الرحمہ کی صاحبزادی تھیں حضرت شاہ سعدو بنے صاحب قبلہؒ بھی خاندان شطاریہ ہی کے ممتاز بزرگ گزرے ہیں آپ کا کوٹلہ اب تک مشہور ہے آپ کا مزار مبارک بیرون دروازہ دبیر پورہ واقع ہے۔

حضرت پیرانی صاحبہ کے اخلاق بے حد وسیع تھے ہر ایک کے ساتھ محبت سے پیش آتیں۔قرابت کا بیحد خیال رکھتیں۔آپ اپنے علاتی بھائی بہنوں کے ساتھ ایسی محبت و اُلفت کے ساتھ گزاریں کہ دیکھنے والوں کو کبھی یہ محسوس نہ ہوا کہ ان میں حقیقی کون ہیں اور علاتی کون؟ اسی طرح شادی کے بعد آپ نے اپنے چھوٹے دیوروں اور نند کے ساتھ ایسا طرز عمل رکھا کہ جیسے اپنے حقیقی بھائیوں بہنوں میں ہوتا ہے بالخصوص اپنے دونوں چھوٹے دیور یعنے حضرت مکی میاں صاحب قبلہ و حضرت سید عمر صاحب قبلہ علیہما الرحمہ جو کمسن ہی تھے کہ ان کی والدہ ماجدہ نے جب انتقال فرمایا تو یہ ہر دو آپ کی نگرانی میں رہے۔آپ نے ان کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کیا جیسا کہ ایک حقیقی والدہ اپنے بچوں کے ساتھ کر سکتی ہے۔ہر وقت ان کا خیال رکھتیں ان کو کسی قسم کی کوئی معمولی تکلیف بھی نہ ہونے دیتی تھیں۔یہ دونوں بزرگوار بھی آپ کا ادب و احترام ماں سے بڑھ کر کرتے تھے اور اپنی والدہ کا قائم مقام تصور فرماتے رہے۔

مریدین کے ساتھ بھی آپ کا خاص طرز تھا۔تمام پیر بہنیں آپ پر فدا رہتی تھیں اور آپ ان کا بیحد خیال رکھتیں۔خود اپنے آپ پر ہر طرح کی مصیبتیں اُٹھائیں مگر پیر بہنوں کو آرام پہنچانے کا خیال ہمیشہ پیش نظر رہتا۔بالخصوص بوڑھوں کا بہت خیال رکھتیں۔بیان کیا جاتا ہے کہ گھریلو کاروبار میں آپ ہمیشہ برابر کا حصہ لیتی تھیں۔بالخصوص ضعیف پیر بہنوں کے کاروبار میں شریک ہو جاتیں اور ان کی امداد کرتیں۔ان کے کھانے پینے کا خیال اس طرح رکھتیں کہ خود رات کا باسی کھانا کھالتیں مگر اُن کو گرم کھلاتیں۔اگر کبھی کوئی توجہ بھی دلاتا تو فرماتی تھیں کہ وہ

ضعیف و ناتوان ہیں اس لئے اس وقت ضرورت ہے کہ ان کے ہاتھ پاؤں میں قوت رہے بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا کہ آپ حجرہ میں جا کر اندر ہی سے ان کے لئے گرم کھچڑی اور اس پر مسکہ کا گھی ڈال کر اوپر سے ایک رکابی ڈھانک کر سب کی نظر بچا کر ان کو دیدیتیں تا کہ دوسروں کو اس کی اطلاع نہ ہو۔ دس پانچ ایسی ضعیف عورتیں اکثر آپ کے پاس رہا کرتی تھیں۔

یہی حال آپ کے جود و سخا کا بھی تھا کہ جو کوئی غریب عورت خواہ مرید ہو یا نہ ہو اپنے مصائب و تکالیف کا دکھڑا روتی تو آپ اس کی ممکنہ امداد فرماتیں اور جس کسی کو کچھ دیتیں اس طرح دیتیں کہ دوسرے کو اس کی خبر بھی نہ ہونے پاتی چنانچہ بہتوں کو برتن وملبوس وزیور وغیرہ آپ نے اس طرح دیا کہ رات دن آپ کی خدمت میں رہنے والے بھی اس سے واقف نہ ہو سکے۔

کہتے ہیں کہ اکثر چہلم ومیت کے موقع پر بغرض ایصال ثواب جو سامان قدیم طریقہ کے موافق بھیجا جاتا تھا، اس کو آپ ہمیشہ ایسے ہی امدادی کاموں میں صرف کیا کرتی تھیں۔

آپ کو زہد و تقویٰ کا بہت خیال رہتا تھا۔ صوم وصلوٰۃ کی شدت سے پابند تھیں اور ہر نماز باجماعت ادا فرماتیں۔ چونکہ مکان مسجد سے بالکل متصل واقع تھا اس لئے جہاں مسجد میں اقامت شروع ہوئی کہ آپ فوراً مصلیٰ لے کر کھڑی ہو جاتیں خواہ ہاتھ پر کیسا ہی کام کیوں نہ ہو، آپ کسی سے مصروف گفتگو ہی کیوں نہ ہوں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کی یہ پابندی اوائل عمری ہی سے تھی۔ جس زمانہ میں آپ اپنے بچوں کو دودھ پلایا کرتی تھیں۔ اگر کبھی ایسا اتفاق ہوتا کہ آپ دودھ پلاتی رہتیں اور اِدھر مسجد میں نماز کی جماعت ہوتی آپ بچہ کو فوراً نیچے لٹا کر مصروف نماز ہو جاتیں۔ بعض وقت بچہ ضد بھی کرتا تو اس کی کوئی پرواہ نہ کرتی تھیں۔ اگر توجہ بھی دلائی جاتی تو فرماتیں کہ اس وقت بچہ کو شیطان ستا رہا ہے تا کہ میری جماعت فوت ہو جائے۔ ہمیشہ اپنے لباس کو پاک صاف رکھا کرتیں۔ اگر کبھی چھوٹے بچوں کو گود میں لینا ہوتا تو بڑی احتیاط سے لیا کرتیں تا کہ پیشاب وغیرہ سے لباس خراب نہ ہو۔ آپ نہ صرف پنج وقتہ نماز کی پابند تھیں بلکہ نماز تہجد کی بھی شدت سے پابند تھیں۔ کہتے ہیں کہ عرسوں اور یازدہم و دوازدہم کی مجلسوں کے زمانہ میں بعض دفعہ ایسا

بھی ہوا کہ گھر کے کاروبار میں جو آپ صبح سے مصروف ہوتیں تو رات میں آرام فرمانے تک آدھی رات ہوگئی لیکن باوجود اس کے بھی آپ حسب عادت تین بجے رات سے بیدار ہوگئیں اور نماز تہجد کی قضاء نہ ہونے پائی۔ آپ نے چار مرتبہ حج کیا اور حرمین شریفین کی زیارت کے لئے پہلی دفعہ حضرت کے ہمراہ تشریف لے گئی تھیں۔ دوسری مرتبہ حضرت کے وصال کے بعد ہجرت کی نیت سے آپ نے قصد فرمایا تھا جبکہ آپ کے دو صاحبزادے اور ایک صاحبزادی بہت کمسن تھے آپ ہی کے ہمراہ گئے تھے۔ ایک سال تک مدینہ طیبہ میں قیام رہا لیکن اعزاو اقرباء کے اصرار پر کہ بچوں کی شادیوں کے فریضہ سے سبکدوش ہوکر آپ ہجرت کا ارادہ فرمائیں تو مناسب ہوگا۔ آپ نے یہ مشورہ قبول فرمالیا اور دوسرا حج ادا کر کے واپس آگئیں۔ مراجعت کے بعد تمام بچوں کی شادی سے سبکدوش ہوکر پھر ہجرت کی نیت سے حرمین شریفین کا قصد کیا تو فریضۂ حج ادا کرتے ہوئے مدینہ طیبہ تشریف لے گئیں۔ اس کے بعد پھر واپسی نہ ہوئی۔ کہتے ہیں کہ مدینہ طیبہ کے زمانہ قیام میں آپ کی ہر نماز حرم شریف میں باجماعت ادا ہوتی تھی۔ روزانہ تہجد کے وقت سے جو حرم شریف میں حاضر رہتی تھیں تو اشراق کے بعد قیامگاہ کو واپس ہوتیں اس طرح مغرب سے عشاء تک کا وقت بھی حرم شریف میں گزرتا۔ آپ کے زہد وتقویٰ کی وجہ اہل مدینہ بھی آپ کا احترام کرتے اور آپ کی خدمت گذاری باعث سعادت تصور کرتے تھے۔ آخر زمانہ میں جب کہ کچھ کبرسنی کی وجہ سے اور کچھ صدمات سے چلنے پھرنے سے بالکل عاجز ہوگئی تھیں بالخصوص آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت سید عثمان حسینی صاحب قبلہ قدس سرہٗ کے انتقال کی اطلاع کے بعد تو آپ بالکل فریش ہوگئیں۔ حرم شریف کی حاضری نہ ہونے لگی۔ روتے روتے بصارت بھی جاتی رہی لیکن اس حال میں بھی کبھی نماز قضاء نہ ہوئی، جب اُٹھنا بیٹھنا بھی نہ ہوسکتا تو لیٹے لیٹے ہی نماز ادا فرماتی تھیں۔ بصارت چلی جانے کی وجہ جب وقت معلوم نہ ہونے لگا تو ہر تھوڑی دیر کے بعد نماز کے متعلق دریافت کرلیا کرتیں کہ کیا نماز کا وقت ہوگیا؟

علالت جب بڑھ گئی اور کبھی بحالت ہوش اور کبھی بے ہوش رہنے لگیں تو عالم غشی میں بار

باریہی ہوتا کہ تیمم کرتیں اور نماز کی رکعت باندھ لیتیں۔ چنانچہ اسی طرح حالت نماز میں ۱۷ر جمادی الاولیٰ ۱۳۳۲ھ کو آپ واصل بحق ہوئیں اور جنت البقیع میں تدفین عمل میں آئی۔ اِنّـا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْن۔

آپ کا مزار اہل بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین کی دیوار سے متصل ہے یعنے آپ کے مزار اور حضرت سیدۃ النساء العالمین رضی اللہ عنہما کے مزار مبارک کے درمیان صرف ایک دیوار حائل ہے۔

حضرت کی تمام اولاد آپ ہی کے بطن سے ہے جس کی تفصیل حضرت کی اولاد کے باب میں کی گئی ہے۔

O-O-O

حضرت کی اولاد

حضرت کی تمام اولاد ایک ہی بی بی سے ہے۔ صاجزادے و صاجزادیاں بہت کثیر تعداد میں ہوئے لیکن اکثر کمسنی ہی میں انتقال کر گئے۔ جس وقت حضرت خواجہ محبوب اللہ قدس سرہٗ العزیز نے اس عالم سے پردہ فرمایا اُس وقت آپ کی اولاد میں صرف تین صاجزادے اور ایک صاجزادی تھیں۔ سب میں بڑے حضرت سید عثمان حسینی صاحب قبلہ قدس سرہٗ تھے (جن کی عمر چوبیس یا پچیس سال کی ہوگی) آپ کے بعد آپ کے جانشین ہوئے۔ حضرت ممدوح کے مختصر حالات ضمیمہ حیات کے نام سے اس کے ساتھ ہی علیحدہ پیش کئے گئے ہیں۔

حضرت قبلہ سید شاہ محمد یحیٰی صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی

دوسرے صاجزادے حضرت قبلہ گاہ سید شاہ محمد یحیٰی حسینی صاحب قبلہ مدظلہ العالے ہیں۔ آپ کی عمر حضرت کے وصال کے وقت دس سال کی تھی۔ حضرت خواجہ محبوب اللہ قدس سرہٗ آپ سے بہت محبت فرماتے تھے۔ رات دن آپ حضرت کے ہی پاس رہتے تھے۔ حضرت مولانا حسرت مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ بعض پیر بھائیوں نے جب حضرت سے یہ شکایت کی کہ آپ کا تصور قائم نہیں ہو رہا ہے تو حضرت نے فرمایا کہ یحیٰی کا تصور جماؤ۔ جب ان پیر بھائیوں نے تعمیل حکم میں آپ کا تصور جمایا تو حضرت کا تصور قائم ہو گیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ بعض اوقات حضرت نے ارشاد فرمایا کہ یحیٰی اور میں ایک نیام کے دو تلواریں ہیں۔

ان ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت میں اور آپ میں جدائی نہیں ''من تو شدم تو من شدی'' کے مدارج سے گزر کر ''تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری'' کا ظہور ہے۔

حضرت کے وصال کے وقت چونکہ آپ بہت کمسن تھے۔ اس لئے آپ کی تمام تعلیم و تربیت آپ کے برادر معظم حضرت سید عثمان حسینی صاحب قبلہ قدس سرہٗ کی زیر نگرانی ہوئی۔

آپ بیعت تو اپنے والد ماجد ہی سے ہیں اور خلافت برادر معظمؒ سے پائی۔ مگر شجرہ میں آپ نے اپنا سلسلہ اپنے برادر معظمؒ ہی سے جاری رکھا ہے۔

ایک دفعہ ایک صاحب نے استفسار کیا کہ جب آپ بیعت اپنے والد ماجد سے ہیں تو پھر شجرہ میں آپ نے اپنا سلسلہ اپنے بڑے بھائی صاحبؒ سے کیوں قائم کیا حالانکہ شجرہ سلسلہ بیعت کا ہے نہ کہ خلافت کا؟ آپ نے فرمایا کہ گو مجھے بیعت حضرت خواجہ محبوب اللہ قدس سرہٗ سے ہے مگر حضرت کے زمانہ میں میں بیحد کمسن تھا اور یہ بیعت بھی حضرت کے وصال سے چند روز قبل ہوئی اسلئے مجھے حضرت سے تعلیم پانے کا موقع نہ مل سکا۔ اب جو کچھ بھی میں نے تکمیل کی وہ سب اپنے برادر معظمؒ ہی سے کی۔ یہ میرا عمل قصہ طلب ہے۔ فرمایا۔ ایک دفعہ میں حضرت برادر معظم کے ہمراہ تھا۔ اثناء راہ میں آپ نے ایک عام بحث چھیڑی کہ وہ لوگ جو حضرت قبلہ سے بیعت ہیں لیکن تعلیم و تربیت مجھ سے پائی ہے ان کو چاہئے کہ وہ مجھ سے تجدید بیعت کریں، اس پر میں نے عرض کی کہ اس کی کیا ضرورت ہے؟ جبکہ ہم آپ کو اور حضرت کو جدا نہیں سمجھتے تو آپ نے فرمایا کہ جب جدا نہیں سمجھتے تو تجدید میں رکاوٹ کیا ہے؟ میں نے عرض کی کہ بیعت ایک مرتبہ کی جاتی ہے نہ کہ بار بار۔ اس لئے تجدید بے موقع معلوم ہوتی ہے۔ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ دیکھو! بات یہ ہے کہ وہ لوگ جن کے ساتھ ہم نے محنت کی، ان کے لئے ہر طرح کی تکلیف برداشت کی، ان کی تعلیم و تربیت کی ان کو قابل بنایا، اب وہ مرید کریں تو اپنا سلسلہ حضرت ہی سے قائم رکھیں گے اور ہمارا نام نہ ہو تو کیا یہ صحیح طرز عمل ہوگا؟ اس پر میں خاموش ہوگیا۔

جس وقت حضرت برادر معظم قدس سرہٗ نے بہ نیت ہجرت ارض مقدس حجاز کا ارادہ فرمایا تو مجھے خیال ہوا کہ میں نے حضرت کے حکم کی تعمیل نہیں کی۔ اگر میرے اس عمل سے حضرت خواجہ محبوب اللہ قدس سرہٗ ناراض ہوجائیں تو میرے لئے ہر طرح کے نقصان کا باعث ہوگا، ادھر حضرت خواجہ محبوب اللہ قدس سرہٗ سے اپنے راست واسطہ کے توڑنے کو بھی جی نہ چاہتا تھا۔ بہر حال جب حضرت برادر معظم قدس سرہٗ جہاز پر سوار ہو چکے اور سب کو خدا حافظ فرمایا تو میں

نے اس واقعہ کو یاد دلا کر عدم تعمیل حکم کی معافی مانگی جس کے جواب میں حضرت ممدوح نے فرمایا کہ خیر مضائقہ نہیں مگر شجرہ میں سلسلہ مجھ سے قائم رکھو تو بس ہے۔اس حکم کی تعمیل میں میں نے اپنا سلسلہ حضرت سے ہی قائم رکھا ہے۔

یہ واقعہ اس وقت کا ہے جبکہ حضرت کے صاحبزادے موجود تھے۔مکہ معظّمہ تشریف لے جانے کے بعد جب صاحبزادہ کا بھی انتقال ہو گیا اور حضرت کی کوئی نرینہ اولاد باقی ہی نہ رہی اس وقت محسوس ہوا کہ حضرت کا اصرار غالباً اِسی بناء پر تھا۔

حضرت قبلہ مدظلہ نے ارض مقدس حجاز کے دو سفر کئے۔ پہلا سفر اوائل عمری میں اپنے والد ماجد قدس سرہٗ کے وصال کے تھوڑے عرصہ بعد بھی والدہ ماجدہ کے ہمراہ ہوا۔چونکہ والدہ ماجدہ نے بہ نیت ہجرت ارض مقدس حجاز کا ارادہ فرمایا تھا اس لئے عرصہ تک مدینہ طیبہ ہی میں قیام رہا۔ابتدائی تعلیم ارض مقدس حجاز میں ہوئی جس کی وجہ سے عربی زبان میں گفتگو بے تکلف فرماتے ہیں۔چنانچہ حضرت قبلہ مدظلہٗ فرماتے ہیں ارض مقدس حجاز سے واپسی کے تھوڑے ہی عرصہ بعد جب برادر معظم سید عثمان حسینی صاحب قبلہؒ کے ہمراہ بغرض زیارت بغداد شریف کی حاضری کا موقع ہوا تو بغداد شریف کے لوگ مجھے مدنی سمجھنے لگے۔وہاں کے بعض اصحاب نے مجھ سے پوچھا کہ کیا آپ اہل مدینہ سے ہیں تو میں نے جواب دیا کہ نہیں! میں حیدرآبادی ہوں۔میرے اس جواب پر ان کو یقین نہ آیا اور اُنھوں نے کہا کہ نہیں، ایسا نہ کہئے آپ کی زبان کہتی ہے کہ آپ اہل مدینہ سے ہیں۔آپ نے دوسرا سفر ارض مقدس حجاز ۱۳۳۱ھ میں فرمایا جب کہ حضرت سید عثمان حسینی صاحب قبلہ مدینہ طیبہ ہی میں تشریف فرما تھے۔

حضرت قبلہ کی ابتدائی تعلیم جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے ارض مقدس حجاز میں ہوئی۔من بعد مدرسہ دارالعلوم سرکار عالی میں۔اور اپنے عم محترم حضرت سید عمر صاحب قبلہ قدس سرہٗ اور برادر مکرم حضرت مولانا عبدالقدیر صاحب صدیقی سے آپ نے تکمیل فرمائی۔

فن تجوید میں بھی حضرت کو حضرت سید عمر صاحب قبلہ سے تلمذ حاصل ہے۔یعنے آپ کا یہ سلسلہ امام القراء قاری تونسی علیہ الرحمہ سے ملتا ہے۔بعض مجالس میں امام القراء نے آپ کی

قراءت سماعت فرما کر اظہار خوشنودی فرمایا ہے۔

خوش نویسی وخطاطی میں نسخ و نستعلیق ہر دو سے واقف ہیں ۔اس فن میں حضرت کو مولوی ہاشم علی صاحب وحضرت سید عمر صاحب قبلہ قدس سرہٗ سے تلمذ حاصل ہے۔فن شاعری سے بھی خاص دلچسپی رکھتے ہیں۔ ابتداء میں اپنا کلام اپنے برادر معظم حضرت سید عثمان حسینی صاحب فائق قدس سرہٗ کو دکھاتے رہے۔آپ کے بعد امام الفن استاد جلیل و امام الکلام پہلوان سخن استاد ثاقب بدایونی کو دکھاتے رہے۔حاذق تخلص فرماتے ہیں۔آپ کا منتخب کلام جمع کیا گیا ہے۔انشاء اللہ المستعان قریب میں شائع کرنے کی سعادت حاصل کی جائے گی۔

خدمت خلق کے لئے حضرت قبلہ نے اپنی زندگی وقف فرمادی ہے صدہا حاجت مند بلا لحاظ مذہب وملت اس در فیض پر حاضر ہوتے اور گل مقصود سے اپنا دامن بھر کر لے جاتے ہیں۔ روحانی وآسیبی معالجات کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے۔ ہر ایک کے ساتھ ہمدردی فرماتے اور ان کے دُکھ درد میں شریک ہوتے ہیں۔نام ونمود سے سخت تنفر ہے۔امراء وعہدہ داروں سے زیادہ میل جول قطعاً پسند نہیں، ان کے پاس کی دعوتوں میں بھی اکثر تشریف نہیں لے جاتے۔ سرکاری دعوت نامے بھی برابر آتے ہیں۔مگر آپ نے بجز ایک مرتبہ کے کبھی شرکت نہیں فرمائی۔ بہر حال معالجات، حالات، کیفیات میں وہی حضرت خواجہ محبوب اللہ کی شان نمایاں ہے:

یہ جو صورت ہے تری صورت جاناں ہے یہی　　یہی نقشہ ہے یہی رنگ ہے ساماں ہے یہی

حضرت سید عثمان حسینی صاحب قبلہؒ کے بعد آپ ہی جانشین وصاحب سجادہ ہوئے۔اس وقت تمام خاندان میں آپ بزرگ سمجھے جاتے اور سب آپ کا احترام کرتے ہیں۔حضرت کے چار صاحبزادے ایک صاحبزادی ہیں جس کی تفصیل مختصر شجرۂ خاندان سے معلوم کی جاسکتی ہے۔

حضرت سید شاہ محمد باقر حسینی صاحب قبلہ قادری مدظلہ العالی

تیسرے صاحبزادے حضرت حکیم سید شاہ محمد باقر حسینی صاحب قادری مدظلہ ہیں۔ حضرت خواجہ محبوب اللہ قدس سرہٗ کے وصال کے وقت آپ کی عمر آٹھ سال کی تھی۔آپ کی بھی تمام تعلیم وتربیت آپ کے برادر معظم حضرت سید عثمان حسینی صاحب قبلہؒ کی زیر نگرانی ہوئی۔

آپ بیعت اپنے والد ماجد قدس سرہٗ ہی سے ہیں۔

آپ نے اوائل عمر میں اپنے والدہ ماجدہ کے ہمراہ حج وزیارت کا شرف حاصل فرمایا۔ اس وقت چونکہ والدہ محترمہ نے ہجرت کی نیت سے قصد حرمین شریفین فرمایا تھا۔ اس لئے عرصہ تک ارض مقدس مدینہ طیبہ میں مقیم رہے۔ بزمانۂ قیام آپ کی ابتدائی تعلیم بھی وہیں ہوئی۔ وہاں سے واپسی کے بعد مدرسہ دارالعلوم سرکار عالی میں اور عم مکرم حضرت سید عمر صاحب قبلہ قدس سرہ اور برادر وخسر حضرت محمد عبدالقدیر صاحب صدیقی سے آپ نے تکمیل فرمائی۔ آپ کو فن تاریخ سے خاص لگاؤ ہے اور تاریخی معلومات بہت زیادہ رکھتے ہیں۔ جدید عربی سے بھی خوب واقف ہیں۔ رسالۂ النور ماہوار عرصہ تک آپ کے ہی زیر ادارت نکلتا تھا۔ اس زمانہ میں اکثر بیرونی عربی اخبارات کا ترجمہ آپ خود ہی فرماتے تھے۔

طبیعت میں عزلت پسندی بہت ہے۔ عام مجالس وغیرہ میں شرکت، عہدہ داروں سے میل جول زیادہ پسند نہیں۔ نام ونمود کے کاموں سے احتیاط فرماتے اور گوشہ نشینی ہی میں زندگی بسر فرمانا چاہتے ہیں۔ آسیبی معالجات میں بھی ید طولی حاصل ہے۔ آپ کے پاس بھی کثرت سے لوگ رجوع ہوتے اور فیض یاب ہوتے ہیں۔

آپ فن طب سے بھی واقف ہیں۔ طب کی تکمیل آپ نے حکیم ہری گوبند آنجہانی سے کی۔ علاوہ طب یونانی کے آیورویدک علاج سے بھی واقف ہیں۔ اکثر آپ کے معالجات کامیاب بھی رہے۔ اچھے طبیب سمجھے جاتے ہیں۔ فن شاعری سے بھی لگاؤ ہے۔ طارقؔ تخلص فرماتے ہیں۔ اس فن میں آپ کو امام الکلام پہلوان سخن استاد ثاقبؔ بدایونی سے تلمذ حاصل ہے۔ آپ سے سلسلہ بیعت بھی جاری ہے۔

اس وقت آپ کے ایک صاحبزادے اور ایک صاحبزادی ہیں جس کی تفصیل مختصر شجرۂ خاندانی سے معلوم ہوگی۔

حضرت امۃ اللہ بیگم صاحبہ مرحومہ

ایک صاحب زادی امۃ اللہ بیگم صاحبہ (جن کی عمر حضرت خواجہ محبوب اللہ قدس سرہٗ کے

وصال کے وقت تخمیناً چار سال کی ہوگی) تھیں۔ آپ کی تمام تعلیم وتربیت والدۂ ماجدہ و برادر مدظلہم حضرت سید عثمان حسینی صاحب قبلہ کے زیر نگرانی ہوئی۔ حضرت مولانا عبدالقدیر صاحب صدیقی کے بڑے صاحبزادے حضرت قاری عبدالعزیز صاحب صدیقیؒ سے صاحبزادی صاحب منسوب ہوئی تھیں لیکن شادی کے چار ماہ بعد ہی ۱۴/ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ کو بعارضہ طاعون اس دار فانی سے رحلت فرمائی۔

(آپ سے کوئی اولاد وغیرہ نہیں ہے۔)

O-O-O

حضرت کے خلفاء

اب ہم چاہتے ہیں کہ ناظرین کرام کو حضرت کے خلفاء سے بھی واقف کرائیں جن سے حضرت کا فیض جاری ہے کیونکہ ۔ ع

اسی دریا سے یہ نہریں ہوئیں جاری ساری

تا کہ معلوم ہو سکے کہ حضرت کے نور تربیت سے کس طرح یہ حضرات مالا مال ہو کر آفتاب کی طرح چمک اُٹھے کہ آج ان میں کے ہر ایک کو فلک معرفت کا آفتاب کہا جائے تو وہ اس کے مستحق ہیں۔ حضرت کے حالات دیکھنے سے یہ اندازہ ضرور ملا ہوگا کہ حضرت نے ہمیشہ اپنے کو گوشۂ گمنامی میں رکھنا چاہا، کسی کی مدحت سرائی پسند نہ کی، تعظیم و توقیر سے منع فرمایا، خود کو ایک معمولی حیثیت سے زیادہ ظاہر ہونے نہ دیا، اپنے کو چھپانے کی انتہائی کوشش فرمائی، باوجود اس کے قدرت نے آپ کو اسی طرح اُجاگر کیا، آپ کے نام کا دنیا میں ڈنکہ بجادیا، آپ کی تعظیم و توقیر کا سکہ جمادیا، اس وقت نہ صرف دکن بلکہ دنیا پر آپ کے نام لیواؤں کے نام کا سکہ جما ہوا ہے:

جہاں میں دیکھو گھر گھر ہے دہائی میرے خواجہ کی
خدا بھی میرے خواجہ کا خدائی میرے خواجہ کی

حضرت کے دیکھنے والے، آپ کا نام لینے والے، اس وقت نہ صرف دکن و ہند بلکہ شام، فلسطین، حجاز ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں، دنیا میں آپ کے فیض کا دریا بہہ رہا ہے۔

حضرت کا رنگ خاص یعنے تحت امر رہنا، استغناء، اور لومۃ لائم کی پروانہ کرنا آپ کے تمام مریدوں میں کم وبیش برابر جلوہ گر ہے۔

حضرت کے ہر ایک مرید میں عقیدت کی، جو ایمان کا جزو ہے، وہ کیفیت ہے کہ دوسروں میں بمشکل دکھائی دیتی ہے۔

حضرت کے خلفاء کے حالات و واقعات اگر جمع کئے جائیں تو ہر ایک کے لئے ایک مستقل کتاب چاہئے یہاں اتنی گنجائش تو نہیں کہ ہم اس قدر تفصیل کے ساتھ ان کے حالات پیش کر سکیں۔ البتہ بالاختصار ناظرین کو صرف یہ معلوم کرا دینا چاہتے ہیں کہ اس دریا سے کون کونسی نہریں جاری ہوئیں اور بس۔

حضرت کے خلفاء میں ایک آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت سید شاہ عثمان حسینی صاحب قبلہ قدس سرہٗ ہیں جن کے حالات حسب صراحت صدر علیحدہ پیش کئے جا رہے ہیں۔

۲۔ حضرت سید احمد علی شاہ صاحب قبلہ قدس سرہٗ

آپ حضرت کے منجھلے برادر ہیں۔ آپ کو بیعت و خلافت حضرت ہی سے حاصل تھی۔ تمام تعلیم و تربیت ظاہری و باطنی حضرت ہی سے ہوئی۔ آپ کو ابتداء ہی سے فنون سپہ گری سے خاص دلچسپی تھی، اس لئے طبیعت میں فطرۃً سپاہیانہ جوش تھا۔ خداداد قوت کے حامل تھے۔ اس لئے جسمانی قوت کے ساتھ روحانی قوت مل کر دو آتشہ کی صورت اختیار کر لی تھی۔ آپ کی ضعیفی کے زمانہ میں بھی جب کبھی آپ پر وجدانی کیفیت طاری ہوتی تو کوئی شخص آپ کو سنبھال نہ سکتا تھا۔

طبیعت میں سادگی بہت تھی، محبت کا رنگ زیادہ غالب تھا۔ عہدیداران سے زیادہ میل جول کو پسند نہ فرماتے تھے۔ اگر کوئی بات ناگوار خاطر گزرتی تو خواہ کوئی کیسی ہی شخصیت کا حامل کیوں نہ ہو فوراً اس کو ٹوک دیتے تھے۔

آپ کے کشف و کرامات کے بہت سے واقعات مشہور ہیں۔ آپ کے مریدین بھی بکثرت تھے۔ ۲۵ ربیع الثانی ۱۳۳۲ھ کو آپ واصل بحق ہوئے۔ آپ کا مزار اولیاء باغ سے متصل گنبد شریف حضرت مولانا میر شجاع الدین صاحب قبلہ قدس سرہٗ واقع ہے۔ آپ کے بعد آپ کے چھوٹے نبیرے مولوی سید شاہ مسیح الدین صاحب قادری صاحبزادۂ حضرت شائق علیہ الرحمہ آپ کے جانشین ہوئے۔

۳۔ حضرت سید شاہ محمود مکی صاحب قدس سرہٗ

آپ حضرت کے منجھلے برادر ہیں۔ آپ کو بیعت وخلافت حضرت ہی سے تھی۔ تمام تعلیم وتربیت ظاہری و باطنی آپ نے بھی حضرت ہی سے پائی۔ آپ میں بھی استغنائی کیفیت تھی۔ اہل دنیا سے میل جول ناپسند تھا۔ تکلفات سے تنفر تھا اور طبیعت میں سادگی کے ساتھ وضعداری بہت تھی۔ جس کام کی آپ نے ابتداء فرمائی اس کو آخر تک اسی طرح انجام دینے کی کوشش فرماتے رہے۔ آپ نے حضرت کی خدمت بہت کی، اکثر حضرت کے کاروبار آپ ہی سے متعلق رہتے تھے۔ آپ کی قلبی کیفیت بھی بہت ممتاز تھی۔ اکثر مجالس میں آپ نظر کے اثر سے کام لیا کرتے تھے۔ آپ کے بھی کشف وکرامات کے بہت سے واقعات مشہور ہیں۔

آپ کو آسیبی معالجات میں بھی ید طولیٰ حاصل تھا۔ صدہا حاجتمند آپ کے پاس رجوع ہوتے اور فیض یاب ہوتے تھے جس کی وجہ آپ کی اتنی شہرت ہوئی کہ محلہ آپ ہی کے نام یعنے ''کوچہ مکی میاں'' سے موسوم ہے۔

آپ کے مریدین بھی بکثرت تھے۔ ۵؍محرم الحرام ۱۳۳۸ھ کو آپ واصل بحق ہوئے۔ آپ کا مزار حسینی ٹیکری پر نزد کشن باغ واقع ہے۔ آپ کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت سید شاہ محمد مسعود صاحب قادری مدظلہ آپ کے جانشین مقرر ہوئے۔

۴۔ حضرت سید شاہ محمد عمر صاحب قبلہ قدس سرہٗ

آپ حضرت کے چھوٹے برادر ہیں۔ آپ کو بھی بیعت وخلافت حضرت ہی سے ہے۔ تمام تعلیم وتربیت حضرت کے ہی زیر نگرانی ہوئی۔ آپ بڑے متبحر عالم وفقیہ تھے۔ متعدد کتابیں تصنیف فرمائیں۔ قرآن مجید کی تفسیر موسوم بہ تفسیر قادری بزبان اُردو آپ نے تحریر فرمائی ہے جو پچھلے پندرہ پارہ تک طبع بھی ہو چکی ہے۔ علاوہ ازیں فرائض وتصوف وغیرہ میں متعدد رسائل آپ نے تحریر فرمائے ہیں۔ آپ کے اخلاق بیحد وسیع تھے ہر ایک کے ساتھ ہمدردی کرتے، ان کے بُرے وقت کام آتے، اہل قرابت واہل محلہ کے ساتھ حسن سلوک دوست احباب

مریدین کی خبر گیری فرماتے ۔ خدمت خلق کا ہمیشہ خیال پیش نظر رہتا تھا۔

آپ کے وعظ بھی بہت خاص و پُر اثر ہوتے تھے ۔ جس کسی کو آپ کی محفل وعظ میں شرکت کا موقع ملتا وہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا۔ ہزاروں اصحاب تائب ہوکر صوم وصلوٰۃ کے پابند ہوگئے ۔ آپ کے وعظ کے متعلق عام طور پر مشہور ہے کہ جو شخص دل میں خیال کر کے جاتا کہ فلاں مسئلہ کے متعلق حضرت سے پوچھنا چاہئے تو آپ اپنے وعظ میں اس کی صراحت فرمادیا کرتے تھے۔

طبیعت میں استغناء بہت تھا، مہاراجہ کشن پرشاد مدارالمہام نے ملنے کی تمنا کی تو آپ نے انھیں اس کی اجازت نہ دی اور جواب میں للسلام و لا کلام فرمایا۔ آپ کے بھی کشف و کرامات کے بہت سے واقعات مشہور ہیں۔ آپ کے مریدین و معتقدین ہزاروں کی تعداد میں ہیں ۔ ۱۹ر صفر ۱۳۳۰ھ کو بعارضۂ طاعون آپ واصل بحق ہوئے ۔ آپ کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت سید محمد بادشاہ حسینی صاحب قادری آپ کے جانشین ہوئے۔

آپ کا مزار قادری چمن میں نزد فلک نما واقع ہے۔

۵۔ حضرت شاہ محمد عبدالقدیر صاحب صدیقی حسرتؔ مدظلہٗ

آپ حضرت کے حقیقی بڑے بھانجے ہیں ۔ بیعت وخلافت حضرت ہی سے ہے ۔ متبحر عالم ہیں ۔ ایک عرصہ تک عثمانیہ یونیورسٹی میں بحیثیت صدر شعبہ دینیات رہے ۔ آپ نے تفسیر، حدیث وفقہ کی تعلیم دی ۔ علاوہ ازیں گھر پر بھی تشنگان علم کو سیراب فرماتے ہیں ۔ آپ کے فیض صحبت سے ہزاروں مالا مال ہوئے اور ہوتے رہتے ہیں ۔ اس وقت آپ کے علمی پایہ کی بلدۂ حیدرآباد میں تو کیا ہندوستان میں بھی نظیر ملنا دشوار ہے ۔ باوجود اس کے طبیعت میں سادگی و استغنا بہت ہے، تکلفات کو پسند نہیں فرماتے درویشانہ زندگی بسر فرماتے ہیں ۔ اس وقت بلدہ کے ممتاز بزرگ ہستیوں میں آپ کا شمار ہے۔

آپ نے مختلف فنون حدیث فقہ ادب تصوف اور کلام میں مختلف رسائل تحریر فرمائے ہیں۔

اُردو میں قرآن مجید کی تفسیر فرمارہے ہیں جو ہر ماہ رسالہ درس القرآن میں شائع ہورہی ہے۔

آپ کو فنون سپہ گری سے بھی خاص دلچسپی ہے اور اس فن میں ید طولیٰ حاصل ہے۔ اس وقت اس فن میں بھی آپ کے ہزاروں شاگرد موجود ہیں۔ آسیبی معالجات بھی فرماتے ہیں۔

آپ کو شاعری سے بھی خاص لگاؤ ہے۔ حسرت تخلص فرماتے ہیں۔ عربی فارسی اُردو ہندی ہر زبان میں آپ کا کلام موجود ہے۔ آپ کا کلام بھی خاص ہوتا ہے۔ آپ کا منتخب کلام شائع ہو چکا ہے۔ آپ کے مریدین بھی بکثرت ہیں۔

٦۔ حضرت شاہ محمد عبدالمقتدر صاحب صدیقی فضل مدظلہٗ

آپ بھی حضرت کے حقیقی چھوٹے بھانجے ہیں۔ حضرت سے ہی بیعت حاصل ہے۔ خلافت کے متعلق جو واقعہ آپ ہی سے مروی ہے اس کو من وعن نقل کر دیا جاتا ہے:

> آپ فرماتے ہیں کہ حضرت کے وصال سے چند روز قبل ایک دفعہ میں حضرت کی خدمت مبارک میں حاضر تھا۔ بہت دیر تک حضرت کے سامنے حاضر رہا، اس کے بعد حضرت برخاست فرما کر دولت سرا میں تشریف فرما ہوئے تو میں کسی کام کے تحت گھر چلا گیا، میرے جانے کے بعد معلوم ہوا کہ حضرت مجھے خلافت عطا فرمانے کے خیال سے باہر برآمد ہوئے اور مجھے دریافت فرمایا۔ جب معلوم ہوا کہ میں حاضر نہیں ہوں تو یہ ارشاد فرماتے ہوئے کہ میں ان کو خلافت دینا چاہتا تھا، واپس تشریف لے گئے۔ من بعد حضرت کی علالت کا سلسلہ شروع ہوا۔ جس کی وجہ حضرت کے دست مبارک سے اس کی تکمیل نہ ہو سکی۔ یہاں تک کہ حضرت نے پردہ فرمایا۔ حضرت کے پردہ فرمانے کے بعد بذریعہ حضرت سید عمر صاحب قبلہ قدس سرہٗ بر بنائے حکم باطنی اویسی طریقہ سے خلافت حاصل ہوئی۔

آپ بھی متبحر عالم ہیں۔ عثمانیہ یونیورسٹی میں بحیثیت پروفیسر شعبہ دینیات عرصہ تک تفسیر حدیث فقہ کی تعلیم دیتے تھے۔ مکان پر بھی تشنگان علم کو سیراب فرماتے ہیں۔ آپ کو بھی فن شاعری سے خاص لگاؤ ہے۔ فضل تخلص فرماتے ہیں۔ آپ کا کلام بھی خاص ہوتا ہے۔ آپ کا ایک دیوان طبع ہو چکا ہے۔ آپ کے پاس بھی لوگ کثرت سے رجوع ہوتے ہیں۔ بہت سے غیر مسلم بھی آپ کے فیض صحبت سے فیض یاب ہوئے۔ بلدہ کے ممتاز و بزرگ ہستیوں میں

سمجھے جاتے ہیں۔

آپ کی طبیعت میں سادگی کے ساتھ عزلت پسندی بہت ہے۔ عام مجالس وغیرہ میں بہت کم شرکت فرماتے ہیں۔ آپ کے مرید بھی بکثرت ہیں۔

۷۔ مولانا شاہ شرف الدین صاحب قادریؒ

آپ کو بیعت و خلافت حضرت ہی سے ہے۔ حضرت کی خدمت بہت فرمائی ہے۔ درویشانہ زندگی بسر فرماتے ہیں۔ آپ کے پاس آسیبی معالجات کا سلسلہ بھی رہتا ہے۔ صدہا حاجتمند آپ کے پاس رجوع ہوتے اور فیضیاب ہوتے ہیں۔ آپ کو اپنے پیر سے خاص لگاؤ ہے۔ ہر جا حضرت ہی کے تذکرے فرماتے رہتے ہیں۔ بہرحال خاص رنگ و کیفیت ہے۔ آپ کا وجود بھی مغتنمات سے ہے۔ آپ کے مریدین بھی بکثرت ہیں۔

۸۔ شاہ غلام محی الدین صاحب قادریؒ

آپ مولانا شاہ شرف الدین صاحب کے بڑے بھائی تھے۔ آپ کو بھی حضرت ہی سے بیعت و خلافت تھی بہت خاموش طبیعت اکثر اپنی دھن میں رہا کرتے تھے۔ زیادہ میل جول پسند نہ تھا۔ باوجود خلافت کے بھی، آپ نے کسی سے بیعت نہیں لی۔

۹۔ شاہ نظام الدین صاحب بیجاپوریؒ

آپ کو بھی حضرت ہی سے بیعت و خلافت تھی۔ درویشانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ آخر زمانہ میں آپ نے ترک لباس بھی فرمادیا تھا۔ اپنا خاص رنگ رکھتے تھے۔ آپ نے بہت کم بیعت لی تھی۔

۱۰۔ شاہ نور محمد صاحب مہاجرؒ

آپ کو بھی حضرت ہی سے بیعت و خلافت تھی۔ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں اپنی زندگی بسر کی۔ طبیعت کے فیاض و مہمان نواز تھے۔ متوکلانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ کہیں سے کچھ آمدنی

نہ تھی۔ کہا جاتا ہے کہ بعض دفعہ دو دو چار چار روز کا بھی آپ پر فاقہ گزرا۔ مگر جب پیسہ آیا تو پھر اسی روز آپ نے لوگوں کی خوب خاطر تواضع کر کے اس کو ختم کر دیا، کبھی کچھ رکھ چھوڑا نہیں۔ سینکڑوں بیمار آپ کے پاس آتے تو آپ ''امش امش'' کہہ کر ہاتھ سے مار دیا کرتے جس کے ساتھ ہی صحت ہو جاتی۔ تمام اہل مدینہ آپ کو بزرگ سمجھتے اور آپ کا احترام کرتے تھے۔ آپ سے بھی سلسلہ بیعت جاری رہا۔

O-O-O

حِصَّہ دوّم

حضرت محبوب اللہؒ کی شاعری

از

حضرت مولانا سید شاہ محمد صدیق صاحب محمودی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت محبوب اللہ کی شاعری

(تمہید)

میں حضرت کی شاعری پر اظہار خیالات ناقص کے لئے اشعار کا انتخاب اور کچھ نوٹس جمع کر رہا تھا کہ اس کو دیکھ کر جیسا کہ بعض طبائع کا خاصہ ہے، میرے ایک شناسا نے یہ اعتراض جڑ دیا کہ ''اہل اللہ کو آخر شاعری (جس میں حقیقت سے زیادہ مجاز کو دخل ہے) کی ضرورت ہی کیا ہے اور کیوں وہ اس طرف اپنے گراں قیمت وقت کو صرف کرتے ہیں'' گو اس وقت انھیں **مالھذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق** سے دندان شکن جواب دیدیا گیا مگر خود میرے دل میں اس کی وجہ سے ایک کاوش سی پیدا ہوگئی۔ مگر جتنا جتنا غور کرتا گیا یہ حقیقت واضح ہوتی گئی کہ فی الحقیقت انھیں لوگوں کو اس کی ضرورت ہے اور اس وقت ہماری اُردو شاعری کی جو درگت بنی ہے اس کی حقیقی وجہ یہی ہے کہ شاعری اپنے مرکز سے ہٹ گئی ہے اور ایسے لوگوں کے ہاتھ میں جا پڑی جو ان اعلیٰ صفات سے، جو شاعری کی روح ہیں، عاری اور ان کیفیات سے، جو حقیقی شاعری کی بنیاد ہیں، خالی ہوتے ہیں۔

اس اعتراض کے بعد دوسرا اعتراض جو میرے خوش عقیدہ مگر عقلیت کی گتھیوں میں اُلجھے ہوئے دوست نے کیا۔ یہ تھا کہ ''جس طرح دو نقطوں کے درمیان خط مستقیم صرف ایک ہی ہوسکتا ہے اور باقی جتنے خطوط ہوں گے گو ان میں انحنا کم و بیش ہو لیکن وہ سارے کے سارے منحنی ہی ہوں گے۔ اسی طرح انسان اور شاعری کے درمیان بھی ایک ہی خط مستقیم ہونا چاہئے۔ دوسرے شعراء کو چھوڑ یئے مگر اولیاء جو راز داران قدرت ہیں ان کی شاعری میں تو باہم

یہ اختلاف اور ناہمواری نہ ہوتی''۔

بالآخر ان کے اور میرے مباحثہ سے ہم دونوں پر یہ بات واضح ہوگئی کہ جس طرح مختلف انبیاء کو مخاطب اقوام کے اذہان اور ضروریات زمانہ کے مدنظر اوقات مختلفہ میں جدا جدا معجزے اور الگ الگ شریعتیں دی گئیں۔ بالکل یہی حال اولیاء کے قوئ اور طرز تخاطب کا رہا تو پھر شاعری اس سے کیسے مستثنیٰ رہ سکتی تھی۔

ہندوستان میں مسلمان فاتحانہ شان وشوکت سے داخل ہوئے اور ایک عرصہ تک جو زبان اپنے ساتھ لائے تھے، وہی بولتے رہتے ہیں۔ یہاں ضروریات زمانہ کی مناسبت سے خسرو (۷۱۳ھ) بیدل، مرزا مظہر جان جاناں (۱۱۱۲ھ تا ۱۱۹۲ھ) در نیاڑ وغیرہ پیدا ہوتے ہیں اور اپنا اپنا کام کر جاتے ہیں۔

ہندوستان میں ورود یہاں کی آب وہوا اور اس ملک کی قوموں سے میل جول کا نتیجہ جو قدرۃً مرتب ہونا چاہئے تھا، وہ ہوا اور تھوڑے ہی عرصہ میں مسلمان یہاں ایک نئی زبان کے مالک بن بیٹھے اور ان کے دماغوں اور ذہنوں کے لئے وہ سارا سرمایہ درکار ہوا جو ایک زبان اور اس کے بولنے والوں کے لئے ضروری ہے اور ہر ایک طبقہ نے اپنے اپنے کام کی ابتداء کر دی اور شاعری نے بھی اپنی داغ بیل ڈالنا شروع کر دیا۔ یہ زمانہ کا خاصہ ہے کہ ایک ایک دور میں ایک نئی چیز اسے مرغوب اور ایک جدا کیفیت اس کی مطلوب رہتی ہے۔ مگر حقیقتیں اور صداقتیں اپنی جگہ اٹل رہتی ہیں اور ابنائے زمانہ اسی رنگ وکیفیت میں ان کی بجا آوری اور فراہمی میں منہمک رہتے ہیں۔

شاعری میں بھی یہی ہوا اور ہوتا رہے گا چنانچہ کسی زمانہ میں واردات قلبیہ کو ترجیح دی گئی تو کسی زمانہ میں بلندیٔ مضامین کو، کسی وقت صفائی زبان سے لطف اندوزی کا جنون رہا تو کبھی معاملہ بندی کا خبط۔ کسی نے صنائع وبدائع کو ترجیح دی، تو کوئی محاورات وضرب الامثال کو اشعار میں باندھنا مستحسن خیال کرتا رہا۔

غرض ابنائے زمانہ کے ساتھ مختلف زبانوں میں اس زمانہ کی خصوصیات کو لے کر اور اس

کے غیر مشروع اور ناروا حصے کو حذف کر کے مردان خدا بھی اپنا اپنا کام کرتے رہے۔ اُردو شاعری کا ابتدائی دور ولی (۱۰۵۳ تا ۱۱۵۵ھ) اور اس کے معاصرین کا زمانہ جس میں شعر کی بنیاد صرف ابہام پر رکھی جاتی تھی۔ اس میں بھی مظہر جان جاناں (۱۱۱۲ تا ۱۱۹۴ھ) شاہ مبارک آبرو (۱۱۶۱ھ) شاہ حاتم (۱۱۱۷ھ تا ۱۱۹۷ھ) اس دور کے خصوصیات کے ساتھ گم کردہ راہوں کو مشعل دکھاتے رہے۔ دوسرے دور میں جب کہ میر (۱۱۲۵ھ تا ۱۲۲۵ھ) اور سودا (۱۱۲۵ھ تا ۱۱۹۵ھ) جیسے شعراء پیدا ہو چکے تھے۔ خواجہ میر درد (۱۱۳۳ھ تا ۱۱۹۹ھ) اوران کے بھائی خواجہ میر اثر (۱۲۵۰ھ) مولانا فخر کے خلفاء میر محمدی بیدار (۱۲۰۹ھ) خواجہ احسن اللہ بیان (۱۲۲۳ھ) انھیں کے پہلو بہ پہلو گرداب مجاز میں پھنس جانے والوں کے لئے خضر کا کام کرتے رہے۔

اس کے بعد بقول صاحب شعرالہند (جلد دوم ص ۲۲۵)

> ''تیسرے دور میں شاعری فقر و تصوف کے آغوش سے نکل کر امراء و روساء کے دامن میں پرورش پانے لگی۔ اگر چہ اس دور میں بھی گوشہ نشین مصحفی نے قدماء کی اس یادگار کو محفوظ رکھا۔ تاہم عام طور پر صوفیانہ شاعری کی ترقی رک گئی اور انشاء و جرأت کے خارج از آہنگ نغموں نے اس کو بالکل پست کر دیا''۔

یوں تو تیسرے دور ہی سے اُردو شاعری کے دو مرکز دِلّی اور لکھنو ہو گئے تھے۔ مگر چوتھے دور میں اس کے اثرات نمایاں اور واضح ہو گئے۔ سرزمین لکھنو کی آب و ہوا اور تمدن کی رنگینی وغیرہ کی وجہ سے اُردو شاعری ایک نئے قالب معاملہ بندی، بول چال، صنائع، بدائع اور نزاکتِ خیال میں ڈھلنے لگی۔ اور شاعری اپنی اصلی روح سے ایک بڑی حد تک خالی ہوگئی۔

خلاصہ یہ کہ جس شاعر کو شاہی درباروں اور امراء و رؤسا سے جتنا بعد رہا اتنی ہی اس کی شاعری درد و سوز و گداز سے پُر اور شعر میں شاعری کی اصل روح زیادہ رہی۔

دیکھ لیجئے سودا (۱۱۹۵ھ) سے درد (۱۱۹۹ھ) و میر (۱۲۲۵ھ) کے تغزل میں، جراءت (۱۲۲۵ھ) وانشاء کے مقابلہ میں مصحفی (۱۱۶۴ھ تا ۱۲۴۰ھ) و سوز (۱۱۳۳ تا ۱۲۱۳ھ) کے کلام میں ذوق (۱۲۰۴ھ تا ۱۲۷۱ھ) کی بہ نسبت مومن (۱۲۱۵ھ تا ۱۲۶۸ھ) غالب (۱۲۱۱ھ تا

۱۲۸۵ھ) کے اشعار میں داغ (۱۲۴۷ھ تا ۱۳۲۲ھ) وامیر (۱۲۴۴ھ تا ۱۳۱۸ھ) سے زیادہ حالی ۱۲۵۳ھ تا ۱۳۳۳ھ) واقبال (۱۲۹۰ھ تا ۱۳۵۷ھ) کے کلام میں درد کی فراوانی اور سوز و گداز کی بہتات ملے گی۔

غرض یہ کہ شاعری کا درخت فقر وفاقہ ہی کی سرزمین میں کچھ سوا پھلتا پھولتا ہے۔ گو اہل فقر کو بھی اپنے دور کی خصوصیات کا قدرۃً لحاظ رکھنا پڑتا ہے۔ مگر یہاں زمانہ کی ہمرنگ شائع بھی فقر وتصوف کی چھلنی میں صاف ستھری ہوکر رہتی ہے۔

ہمارا دکن بھی ہندوستان سے باہر نہ تھا۔ وہ تمام تغیرات جو شمالی ہند پر ہو رہے تھے۔ اس سے سرزمین دکن بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہی۔ لکھنو میں شاعری کا آخری دور جس میں صنائع و بدائع پر ساری ہمتیں صرف ہوتی تھیں جس کو امانت (۱۲۳۱ھ تا ۱۲۷۵ھ) نے ضلع جگت کے انتہائی نقطہ پر پہنچادیا، سنگلاخ زمین جن کو شاہ نصیر (۱۲۵۴ھ) اپنے ساتھ لے کر چندولال شاداں کی دعوت پر دکن میں آئے۔ یہی رنگ حیدرآباد کی فضاء پر ایک عرصہ تک چھایا ہوا رہا۔

اور تقریباً اسی زمانہ کے آخری دور میں حضرت کی شاعری کی ابتداء ہوتی ہے یا پھر اس کے بعد داغ (۱۳۲۲ھ) وامیر (۱۲۴۴ھ تا ۱۳۱۸ھ) اور ان کے معاصرین کی شاعری کی شہرت ہوتی ہے اور یہی رنگ زمانے کے پسند خاطر ہو جاتا ہے۔ یہ حضرت کی شاعری کا آخری دور ہے۔ جس طرح ایک طبیب حاذق کو مریضوں کے طبائع موسم کے تغیرات اور ملک و ماحول کے اثرات کا لحاظ ضروری ہے اور ادویہ میں اسی طرح کی مناسب تغیر لابدی ہے۔ اسی طرح روحانی اطباء بھی مریضوں کی طبیعت اور ماحول کا خیال رکھ کر مرغوبات زمانہ کی شکر میں (مضر اجزاء سے پاک کرکے) لپیٹ کر کونین استعمال کرواتے رہتے ہیں۔

اسی مناسبت سے حضرت کی شاعری پانچ علیحدہ عنوانات کے تحت پیش کی جائے گی۔

اول صوفیانہ شاعری، دوم عاشقانہ کلام، سوم صفائی زبان، چہارم صنائع وبدائع پنجم سنگلاخ زمین۔

صوفیانہ شاعری

چونکہ اُردو شاعری فارسی شاعری کے زیر اثر شروع ہوئی اس لئے تقریباً دور اول ہی سے

غزل میں تصوف کے مسائل باندھنے کا رواج چل پڑا تھا۔ گو شاعر کو اس سے ذرہ برابر بھی مناسبت نہ ہو۔ صاف ظاہر ہے کہ جس ملک کی صورت ہی نہ دیکھی ہو کوئی اس کا جغرافیہ رسم و رواج حالات و کیفیات لکھنے بیٹھے تو دوسرے سیاحوں کی تحریرات پر، جنھوں نے بچشم خود اسے دیکھا ہے، اکتفا کرنی پڑے گی اور اگر کسی نے جراءت کر کے قرائن سے مدد لیکر کچھ اضافہ کرنا چاہا تو ایسے قیاسی گھوڑے دوڑانے والے کو قدم قدم پر ٹھوکریں کھانی پڑیں گی اور یقیناً اس ملک کا نہیں بلکہ اپنی ذہنی اقلیم کا جغرافیہ تیار کر دے گا۔

مانا کہ لکھنے والے کو ادائے مطلب پر پوری قدرت حاصل ہے۔ مگر ایسا مشاق ان کیفیات کو کس طرح پا سکے گا جن کا اس کے حاشیۂ خیال میں بھی کبھی گزر نہ ہوا ہو۔ بدیہی بات ہے کہ وہ حالات یا تو کسی ایسے ملک کے ہوں گے جسے اس نے دیکھا ہے اور اپنے ذہنی مغالطہ سے دوسری سرزمین خیال کر رہا ہے۔ یا وہ ایسا خطہ ہوگا جس کا وجود بجز اس کے عالم وہم کے اور کہیں نہ ہو۔ یہی کیفیت اُردو کی صوفیانہ شاعری کی ہوئی کہ جو واردات بعض اہل اللہ نے اپنے اشعار میں یا اور دوسری تحریرات میں پیش کی تھیں وہی ان دوسرے شعراء کا سرمایہ رہا۔ یا کہیں اپنے حدود سے آگے قدم بڑھایا تو ایسی ٹھوکر کھائی کہ وہ تصوف نہیں بلکہ سراسر الحاد ہو گیا:

زاہد گمراہ کے کس طرح میں ہمراہ ہوں
وہ کہے اللہ ہو، اور میں کہوں اللہ ہوں

(ذوق)

ذوق کی (۱۲۰۴ھ تا ۱۲۷۱ھ) قدرت سخن سے کس کو انکار ہو سکتا ہے۔ مگر کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہی وہ تصوف ہے جس کی تعلیم اسلام اور صوفیہ نے فرمائی؟

حقیقت تو یہ ہے کہ حضرت کے اس حصہ شاعری پر قلم اُٹھاتے ہوئے مجھے بھی اس لئے ڈر معلوم ہو رہا ہے کہ میرے لئے بھی یقیناً یہ ایک نئی دنیا ہے جس کے دیکھنے والوں کی صورت دیکھ لینے کے سوا میں نے اور کچھ نہیں دیکھا ہے۔

میں تو اپنے عقیدہ کے مطابق یہی سمجھتا ہوں کہ وہی تصوف حقیقی تصوف ہے جس میں

شریعت ظاہرہ سے (بجز فرق مراتب کے) کسی طرح تخالف نہ ہو۔

عام طور پر اُردو اور فارسی شاعری میں (باستثناء اہل اللہ) جہاں صوفیانہ مضامین باندھے گئے ہیں وہاں ہر پھر کر وہی وحدۃ الوجود کا مسئلہ رہا ہے جس کی تکرار ہوتی رہی ہے گویا تصوف کا سارا سرمایہ یہی ہے اور یہاں بجز اس کے اور کچھ ہے ہی نہیں۔ آپ نے ذوق کا شعراء بھی ملاحظہ فرمایا۔ وہ یہاں بھی اپنی شاعرانہ طنز و تعلّی میں مصروف ہیں۔ چونکہ خود ان کی انانیت مٹی نہیں تھی۔ وحدۃ الوجود جیسے مسئلہ کے بیان کرتے وقت بھی طعن و تشنیع اور فخر و مباہات کو نہ چھوڑا۔

اسی مضمون کو وہ صوفی جس کے یمین سے شریعت اور یسار سے طریقت کے دریا بہتے ہیں اور جو رشد و ہدایت کے لئے ہی آیا ہے ادا فرماتا ہے۔ پہلے حضرت جنید بغدادی (۲۹۷ھ) کے قول "هو ان يميتك بالحق ويحييك به" کو ذہن نشین کر لیجئے:

زاہد ناداں نہ کھو بیٹھے تو جب تک آپ کو
جائے تجھ کو اس مقام پاک میں بس مل چکی

الفاظ کیسے بجے تلے، مفہوم کتنا صاف ہے۔ لفظ مقام نے شعرا کو حدود شریعت سے سر مو تجاوز نہ کرنے دیا اور کہا گیا ہے وہی جو حقیقت میں کہنا تھا۔ ذوق کی طرز مخاطبت بھی دیکھی ہے۔ اس انداز تخاطب پر بھی غور کیجئے۔ معلوم یہی ہوتا ہے کہ ان کا مقصود فقط لعنت و ملامت ہے اور یہاں رشد و ہدایت۔ وہ زاہد کو گمراہ سمجھتے ہیں اور آپ زہد بلا عرفان کی وجہ سے نادان۔ وہ اس گمراہ کی ہمراہی سے بھی متنفر اور آپ اس نادان کو صحیح راستہ بتلانے کے متمنی۔ وہ "اللہ ہوں" کہنے کو راہ راست سمجھے ہوئے ہیں اور آپ "ہستی کھو بیٹھنے" کو۔

الکل فی الکل ۔ کائنات کا ہر ذرّہ اپنے میں کائنات رکھتا ہے۔ ابھی تو ناقص عقل انسانی کی دست رس یہاں تک نہیں ہوئی۔ مگر پھر بھی جہاں تک پہنچ ہوئی ہے اس کے شواہد ملتے ہیں۔

انسان کی صفات و اخلاق کا پتہ اس کے خط و خال سے، خطوط کف دست کے جال سے، اس کے کاسہ و سر کی ساخت سے، نشست و برخاست سے، اس کی گفتار سے، اس کی رفتار سے

چل جاتا ہے۔اس کی ذات اس کی تصانیف سے عیاں ہوتی ہے۔اس کی صفات اس کی تقاریر سے نمایاں ہوتی ہے۔حتیٰ کہ خط اور دستخط کے دبج میں، سکوت اور خاموشی کے بیچ میں۔ یہ تو وہ چیزیں ہیں جن کے قواعد منضبط کر لئے گئے ہیں اور اس کے ماہرین اس سے حرف بحرف درست رائے قائم بھی کر لیتے ہیں۔اور ہزار در ہزار چیزیں باقی ہیں جن کے متعلق تحقیقات رہتی دنیا تک ہوتی رہیں گی۔

شعر بھی منجملہ ان چیزوں کے ہے جن میں انسان کی ذات صاف ہویدا ہو جاتی ہے۔ اس سے قبل آپ نے ذوق کا شعر بھی ملاحظہ فرمایا اور حضرت کا بھی اب ایک دوسرا شعر بھی دیکھئے جس میں رہبری و رہنمائی کی صفات، رشد و ہدایت کی برکات، ایسے سیدھے سادے الفاظ میں پائیں گے، جیسی حضرت کی زندگی تھی۔

راہ سیدھی ہے یہی منزل کی
اپنی ہستی سے گزر جایئے آپ

معلوم بھی ہوتا ہے کہ ''دع نفسک و تعال'' کہنے والی ذاتِ ہندی کم گشتگان راہ کے لئے اُردو میں خطاب فرما رہی ہے۔

ایک سالک کو رہبر کامل ہستی کے مٹا دینے کی تعلیم دیتے ہوئے اس کے ذہنی شکوک کو جو معدوم ہو جانے کے خوف سے پیدا ہوتے ہیں یوں رفع کرتا ہے اور اس کو اپنی واضح مثال پیش کر کے سمجھاتا ہے کہ:

ہے حقیقت بقا ہر اک شئے کی
نیستی میری عین ہستی ہے

جو لو پارس کے اثر سے طلائے خالص بن گیا ہو، اسے کوئی چیز زنگ آلود نہیں کر سکتی، جو اپنے وجود کو فنا کر دے، اور ذات باقی کے ساتھ بقائے دوام حاصل کر لے وہ کب مٹ سکتا ہے؟ مٹیں گے وہ جو جسم عنصری رکھتے ہوں زنگ آلود ہو گا وہ جو لوہا ہو گا۔

چار دیوار عناصر میں جو رہتا ہے پھنسا
اس کو ہر دم خطر سیل فنا رہتا ہے

صوفی کی سب سے اہم صفت بقول حضرت عمر بن عثمان المکی (۲۹۱ھ) ان یکون العبد فی کل وقت مشغولاً بما ھوا ولیٰ بہٖ فی الوقت ۔(تصوف یہ ہے کہ بندہ ہر وقت اسی کام میں مشغول ہو جو اس وقت کے لئے سب سے بہتر ہو) ہر موقع پر اس کے مناسب اُمور کی انجام دہی ایسی ہی فرض ہے جیسے اپنے وقت پر نماز۔اور ہر آن ایک نئی دنیا ہے۔اگر کسی نے ایک گھڑی کھودی تو یقیناً اس نے ایک حصہ عمر گنوادیا۔

دنیا میں ہو جو ہاتھ سے کرلو جناب خلقؔ
دیکھو قضا نماز نہ ہو وقت تنگ ہے

وہ چھوٹے چھوٹے اُمور اپنے محل وموقع پر جنھیں دوسرے خاطر میں بھی نہیں لاتے اور تارعنکبوت سے بھی زیادہ کمزور خیال کرتے ہیں اس کے لئے جو ''مراقبہ الاحوال ولزوم الادب'' (حالات کو بغور دیکھتے رہتا اور ہر چیز کے ادب کو لازمی سمجھنے ہی کو تصوف سمجھتا ہو۔ بڑی بڑی مستحکم زنجیروں سے بھی قوی ہیں اور ان کیفیات کے پیش نظر ہوتے ہوئے اپنے آپ کو بالکل مجبور پاتا ہے۔

تار دامن سے میں دیوانہ ہوں زنجیر بپا
اور کیا پوچھتے ہو حال توانائی کا

اِن اُمور کی جانچ کہ کونسی چیز کس وقت اہمیت رکھتی ہے اور کونسا کام کس موقع پر ہونا چاہئے، کچھ آسان نہیں۔سالک جب اپنی نفسانی خواہشوں کو ایسا ہی جھٹک کر الگ کر دیتا ہے جیسا کہ سانپ کینچلی کو، تو پھر اس کا قلب ہی اس کا بہترین فیصلہ کرسکتا ہے''الھمھا فجورھا وتقوھا'' کے آفتاب سے ہواوہوس کی کثافتیں پاک ہوجاتی ہیں اور گھڑی کی سوئی کی طرح خود اس کا دل بتانے لگتا ہے کہ اب کونسا وقت ہے اور کیا کرنا ہے۔

ہر گھڑی حکم پہ جو دل کے رہا کرتا ہے
قید سے اس کے سب اوقات نکل آتی ہے

صوفیہ کے پاس ''اقرا کتابک کفٰی بنفسک الیوم حسیبا'' (اپنی کتاب پڑھ خود تیری ذات اپنے محاسبہ کے لئے کافی ہے) کے معنی علاوہ محاسبہ قیامت کی طرف اشارہ کے یہی

ہیں۔

جنگ ہفتاد و دو ملت بالائے طاق خود مسلک حق میں ایسے کتنے مسائل ہیں۔

جن میں بڑے بڑے فقہاء و علماء مختلف الخیال ہیں۔ اور آئے دن ایسی کتنی صورتیں پیش آتی رہتی ہیں جن میں مفتیان شرع متین کو خود اجتہاد کی ضرورت درپیش ہوتی رہتی ہے اور طریق طریقت جس میں ہر امر اپنے موقع پر فرض عین اور واجب الذاتہ کا درجہ رکھتا ہے۔ ان جھمیلوں سے اگر رہائی ہو سکتی ہے تو صرف دل کے فتوے پر۔ کلام اللہ میں بیسیوں مقامات پر ''عملوا الصلحت'' کی تکرار فرمائی گئی ہے اور عمل صالح ہے وہی ہے جو احکام شرع کے تحت محل و موقع کے مناسب ہو۔

حقیقت میں ایسے کتنے فعل ہیں جو مناسبت مقام کے لحاظ سے مستحب سنت واجب اور فرض ہوتے ہیں اور وہی فعل جب بے موقع اور بے محل ہوتے ہیں تو، مکروہ، بدعت، ناجائز، حرام بلکہ کفر و شرک تک منجر ہوتے ہیں۔

اور جب تمام اعمال صالحہ کا دار و مدار نیت پر ہے اور بغیر نیت کی درستی کے پہلے تو کسی اچھے کام کا ہونا ہی دشوار ہو بھی تو لوگوں کے خیال سے نمائش کے لئے، ریا و سمعہ کے طور پر، طاعت نہیں معصیت ہے اور ایسی معصیت جس کے ساتھ منافقت اور وہ منافقت جو شرک کے لگ بھگ ہے پیدا ہونے لگتی ہے۔ اس لئے فرمایا ہے استفت قلبک وان افتوک (طبرانی) اس شکل میں یقیناً اجتہاد صحیح پر دس نیکیاں اور اجتہاد غلط پر بھی بشرط خلوص نیت ایک نیکی ضرور ملے گی۔ ارشاد ہوتا ہے:

اے خلق دل سے پوچھئے ہو پوچھنا اگر
رکھئے اُٹھا کے طاق میں جھگڑا کتاب کا

کہتے ہیں تصوف کے اہم ترین مقامات میں سے ایک مقام رضا و تسلیم ہے۔ بلکہ بعض شیوخ نے تو اس کی اتنی اہمیت جتلائی ہے کہ سرتاسر اسی کو تصوف فرمایا ہے۔ ''سئل عن ردیم عن التصوف فقال استرسال مع اللہ علیٰ مایرید''۔ (یعنے حضرت ابو محمد ردیم

۳۰۳ھ) سے پوچھا گیا کہ تصوف ہے کیا چیز؟ فرمایا نفس کو مرضی الٰہی پر چھوڑ دینا) یہ بات واضح ہے کہ ناچیز و بے بس انسان اپنے آپ کو رضائے مولیٰ پر چھوڑ نہ دے تو کر ہی کیا سکتا ہے مگر ایک صوفی اور غیر صوفی میں فرق اتنا ہی ہے کہ اس کی نظر ابتداء ہی سے اسباب پر نہیں بلکہ مسبب الاسباب پر ہوتی ہے۔ وجہ و علت پر نہیں علت العلل پر جمی رہتی ہے۔ اس کے ہر فیصلہ پر سر تسلیم خم ہوتا ہے اور دل سے سمجھتا ہے کہ اسی میں اس کی بہتری ہے۔

تری ہر اک ادا پر دل ہے قربان
ترے صدقے بگاڑا یا بنایا

حضرت ممشاد دینوری کا (۲۹۹ھ) قول مشہور ہے ''کہ تصوف صفائے اسرار است و عمل کردن بدانچہ رضائے جبار است و صحبت داشتن با خلق بے اختیار'' کہنے کو تو یہ ساری باتیں آسان ہیں مگر اس کی کیفیات وہی جان سکتا ہے جس پر بیتے۔ اس کی اہمیت کے مدنظر غوث الاعظم سیدی شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ (۴۷۱ھ تا ۵۶۲ھ) نے فرمایا ہے ''کن کالمیة فی ید الغسال'' رضائے الٰہی کے آگے صوفی کو ایسا ہی ہونا چاہئے جیسے غسال کے ہاتھ میں میت۔ یہی شراب شاعری کی بھٹی سے دو آتشہ ہو کر نکلتی ہے، دیکھئے کتنی تیز ہے۔

گر ہوش میں لاتے ہیں تو آجا
دیوانہ بناتے ہیں تو بن اب

جب طالب حق اس مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے تو اس کے لئے عسرت عشرت سے آلام آرام سے بدل جاتے ہیں اور وہ مقام حاصل ہوتا ہے جس کو کلام پاک درجہ تقرب فرماتا ہے ''فاما ان کان من المقربین فروح وریحان'' (پارہ ۲۷ سورۂ واقعہ)

مرشد مرشدان حضرت ابوبکر شبلی (۳۳۴ھ) سے کسی نے تصوف کے متعلق سوال کیا۔ فرمایا: ''التصوف جلوس مع اللہ بلاھم''۔ (تصوف رضائے مولیٰ پر بے ارادہ ہو کر قائم رہنے کا نام ہے) اس مضمون کو شعر کے قالب میں ملاحظہ فرمائیے، اس کی تشبیہات و صنائع مزید براں ہیں۔

تیغ سر پر جو لگی ہوگئی سر بیچ مجھے
دار آیا جو گلے پر اسے مالا سمجھا

فاعل حقیقی تو وہی "فعال لما یرید" اور ساری مخلوق تو کٹ پتلیاں ہیں۔ بازیگر جس طرح نچاتا ہے بس اسی طرح ناچتی رہتی ہیں۔ یہ سب کچھ زبان سے کہہ دینا آسان۔ مگر قلب کی گہرائیوں سے اس صدا کا اُٹھنا دشوار ہے۔ حضرت موسیٰ اور ساحروں کے مقابلہ کو یاد کیجئے۔ اِدھر معمولی سحر پر بھی وہ اعتماد ہے۔ گویا اس کا رد ہی نہیں اور ادھر باوجود وعدہ نصرت بلحاظ ظاہر چونکہ اپنا عمل تھا "فاوجس منهم خيفه" حالت یہ ہے کہ ایک رنگ آرہا ہے اور ایک رنگ جارہا ہے۔ یہی خیال کہ وہ بے نیاز ہے اور میں ہیچ۔ صوفیہ انبیاء ہی کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

کچھ نہیں اپنے عمل پر اعتماد
ہے سخن تکیہ پہ ہر دم کیا کریں

مخلوق تو صرف پردہ ہے اس پردہ کے پیچھے کرنے والا تو وہی حکیم وقدیر ہے۔ پھر مخلوق کی کسی حرکت پر جزع وفزع، غیظ وغضب۔ آخر کیا معنی رکھتا ہے۔ راستہ میں ایک پتھر پڑا ہوا ہو اور کوئی اس سے ٹھوکر کھا کر اسے پیٹنے لگے تو آپ اس کو کیا کہیں گے؟ کانٹا پاؤں میں چبھ جانے پر کوئی اسے کوسنے اور گالیاں دینے لگے تو اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہوگا؟ یہ بالکل درست اور بجا کہ وہ پتھر اور کانٹا راستہ میں رہنے کے قابل نہیں وہاں سے ہٹا دینا چاہئے۔ اور ضرور ہٹا دینا چاہئے مگر اس سے تنفر اور تبغض حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔ بلکہ عقل سلیم ہو تو انسان سمجھے کہ وہ پتھر اس کو غفلت سے روک رہا ہے اور کانٹا بے راہ روی پر ٹوک رہا ہے۔ غلطی خود اس کی ہے کہ وہ کیوں ایسا ہوا، اس سے سبق حاصل کرے۔ اور اپنی اس کمزوری کو رفع کرے۔ لقمان را پرسید ند ادب از کہ آموختی گفت از بے ادباں" ہمیں ہماری غلطی پر ہوشیار کرنے والا قابل ملامت نہیں مستحق شکریہ ہے۔ مگر اس درجہ کی عقل "الفت حقیقی" ہی میں حاصل ہو سکتی ہے جب کہ خودی مٹ جائے۔ ہماری انانیت ہمارا جہل مرکب غلطی کو غلطی ہی کب سمجھنے دیتا ہے مگر

مقربان بارگاہ کی حالت بالکل اس کے برعکس ہے:

اے سہی قد تری الفت نے یہ بخشی تاثیر
کوئی تیڑھا بھی ہوا مجھ سے تو سیدھا سمجھا

حضرت جنید بغدادی (۲۹۷ھ) فرماتے ہیں "التصوف ذکر مع اجتماع ووجد مع استماع وعمد مع اتباع" حضرت نے کوزے میں دریا کو بند کیا ہے اور یہ سب قرآن وحدیث کا خلاصہ ہے۔ اس قول میں سلوک کے تین درجے ابتدائی، درمیانی اور انتہائی بیان فرمائے ہیں۔

پہلا ذکر "مع اجتماع" (یعنے حضور قلب کے ساتھ ذکر الٰہی۔ خدا ہی جانتا ہے کہ کلام اللہ کی کتنی آیتوں کا نچوڑ ہے (۱) اذکر ربک تضرع و خیفہ۔ (۲) وذکر اسم ربک وتبتل الیہ تبتیلا۔ (۳) الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔ یہی ایک چیز تو تصوف ہی کی نہیں بلکہ سارے مذاہب کی جان، سلوک کی بنیاد، شریعت کی روح رواں، طریقت کا اصل مغز اور معرفت کے انتہائی مدارج کا زینہ ہے۔ اگر اس پر کسی کو مداومت حاصل ہوگئی اور جمعیت قلب کے ساتھ حاصل ہوئی تو کونسی چیز ہے جو اسے حاصل نہیں۔ اس ابتدائی درجہ کی جتنی جتنی تکمیل ہوگی انتہائی مدارج کی تحصیل ہوگی۔ اسی سے لطف اندوزی دنیا کے سارے لذائذ سے مستغنی کردیتی ہے اور تکالیف جہاں سے ایسی بے خبر کہ جسم میں دھنسے ہوئے تیر کے نکال لئے جانے سے بھی کوئی اذیت محسوس نہیں ہوتی۔ یہی فنائیت کے آخری مدارج پر پہنچا کر حیات جاودانی عطا کرتی ہے۔ سچ فرمایا ہے:

دم یاد میں گزار کہ عیش ابد ہے یہ
تار نفس کے سامنے چنگ و رباب کیا

انفاس کی موسیقی، ابدی موسیقی ہے۔ اس میں گم ہونا صوت سرمدی سناتا ہے اور پاس انفاس کا کمال انہماک فنائیت کے درجہ پر پہنچاتا ہے۔ گویا اسی کی ابتداء، ابتدائے سلوک اور اسی کی انتہا، انتہائے عرفان ہے۔

دوسری چیز "وجد مع استماع" (محبوب کا ذکر سن کر رو پڑنا) اس میں خاصان خدا کی

وہ کیفیت پیش فرمائی گئی ہے جسے زبان وحی نے اس طرح بیان فرمایا ہے: ''واذا سمعوا ماانزل الی الرسول تری اعینهم تفیض من الدمع مما عرفوا من الحق ''(جب وہ رسول کی طرف نازل شدہ آیات سنتے ہیں تو آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں اور یہ عرفان حق کی وجہ سے ہوتا ہے) یہ وہ مرتبہ ہے جہاں سے عرفان کا آغاز اور فنائیت کی ابتداء ہوتی ہے۔ اس مقام پر شدت گریہ وبکا کے سبب دل بریاں سے کباب کی بو آنے لگتی ہے اور وہ گوش نیوش جن میں صوت سرمدی نے ''صلصلة الجرس '' کی کیفیت پیدا کر دی ہو، اسے آوازِ دلاب پر بھی دست افشاں اور پائے کوبان ہونے پر مجبور کر دیتی ہے جس سے آتش محبت شعلہ زن ہو کر انانیت صغری کو جلا ڈالتی ہے اور معراج فنا پر پہنچا دیتی ہے اور گریہ و وجد خیال غیر کو دل سے خالی کر کے محبوب حقیقی کی محبت سے پُر کر دیتا ہے۔ کیا خوب فرمایا ہے:

بھرا اُلفت سے ان کی دل اگر خالی نظر آیا
کیا رورو کے خالی، دل کبھی اپنا جو بھر آیا

صنعت طباق، اور عکس وتبدیل نے محاورہ کے ساتھ ملکر جو کیفیت پیدا کی ہے اسے اہل ذوق ہی سمجھ سکتے ہیں۔

ارشاد باری ''ان اللہ یحب التوابین ویحب المتطهرین'' (بیشک پروردگار بکثرت توبہ کرنے والوں اور شدت سے طہارت رکھنے والوں کو محبوب رکھتا ہے) اسی مقام پر گریہ وبکا سالک کی طہارت قلب ونفس کا سبب بنتا ہے اور اسی درجہ میں آہ وشیون لطف ولذت سے ہم کنار ہو جاتا ہے۔ اسی مرتبہ میں آنسو بادۂ ناب بن جاتے ہیں جس سے جسدِ روح میں دوران خون تیز تر ہوتا اور امراض روحانی کو دفع کر دیتا ہے اور یہی رونا طفل روح کے لئے گھٹی کا کام کرتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

اپنی نادانیوں پہ روتا ہوں
آنسوؤں میں مزا ہے گھٹی کا

ایک ناواقف کیا بتلا سکتا ہے کہ وہ کونسی نادانیاں ہیں جن پر اولیاء روتے ہیں۔ ہاں کسی کا

یہ قول ابتہ سنا ہے کہ ”حسنات الابرار سیئات المقربین “ (نیکوں کی نیکیاں بھی مقربین کے لئے بُرائیاں ہیں) کہ یہ میدان ہم زبانانِ غالب کا نہیں، جو کہتے ہیں:

قوی فتادہ چو نسبت ادب مجو غالب
ندیدۂ کہ سوئے قبلہ پشت محراب است

بلکہ یہاں تو یہ حال ہوتا ہے کہ:

اپنا اے عشق شب وصل میں بھی
دل دھڑکتا ہی رہا کیا باعث

حضرت جنیدؒ کے قول میں تیسری چیز ”عمل مع اتباع “ ہے۔ یہ آخری مرتبہ اور بقاء بعد الفنا کا درجہ ہے جہاں عبدیت کاملہ کا ظہور ہوتا ہے۔ ”اسوۂ حسنہ “ کی پیروی کا حکم کلام قدیم میں متعدد مقامات پر دیا گیا ہے۔ لکم فی رسول اللہ اسوۃٌ حسنۃ ، قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ اور حقیقۃً قبولیت اسلام کے معنی اُصولاً یہی ہیں۔ یہی ایک معمولی مسلم کی اسلامی زندگی کا آغاز اور ایک عارف کامل کے مقام عرفان کا انجام ہے۔

اہل اللہ کے پاس فضاء میں اُڑتے پھرنا پرندوں کی صفت، زمین کے اندر سے راستہ بنا لیتا چوہے اور گھونس کا خاصہ ہے۔ ان کے پاس طی الارض غیر معمولی کرشمہ نہیں عبور دریا کو بھی علامت کمال نہیں سمجھا جاتا۔ ہاں اگر کوئی چیز علامت کمال ہے تو وہ اُسوۂ نبوی کی تا بحد امکاں پیروی ہے۔ حضرت خواجہ عبداللہ انصاری (۳۹۶ھ تا ۴۸۱ھ) فرماتے ہیں:

”اگر بر ہوا پری مگسی باشی اگر بر دریا روی خسی باشی دل بدست آر کہ کسی“۔

کوئی صفت سالک کے لئے غیر معمولی سمجھی جا سکتی ہے تو وہ سنت نبوی کی مکمل پیروی ہے۔ یہ نہیں تو پھر کوئی چیز بھی کچھ نہیں۔ البتہ انسان کامل کی پیروی میں استقامت تکمیل انسانیت کا نشان، عبد کامل کا اتباع، کمال عبدیت کی دلیل ہے۔

خرق عادات خاصان خدا کے پاس تمغائے امتیاز نہیں کہ اتنے عرصہ کیلئے خلوت گاہ حصرت سے دور ہو جاتے ہیں۔ ہاں وہ چیز جو بارگاہ لم یزلی میں محبوب بناتی بلکہ ”من دیگرم تو دیگری“ کا موقع بھی باقی رکھتی نہیں وہ اتباع رسالت ہے کہ ”فاتبعونی “ کے حسن سے آراستہ

ہوکر "یحببکم اللہ" کے درجہ محبوبیت پر فائز ہوتے ہیں۔

منظور اگر وصال حق ہے مگوار خیال مصطفٰے را

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ (۵۳۹ھ تا ۶۳۳ھ) عوارف المعارف میں فرماتے ہیں "اوفر الناس خطاً من متابعتہ الرسول . اوفرھم خطاً من محبة اللہ تعالیٰ، والصوفیه من بین طوائف الاسلام ظفروالحسن المتابعة (جولوگ اتباع رسول میں سب سے زیادہ حصہ پاتے ہیں وہی محبت الٰہی کے سب سے زیادہ حصہ دار ہیں اور صوفیہ نے گروہ مسلمانان میں سے حسن متابعت ہی سے کامیابی حاصل کی ہے۔

سلوک وعرفان کی وہ کٹھن منزلیں جنھوں نے لاکھوں کا منہ پھیر دیا اور ہزاروں کو گمراہ کردیا، اگر بخیر وخوبی طئے ہوسکتی ہے تو اُسوۂ پاک ہی کی مدد سے ہوسکتی ہے "جس منزل رسیدہ" سے منزل کا راستہ پوچھا جائے گا وہ یہی کہے گا:

تیرا نقشہ ہم نے آگے رکھ لیا
پھر کیا طے راستہ دشوار سب

یہی راہ، فنافی الرسول کے بعد، فنافی اللہ کے آخر مرتبہ پر پہنچادیتی ہے اور جو اس جلوۂ جہاں آراء کو دیکھتا بہت ہوکر بت بن جاتا ہے، نہ پوچھئے کہ وہ کیا ہوجاتا ہے:

گر تجھے دیندار اے بت دیکھ لیں
اللہ اللہ کہہ اُٹھیں اک بار سب

اللہ اللہ! یہاں اللہ اللہ کے کلمات کیا کیا معانی پیدا کررہے ہیں اور پھر کیا مجال جو حدود شریعت سے بال برابر بھی تجاوز ہوا ہو۔

"نحن اقرب الیہ من حبل الورید" (ہم اس سے رگِ جان سے بھی زیادہ نزدیک ہیں) (پارہ ۲۶ ق ۲) وائے برحال ما۔ وہ ہم سے اس قدر نزدیک اور ہم اس سے اتنے دور۔ اس مضمون کو اُردو کے ہزاروں شاعروں نے لاکھوں ہی اسلوب کے ساتھ پیش کیا ہے۔ مگر یہاں اس کی طرز ادا بھی انوکھی اور پھر مستزاد کے ٹکڑوں نے لطف ولذت بھی مستزاد کردی

ہے۔ملاحظہ ہو:

مجھ سا نہیں اس میکدۂ دہر میں بے ہوش، ہستی سے فراموش، حرماں سے ہم آغوش

کوسوں ہی پڑا دور ہوں معشوق ہے بر میں، مطلوب ہے گھر میں، منظور نظر میں

ہم ہست ہیں مگر اس ہست سے بے خبر۔اپنے آپ کو موجود تو کہہ رہے ہیں مگر وجود کو بھولے ہوئے ہیں۔ہمیں جس کی طلب ہے۔کونسی چیز ہے جو اس سے علیحدہ یا اس کی غیر ہو۔ مگر اس عدم غیریت کا انکشاف نہیں اور اس عدم انکشاف نے اتنی قریب کی چیز کو بھی اس قدر دور کر دیا ہے۔صرف اتنا انکشاف ہو گیا تو سارا عالم منکشف ہو گیا بلکہ رب عالم کا انکشاف۔ عارف کامل نے کہا ہے "من عرف نفسه فقد عرف ربه "(جس نے اپنے آپ کو پہچانا اس نے اپنے پروردگار کو جانا) جو اپنے آپ کو جان لے گا یقیناً پالے گا کہ اس کے سوا عالم میں کچھ ہے ہی نہیں۔جس کی خبر ہو، وہی عالم وہی معلوم، اسی مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

واقف ہوا جو آپ سے بھولا جہان کو

اپنی خبر ہوئی جسے وہ بے خبر ہوا

اس مقام کے سمجھنے میں بہتوں نے غلطی کی اور کہہ دیا کہ ماسواء اللہ کو دل سے نکال دینے کا نام تصوف ہے۔اسی راہبانہ تصوف کو حضرت ابو بکر شبلی (۳۳۴ھ) نے شرک فرمایا۔

"التصوف شرک لانه صيانة القلب عن روية الغير ولا غير"

عامیانہ تصوف شرک ہے کیونکہ (ان کی اصطلاح میں) خیال غیر سے دل کو بچانے کا نام تصوف ہے حالانکہ غیر کا کہیں وجود ہی نہیں) جب موجود حقیقی کا انکشاف نہ ہو تو یہ غیر، وہ غیر، ہم خود غیر۔جو قدم اُٹھے گا شرک سے خالی نہ ہوگا۔جو حرکت ہوگی مشرکانہ ہوگی۔جلی نہ سہی خفی سہی اور جب وجود حقیقی کا انکشاف ہو گیا تو پھر کونسی چیز ہے جو اس کی غیر ہو۔یہی مقام ہے کہ نگاہ جس طرف جاتی ہے اسی کو پاتی ہے اور صوفی پکار اُٹھتا ہے "من انداز قدت رامی شناسم"

تجھے دیکھا ہے جب سے پھر نہ کچھ ہم کو نظر آیا

ہر اک کے بھیس میں بس ہو کے تو ہی جلوہ گر آیا

حضرت کے دیوان سے مسائل تصوف کی تشریح۔شائد میں نے ایسا بوجھ اُٹھالیا ہے، جو

میرے بس کا نہیں۔ پھر کونسا شعر ہے جس سے کسی نہ کسی مسئلہ پر روشنی نہ پڑتی ہو۔ ہاں کہیں حقیقت کا رنگ غالب ہوتا ہے تو کہیں مجاز کا رنگ ظاہر۔ کسی جگہ صنائع و بدائع کا شور محسوس ہوتا ہے اور کسی جگہ زبان و محاورات کا زور۔ ورنہ ہر شعر میں ایک حقیقت ہوتی ہے۔ جو سالک کی رہنمائی کرتی ہے۔ اب ہم صرف چند ایسے شعر لکھ کر عنوان تصوف کو ختم کرتے ہیں جن سے حضرت کے ظاہر حال پر کچھ روشنی پڑے۔ نقادانِ سخن اسے تصویر دروں کہتے ہیں۔ مگر صوفیہ کے پاس تو یہ بھی احوال بروں ہی ہے۔ حضرت غوث الاعظم سیدی شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ (۴۷۱ تا ۵۶۲) فرماتے ہیں "**حقیقت الفقر ان لا تفتقر الی من هو مثلک**" (فتوح الغیب) حقیقت فقر یہ ہے کہ اپنے ہی جیسوں پر نظر احتیاج نہ پڑے۔

دارالاسباب دنیا میں رہ کر تمام اسباب سے قطع نظر کر لینا اور صرف مسبب الاسباب پر نظر جمی رہنا بجز متبع سنت کے اور کسے حاصل ہوسکتا ہے۔ جن بزرگوں نے حضرت کو بحین حیات ظاہری دیکھنے کا شرف حاصل کیا، وہ کہتے ہیں، آپ کی ہر حرکت سے کمال استغناء ٹپکتا تھا۔ اہل دولت کو تو کبھی پر پشہ کے برابر بھی نہ سمجھا اور حقیقت میں ایسے ہی مستغنی المزاج کی زبان سے اس شعر کا ادا ہونا زیب بھی دیتا ہے:

جو چاہتا خالق ہے وہی ہوتا اے خلق
خلقت سے مرا سود و زیاں ہو نہیں سکتا

اور دراصل جن نگاہوں سے اسباب کے پردے اُٹھ گئے ہوں وہ مسبب کے سوا دوسری طرف کیسے پڑیں اور کیوں پڑیں؟ جس طرح کوئی دربار رس ماوشما کو ذی اقتدار نہیں سمجھ سکتا اس طرح مالک الملک پر نظر رکھنے والا، شاہان عالم کے جبروت کو کب خاطر میں لاسکے گا۔ ایسے ہی چشم و آبرو کے اشارے مضامین ذیل ادا کرتے ہیں:

ہمیں کیا کام شاہانِ جہاں سے
گدا ہیں اس در دولت سرا کے

آپ بہت کم کسی سے بیعت لیتے تھے۔ لوگ مہینوں بلکہ برسوں بیعت کے لئے پھرتے

رہتے مگر اہل اور خوش نصیبوں کو یہ موقع نصیب ہوتا اور جو آپ کے حلقۂ بیعت میں شامل تھے، انھیں اپنی معمولی تعظیم سے بھی اکثر منع فرماتے رہتے تھے اور کیوں نہ منع فرماتے اہل دنیا کی عزت واحترام اہل اللہ کے پاس احترام ہے ہی کب ۔ یہ سب اہل عالم کے خرافات کے سواہ اور کیا ہے۔

حضرت ابوسعید احمد بن محمد الاعرابی (۳۴۱ھ) فرماتے ہیں "التصوف کله ترک الفضول" "تصوف تمام تر فضولیات کے ترک کرنے کا نام ہے"شاید ایسے ہی لوگوں کے بارے میں ارشاد باری ہے"هم عن اللغو معرضون "(پ ۲۴ مومن ۱) (یہی وہ لوگ ہیں جو خرافات سے روگردانی کرتے ہیں) کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ جہاں دیگر مشائخ مقام عزت و احترام کے جویا ہوتے آپ وہاں خاک پر لوٹنے لگتے تھے ۔ یہاں حال اور قال میں سرمو فرق نہیں ہوسکتا۔ فرمایا ہے:

جب سے بھائی ہے عشق کی ذلت
خاک ڈالی ہے میں نے عزت پر

انھیں احوال کے مدنظر بعض ظاہر بین آپ کو مجذوب بھی سمجھتے رہے۔ عموماً ایسے عادات و اطوار جن کو دوسرے دکھاوٴ کیلئے ضروری سمجھتے ہیں، آپ ہمیشہ اسے نفرت کی نظر سے دیکھتے تھے۔

کیفیت خاص میں [1] حضرت نے بعض دفعہ فرمادیا کہ میرے مریدین کے لئے خدائے تعالیٰ تک پہنچنے کے صرف تین ہی واسطے ہیں۔ (۱) میں (۲) غوث پاک اور (۳) بارگاہ رسالت ۔ اس سلسلہ اویسی کی اجازت بھی آپ نے اپنے بعض خاص خلفاء کو دی تھی اور کیوں نہ ہو"المرء مع من احبّ "(انسان اپنے محبوب کے ساتھ ہوتا ہے) زبان رسالت سے اور"الحقنابهم ذريتهم "(پ ۲۷ طور:۱) (ہم نے ان کی ذریت کو ان سے ملادیا) کلام الٰہی سے اسی کے شاہد ہیں۔ اسی عالم خاص میں فرمایا ہے:

دیکھنے والے ہیں زلف یار کے
سلسلہ اپنا بیاں ہم کیا کریں

---

[1] فیض باطنی حضرت کو راست غوث پاک سے ملا ہے۔ حضرت کا کوئی کام بلا اجازت حضرت غوث پاکؓ کے نہ ہوتا۔

اس اویسی سلسلہ کے باوجود مرشدین ہی نہیں بلکہ اپنے شعر وسخن کے استاد کا درجہ بھی حفظ مراتب کے مدنظر ہمیشہ ملحوظ خاطر رہا۔ دکن کی دنیائے شاعری کے استاد حضرت فیض رحمۃ اللہ علیہ ۱۱۹۵ھ تا ۱۲۸۲ھ سے آپ کو تلمذ تھا۔ فرماتے ہیں۔

خلق ہر شعر ہے نازاں میرا
حضرت فیض کی عنایت پر

ضاد کی ردیف میں ایک پوری غزل ہی جناب فیض کی تعریف میں ہے اور تعریف بھی بالکل حقیقی، شاعرانہ مبالغہ اور غیر حقیقی مدح (جو دراصل مذمت کی ایک صورت ہوتی ہے) سے بالکل مبرا ہے۔

ملائک سیرت و درویش صورت
فقیر بے ریا مرد خدا فیض
حلاوت اُٹھ گئی خوانِ سخن کی
گئے لے ساتھ اپنے سب مزا فیض

ایک اور زمین میں فرمایا ہے کہ انھیں کی شاگردی نے بہتوں کو استادی کا درجہ بخشا

خلق صاحب تمہیں ہم جانتے ہیں مانتے ہیں
حضرت فیض کے شاگرد بھی استاد ہیں سب

عام طور پر شعراء کسی قدر تعلی کے عادی ہوتے ہیں۔ اور شعر میں تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ فخر ومباہات لوازم شاعری میں سے ہے۔ ایک نومشق شاعر جس کا سرمایۂ سخن دس بیس غزلوں سے زیادہ نہیں ہوتا، اس کے بھی کتنے مقطع ہوتے ہیں جن میں کسی نہ کسی طرح کی شیخی موجود نہ ہو۔ پھر اساتذہ کے لئے تو سمجھا جاتا ہے کہ فخر ان کی زبان سے ہر طرح زیبا ہے۔ حالانکہ فلسفۂ اخلاق میں یہ ایک شدید عیب ہے۔ مگر دنیائے شاعری میں ہنر ہی سمجھا جاتا ہے لیکن حضرت کا دیوان اس سے بالکل خالی ہے۔

مذکورۂ بالا مقطع ملاحظہ فرمایا، بہت ہی ہلکی کیفیت فخر محسوس ہوتی ہے۔ مگر حقیقت میں وہ بھی اپنے آپ پر نہیں بلکہ اپنے استاد کی شاگردی اور ان شاگردوں کے استاد ہونے پر فخر کا

اظہار فرمایا گیا جو کسی طرح تعلی نہیں کہلا سکتا۔ ایسی ہی صرف ایک دو مثالیں سارے دیوان میں پائی جاتی ہیں۔ اس لئے یہ کہنا بالکل درست ہے کہ اس اخلاقی عیب اور شاعرانہ ہنر سے آپ کا کلام بالکل پاک ہے۔ حضرت کی طبیعت میں استغنا کے ساتھ انکسار نے ایک عجیب شان پیدا کر دی تھی جو یقیناً حقیقی درویشی اور مجاہدات کا نتیجہ تھا۔

حضرت ابو حفص عمر بن مسلمہ الحداد ۲۶۴ھ فرماتے ہیں "درویشی بحضرت خدا شکستگی عرض کردن است"۔ گویا اس آیۃ کی تفسیر ان الذین آمنوا وعملوا الصٰلحٰت واخبتوا الیٰ ربھم اُولٰئک اصحاب الجنۃ"۔ (اور جو لوگ ایمان لائے اور نیکوکار ہوئے اور خدا کے حضور میں سر بہ فگندہ ہوئے، یہی اصحاب جنت ہیں) اسی شکستگی سے وہ خاص رنگ پیدا ہوتا ہے جو مقربان الٰہی کا نشان امتیاز ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

دیتا ہے وصل کی بشارت
اے خلق مرا شکستہ پن اب

اس شعر کے ساتھ ہی حدیث "انا عند منکسرۃ القلوب" میرے دل میں حضور کر گئی۔ علماء ظاہر نے اس کے جو کچھ معنی لئے ہیں، لئے ہیں۔ مگر اس شعر کے بعد تو محسوس ہو رہا ہے کہ صوفیہ کے پاس اس کے یہی معنی ہیں کہ شکستہ دلوں کو وصال حق نصیب ہوتا ہے۔

اکثر حضرت خود فرمایا کرتے کہ جس فقیر میں انکسار نہیں، وہ فقیر نہیں اور خود منکسر المزاج فقراء کی کمال عزت کرتے تھے۔ گویا اپنے ہی شعر کی عملی توضیح فرماتے تھے کہ ۔

کسر نفسی ہو جو حاصل تجھ کو
خلق کو شوکتِ کسریٰ دکھلا

O-O-O

عاشقانہ شاعری

عشق حقیقی کا درجہ تو بہت بلند ہے عشق مجازی بھی وہ چیز ہے کہ کائنات کی کوئی ایک چیز کیا، اس عالم کی بہت سی چیزیں بھی بمشکل اس سے لگا کھا سکتی ہیں۔

''المجاز قنطرة الحقيقة'' (مجاز حقیقت کا پل ہے) یہی عشق حقیقی کا پہلا زینہ ہے یہی بشرطیکہ ہوس نہ ہو۔ انسان کو بہترین اخلاق سے مزین کرتا ہے، اسی سے وہ امنگ اور ولولہ پیدا ہوتا ہے جو عمل کی روح ہے۔ یہی دنیاوی معاملات میں سرگرمی پیدا کرتا ہے۔ ادبیات میں جذبات محبت کی نقاشی، شعر میں کیفیات درون قلب کی مصوری اور وہ بھی کسی ایک خاص زبان میں نہیں بلکہ دنیا کی ساری زبانوں میں بے ضرورت اور خواہ مخواہ نہیں کی گئی۔ دنیا کی کونسی زبان ہے جو اس سرمایہ سے مالا مال نہیں۔ حتی کہ کلام الٰہی نے بھی حسن و عشق یوسفی کو بھی اس انداز سے بیان فرمایا کہ وہ ''احسن القصص'' (سورہ یوسف) ہوگیا ہے۔ اور زبان رسالت (روحی فداہ) صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی اہمیت کے مدنظر عاشق عفیف کے لئے درجۂ شہادت کی بشارت دی۔ ''من عشق وعف وكتم ومات فمات شهيد۔ (جس نے عفت کے ساتھ محبت کی اور پوشیدہ رکھا اور اسی حالت میں مرگیا، وہ شہید مرا) نظیری (۱۰۲۱ھ) نے بجا طور پر اپنے جرم محبت کو ساری دنیا کے گناہوں کا کفارہ کہا ہے۔

خدا گواہ کہ گر جرم ما ہمیں عشق است
گناہ ہر دو جہاں را بجرم ما بخشند

نظیری نیشاپوری

یوں تو واضح سے واضح مجازی محبت کے اشعار حقیقی محبت پر منطبق کر لئے جا سکتے ہیں۔ مگر صوفیہ کے پاس عشق مجازی بھی اگر ہوس نہ ہو تو کیمیا ہی ہے، ارشاد ہوتا ہے۔

عشق خال رخ میں روشن اپنی قسمت ہوگئی
اے فلک مجھکو زحل سے بھی سعادت ہوگئی

خال ہر چند زحل سہی، مگر سعادت عشق نے اسے بھی مبارک و مسعود کر دیا۔ بھونرے کی طرح ہر پھول سے شیرینی حاصل کر لینا اور اڑ جانا، بلبل کی صورت ہر گل پر جا بیٹھنا اور چونچیں مارنا، جانوروں کے لئے کوئی سبب امتیاز ہو تو ہو مگر انسان کے لئے (جبکہ نگاہیں سطح تک ہی محدود ہوں) موجب ننگ و عار ہے اور صرف صورت پرستی صوفیہ کے پاس بت پرستی سے کم نہیں ۔

بت پرستی مرد مومن کو کبھی لازم نہیں
بھول کر اے دل نہ کرنا خوبصورت کی ہوس

ہاں وہ محبت جو دل میں جگہ کر جائے خاک کو پاک بنا سکتی ہے۔ دنیوی لحاظ سے بھی اور اُخروی اعتبار سے بھی، محبت محبت ہے۔ کوئی سیر و تفریح نہیں کہ دل بہلایا اور چلے آئے۔ پا گل سرو گلستاں کے نظارے بہر نظارہ ہو سکتے ہیں، مگر سرو خراماں کو قدرت نے دل میں گاڑ لینے کے لئے ہی وجود بخشا ہے۔ اسی لئے ارشاد ہوتا ہے۔

پا بہ گل سرو گلستاں ہیں ہزاروں دیکھے
کاش گڑ جائے کوئی سرو خراماں دل میں

کسی سرو خراماں کا دل میں گڑ جانا، زمین دل کی صلاحیت کے مطابق کشت دنیا اور مزرعہ آخرہ دونوں کے لئے یکساں مفید ہے۔ اگر عشق حقیقی کی قابلیت موجود ہے تو یہی اکسیر (عشق مجازی) مسِ خام کو زر کامل عیار بنا دیتی ہے۔ اگر یہ نہیں تو کم از کم دنیا کی اہلیت ضرور پیدا کر دیتی ہے اور سونے کا رنگ تو لازماً پیدا ہو جاتا ہے۔ گو وزن نہ پیدا سکے۔ مولانا کاتبی ۸۳۹ھ کہتے ہیں:

خرم آناں کہ سر زلف نگارے گیرند
بے قرار بکف آرند و قرارے گیرند
کاتبی

بہر حال یہ وہ گیاہ کیمیا تاثیر ہے کہ اصل بوٹی کے ملنے پر صحیح نسخہ کیمیا نہ بھی معلوم ہو تو سونے کا رنگ پیدا ہو جانا بالکل یقینی ہے۔ الحاصل کشت امید کی سر سبزی اسی گیاہ کے حصول پر

منحصر ہے۔ شائد اسی مفہوم کی طرف ذیل کے شعر میں ایما فرمایا گیا ہے

سر سبز گشت کشت امیدم کے در جہاں
دارد بہار غنچہ و گلہا گیاہ تو

اسی غیرت بہار کی باد لطف برگ کاہ کو بھی اوج کمال بخشتی ہے بشرطیکہ "برگ کاہ تو" کہلانے کا مستحق ہو:

گر باد لطف تو وز دا ے غیرت بہار
باشد چرانہ اوج گرا برگ کاہ تو

مذکورہ بالا دونوں شعروں میں ضمیر خطاب کا مرجع خواہ محبوب کو قرار دیجئے خواہ محبت کو، نتیجہ دونوں صورتوں میں ایک ہی ہوگا۔ محبوب اسی لئے تو محبوب ہے کہ اس سے محبت کی جاتی ہے۔ جن غیر مادی اُمور کی نسبت محبوب کی طرف کی جاسکتی ہے محبت کی طرف بھی ہوسکتی ہے۔

مضمون ناقص رہ جائے گا، اگر حضرت کی شاعری کے خط و خال پیش کرتے ہوئے یہ نکتہ فراموش کر دیا جائے گا، کہ بجز چند ہلکے ہلکے اشارات کے شاعری کی شریعت کے خلاف حضرت کے دیوان میں زاہد، عابد، واعظ اور شیخ پر لعنت و ملامت کی بوچھار کہیں نہیں۔ دیر کی حرم پر ترجیح، کعبہ کی بت خانہ کے مقابل تفضیح، مسجد سے گریز، معبد سے پرہیز، میخانہ کی تعریف، بت خانہ کی توصیف کے مضامین سے بالکل خالی ہے۔ خدا جانے کہ یہ مضامین غزل میں کیسے در آئے اور کیونکر اتنے شائع ہوگئے کہ بڑے سے بڑے چھوٹے سے چھوٹے شاعر کی کوئی سی غزل اٹھا لیجئے مشکل ہے کہ اس میں زاہد پر طعن، عابد پر طنز، واعظ پر لعنت یا شیخ پر ملامت نہ ہو۔ ہاں جس حد تک جذبات الفت کے اظہار کیلئے اس کی ضرورت ہو، مضائقہ نہیں، اور غزل کے نامناسب بھی نہ ہوں گے۔ فرمایا ہے:

زاہدِ ناداں نہ کہو بیٹھے تو جب تک آپ
جاے تجھ کو اس مقامِ پاک میں بس مل چکی

واعظا تو قصہ می خوانی ہنوز   داستان خویش را شرحے بکن

یہ ہے وہ نمونہ جہاں حضرت کے پاس زاہد و واعظ کا ذکر آیا ہے اور ایسے شعر بھی چند ہی ہیں۔

مہجور عاشق جب صدمات فراق سہتے سہتے یاس کے آخر درجہ پر پہنچ جاتا ہے۔اس کے بعد اگر اسے صورت وصل نظر بھی آئے تو باور نہیں ہوتا کہ یہ حقیقت ہی ہے۔اسے اس وقت بھی یہی شبہ رہتا ہے کہ کہیں یہ بھی خواب ہی تو نہیں۔مرزا غالب ۱۲۱۱ھ تا ۱۲۸۵ھ کہتے ہیں۔

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے　　کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں　غالبؔ

مرزا غالبؔ کے اس شعر کے بعد اس مضمون کو لطف سے پیش کرنا کوئی آسان بات نہ تھی۔حضرت فرماتے ہیں:

ہے سامنا کسی کے رُخ بے نقاب کا　　میں جاگتا ہوں خلق کہ عالم ہے خواب کا

''**بین النوم والیقظہ**'' کے لئے اس سے بہتر شعری قالب ہو بھی سکتا ہے؟ مصحفی ۱۱۶۴ھ تا ۱۲۴۰ھ نے بھی اسی مضمون کو باندھا ہے۔

میں ہوں اور خلوت ہے اور پیش نظر محبوب ہے　　ہے تو بیداری مگر کچھ دیکھتا ہوں خواب سا　مصحفی

اس میں بیداری کے یقین نے بھی شعر کو بےلطف کر دیا۔ وصل کے بعد فراق۔ العیاذ باللہ۔ دنیا کی ہر چیز کو بےکار اور زندگی ہی کو وبال کر دیتا ہے۔ ورنہ اس شعر میں اس کی کیفیت دیکھئے:

رخ روشن چھپا دیا کس نے　　چاندنی رات ہے اندھیری رات

سلاست زبان کی کیا داد دی جاسکے۔پھر صنعت طباق کا لطف کیسے بیان ہو۔محب محبوب سے آنکھ مچولی کھیلنے کیلئے تو تیار ہوسکتا ہے مگر اس کھیل میں بھی اسے یہی دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کہیں یہ سچ مچ زمانہ فراق کی طرح صورت نہ چھپالیں۔

کھیلو گر کھیلتے ہو آنکھ مچولا ہم سے　　پر یہ ہے شرط کہ صورت نہ چھپانا سچ مچ

مجازی شعر کو مجاز ہی پر رکھنا اس کا صحیح انطباق ہوگا۔مگر جہاں حقیقت کے سوا مجاز کی گنجائش ہی نہ رہی ہو وہاں کونسا رنگ مجاز کیف حقیقت سے خالی ہوسکتا ہے۔عارفین کے پاس تجلیات حق کی کیفیت آنکھ مچولی سے کب مختلف ہوتی ہے کیونکہ ''**مشاهدة الابرار بین التجلی والاستتار**'' (خاصاں خدا پر بھی تجلیات الٰہی گاھے عیاں ہوتی ہے گاھے نہاں) اس لئے کہا ہے کہ می نمایند و می ربایند۔

سلاست وصفائیِ زبان

میرے ایک محترم نے فرمایا کہ ''حضرت کو داغ کے اشعار بہت پسند خاطر تھے'' حضرت کے آخری دور میں داغ کی شاعری کا عروج تھا اور فصیح الملک داغ (۱۲۴۷ تا ۱۳۲۲) استاد آصف (۱۲۸۲ھ تا ۱۳۲۹ھ) بنکر جہاں استاد کہلا رہے تھے۔ ہماری تمہیدی تفصیل کے مطابق یہ رنگ بھی حضرت کے پاس آنا ضروری تھا اور آیا۔ کلام کا بہت بڑا حصہ اسی سلاست وصفائی زبان کا پاکیزہ نمونہ ہے مگر عریانی وابتذال سے محفوظ۔

ہم نے صوفیانہ شاعری کے عنوان میں جتنے شعر پیش کیے ان میں سے اکثر وبیشتر آخری دور ہی کے ہیں اور اب یہاں بھی بطور نمونہ چند شعر پیش کرتے ہیں۔ ہر چند حضرت کے بعض شعروں میں مجاز کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ مگر وہ حقیقت سے بھی اس سے کچھ کم چسپاں نہیں ہوتے۔ فرماتے ہیں:

ہیں خموش اہل وفا کیا باعث بے وفا عشق کا دم بھرتے ہیں

سچ ہے من عرف نفسہ فقد کلّ لسانہ، (جو اپنے آپ کو پہچان لیتا ہے اس کی زبان گونگی ہو جاتی ہے)

اک بت پردہ نشیں جب سے ہے مہماں دل میں اب تو ہر حال میں رہتے ہیں جھکائے آنکھیں

اس زمین میں حضرت نے پانچ غزلیں فرمائی ہیں۔ ایک ایک شعر دُرِ آبدار ہے۔ ایک مطلع ہے:

تو ہے ایمان مرا، چاہئے ایماں دل میں کیوں نہ رکھوں تجھے اے سرورِ خوباں دل میں

تصور شیخ علماء ظاہر کے پاس شاید کچھ محل گفتگو ہے۔ مگر صوفیہ کے پاس یہی پہلا زینہ ہے بغیر اس کے طریقت میں کوئی قدم اُٹھ ہی نہیں سکتا۔

سوال یہ ہے کہ انسان کا متصورہ کسی صورت کے بغیر رہ بھی سکتا ہے؟ کیا فلاسفۂ قدیم اور کیا ماہران نفسیات جدید کے پاس بالکل مسلم ہے کہ جس طرح خلا محال ہے اسی طرح متصورہ کا کسی تصور کے بغیر رہنا ناممکن ہے۔ تو کیا شرعاً انسان اس کا مکلف ہوسکتا ہے کہ اپنے متصورہ کو

خالی رکھے۔

لَا یُکَلِّفُ اللہُ نَفساً اِلاَّ وُسْعَھَا (پ۳س بقرہ رکوع ۴۰) (اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کی قدرت کے موافق ہی تکلیف دیتا ہے) تو پھر یہ کیسے ممنوع ہو سکتا ہے۔ اب رہا ایک معین و مخصوص تصور کو قائم رکھنے اور اس کے احترام کا سوال۔

کیا مسلمان اُسوۂ حسنہ کی پیروی پر مامور نہیں؟ **لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ** (پ ۲۱ احزاب رکوع ۴) کیا جتنی کوشش اسوہ حسنہ کی پیروی کی کی جائے گی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور اتنا ہی زیادہ جمانہ رہے گا؟ اور کیا یہ تصور کسی مسلمان کے خیال میں بغیر احترام آ بھی سکتا ہے۔ اور کیا اس طرح لانا بھی چاہیئے؟ کیا سورۂ فاتحہ کے بغیر اور اس سورہ فاتحہ کے بغیر جس کے متعلق (**لا صلٰوۃ الابفاتحۃ الکتاب**) (سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہو سکتی) فرمایا گیا ہے نماز ہو بھی سکتی ہے؟ خواہ نماز منفرد ہو یا با جماعت۔ امام مقتدی دونوں پڑھیں یا صرف امام، اور مقتدی امام کی اتباع میں سورۂ فاتحہ کا پڑھنے والا ہی شمار ہو۔ بہر حال سورۂ فاتحہ کا پڑھنا ضروری۔ اور اس کے معانی پر غور لازمی اور بغیر اس کے نماز ادھوری یا کالعدم۔ تو "**الذین انعمت علیھم**" کے معنی کا سمجھنا بھی ضروری اور اس کے ساتھ منعم، انعام اور منعم علیہم کے تصور کا آنا بھی لازمی۔ تفصیلاً نہ سہی اجمالاً ہی سہی۔ کیا انعام کے ساتھ منعم اور منعم علیہ میں باہم تضائف ہونے کے باوجود ایک دوسرے کے بغیر ان کا تصور ہو بھی سکتا ہے؟ اور ان کے خیال کے بغیر آیت کے معنی ذہن میں آ بھی سکتے ہیں؟ اور کیا **صراط الذین انعمت علیھم** کے بہترین مصداق اُسوۂ حسنہ محمدی (صلوٰۃ اللہ علی صاحبہا) کا خیال نہ آئے گا؟ جب ہم اس کے معنی پر غور کرنے کے لئے مامور ہیں تو کیا بطور لازم بشکل اقتضاء النص منعم علیہم کے تصور پر مامور نہیں؟ منعم علیہم کے بارے میں افراد ناقصہ کا خیال بہتر ہوگا؟ یا فرد کامل (روحی فداہ) کا تصور اغعب ہوگا۔ کیا اسوہ نبی **صراط المستقیم** کی بہترین تفصیل نہیں؟

یہ تو ہوئی اندرون نماز کی صورت۔ تو کیا اس کے بعد بیرون نماز کے متعلق بھی کوئی سوال کیا جا سکتا ہے؟

ان گمراہوں کو چھوڑ یئے جن کی نماز ''صراط الذین انعمت علیهم '' کے مفہوم و معنی پر غور اور اس کے نمونہ کامل کے تصور کے بغیر ہوتی ہے اور کیا خاک ہوتی ہے؟ جب کہ اس صراط المستقیم کا ان کے پاس کوئی تعین ہی نہیں۔

ارشاد باری (عز اسمہٗ) ہے یا ایها الذین امنوا اتقوا الله و کونوا مع الصادقین '' (پ ۱۱ توبہ رکوع ۱۴) (اے ایمان والو خدا سے ڈرو اور صادقین کی معیت اختیار کرو) ہمیں ایمان اور تقویٰ کے باوجود مزید حکم صادقین کی معیت اختیار کرنے کے لئے فرمایا گیا ہے کہ یہی چیز نفاق خفی کی ادنیٰ اسی کیفیت کو بھی دور کر دیتی ہے اور خلوص وللٰہیت کی آب و تاب آئینۂ دل میں پیدا کر کے زمرۂ صادقین میں شامل کر دیتی ہے۔ معیت عالم شہادت (جو ہمہ وقتی نہیں ہو سکتی) کے ذریعہ اہل سلوک معیت مثالی کے حصول کی مشق و ممارست کرتے ہیں اور اس مشق و ممارست کے نتیجہ کے طور پر انھیں معیت صفات نصیب نہیں ہوتی اور ان سب کی جزا اور آخری نتیجہ معیت ذات ہے۔ و نعم اجر العاملین۔

اس لئے ''کونوا مع الصادقین '' کی تعمیل دوامی کے لئے معیت تصور و معیت مثالی ضروری ہوگی۔

اس لئے صوفیہ کے پاس تصور شیخ بطور واسطہ لازمی اور سنت نبوی کے ساتھ تصور و محبت رسالت پناہی جز و ایمان ہے اسی لئے ارشاد ہوا ہے۔

کیوں نہ رکھوں تجھے اے سرور خوباں دل میں
تو ہے ایمان مرا چاہئے ایماں دل میں

شمائل ترمذی میں سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ سے حضور اقدس کے حلیہ کے متعلق پوچھا، اور وہ بکثرت حلیہ مبارک بیان کیا کرتے تھے۔ اسی سلسلہ میں سیدنا حسن، ہند بن ابی ہالہ سے حضور کے حلیہ مبارک کے لئے اپنے خواہشمند ہونے کی وجہ بیان فرماتے ہیں۔

''وانا اشتهی ان یصف لی شیئا اتعلق به '' میں خواہشمند تھا کہ (وہ حضور کے

حلیہ کی کچھ توصیف کریں تا کہ میں اس سے لٹک جاؤں) یعنے تصور جمالوں ''اتعلق بہ'' کے الفاظ پر غور کیجئے کتنے واضح طور پر تصور کے پختہ کر لینے پر دلالت کر رہے ہیں۔

ایک دوسری بخاری و مسلم کی متفق علیہ حدیث صاحب مشکوٰۃ نے بیان کی ہے جس میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اور وہ اس روایت میں سرور کائنات کی زبان فیض ترجمان کے الفاظ نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ''**کانی انظر الیٰ رسول اللہ علیہ وسلم یحکی نبیًا من الانبیاء ضربۃ قومہٗ فادموہ** ''۔گویا میں دیکھ رہا ہوں حضور کی طرف آپ انبیاء میں سے ایک ایسے نبی کا تذکرہ فرما رہے ہیں جنھیں ان کی قوم نے مار مار کر لہو لہان کر دیا تھا) کیا حضور سے روایت بیان کرتے ہوئے ابن مسعود کے پیش نظر تصور نبوی نہیں ہے؟ ''**کانی انظر**'' ان کے تصور چہرۂ مبارک کی پختگی کو ظاہر نہیں کر رہا ہے؟

واقعہ یہ ہے کہ تصور شیخ ہی سالک کے لئے سب سے پہلا زینہ ہے۔ جب توبہ و تقویٰ سے آئینۂ دل کا زنگ دور ہو جاتا ہے تو تصور شیخ ہی اس میں جلا پیدا کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ آنکھوں سے اوجھل اور اس عالم سے پرے کی چیزیں دیکھنے لگتا ہے اور اس کیفیت کے کھلنے کے بعد ہی اس پر اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔ جب کسی سالک پر یہ کھل جائے تو کیوں نہ بے اختیار زبان سے نکل جائے:

آفریں اے تصور رُخ یار　　سینہ ام شکل آئینہ کردی

جب طالب حق کو راہِ سلوک میں تصور شیخ کے ذریعہ پہلے پہل عالم مثال کھل جاتا ہے تو کیا کیفیت ہوتی ہے؟ وہی جان سکتا ہے جس پر بیت چکی ہے۔ یہ کیفیت الفاظ میں کیسے بیان ہو سکے؟ ہاں بیان ہو سکے گی تو تشبیہات و استعارات ہی میں ہو سکے گی۔ فرمایا ہے:

دھیان اس رشک چمن کا ہے جو ہر آں دل میں　　لہلہاتا نظر آتا ہے گلستاں دل میں

کبھی سالک پر ایسا وقت بھی آتا ہے کہ ''**فطرۃ الوحی**'' کی طرح (فراق مراتب ولایت ورسالت کے ساتھ) تصور شیخ اور عالم مثال پر ایک گھنگھور گھٹا چھا جاتی ہے جس طرح کسی روشنی سے دفعۃً تاریکی میں چلے جانے سے آدمی بوکھلا جاتا اور اس کا دم گھٹنے لگتا ہے اور یہ

معلوم ہوتا ہے گویا ساری دنیا تاریک ہوگئی اور اس کی بصارت ہی سرے سے سلب ہوگئی اس وقت اس کے لئے سب کچھ ہیچ ہوجاتا ہے اور زبان حال سے کہنے لگتا ہے:

رُخِ روشن چھپا لیا کس نے   چاندنی رات ہے اندھیری رات

اس وقت سالک کے لئے کسی چیز کا آسرا ہوتا ہے تو وہ ''پاس انفاس'' ہی ہوتا ہے اور اس تاریکی میں ''پاس انفاس'' کی کیفیت بھی ایسی ہوتی ہے جیسے کسی وسیع اور تاریک غار میں دور ایک چراغ ٹمٹمار ہا ہے اور اس کے سوا کچھ نہ ہو۔ ایک رہبر منزل رسیدہ اپنے پیچھے آنے والے مسافروں کے لئے ایسے بوکھلا دینے والے مقامات کے لئے کچھ نہ کچھ ہدایات وارشادات چھوڑ جاتا ہے کہ رہبری ہو، ارشاد ہوتا ہے:

منہ دکھاتی ہے ہمیں دیکھئے کب صبح وصال   یاد ان کی ہے چراغِ شبِ ہجراں دل میں

''چراغ شب ہجراں'' کی تشبیہ سے واقف حال ہی لطف اندوز ہوسکتا ہے اور کسی وقت صرف تصور شیخ رہتا ہے اور اس کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔ اس وقت سالک کو شیخ کی معیت ڈھارس دیتے رہتی ہے کہ یہ ہے تو۔ اور جب کچھ بھی اسکے بعد آہی جائے گا جس طرح پہلے کچھ نہیں تھا تو اسی سے سب کچھ ملا، اب بھی یہ ہے تو سب کچھ مل ہی جائے گا:

غم نہیں گر ہمیں آنکھوں میں اندھیرا آیا   نور افگن ہے ترا چہرۂ تاباں دل میں

کبھی سالک پر عالم ارواح ومثال ایسے صاف منکشف ہوتے ہیں کہ عالم شہادت میں اور ان میں گویا کچھ امتیاز نہیں رہتا۔ اور جب اس عالم میں سالک کا سر زانوئے مقصود تک پہنچ جاتا ہے تو اس کی مسرتوں کی کوئی انتہا نہیں رہتی اور نور ایمان سے سراپا معمور ہوکر چاہتا ہے کہ بس اسی وقت جاں بحق تسلیم کردے ارشاد ہوتا ہے:

سر یار کے زانو پہ ہے اور رُخ پہ نظر آج   اے خلق جو اک دن تجھے مرنا ہے تو مر آج

سالک، راہ سلوک میں مختلف اولیاء وانبیاء کی خاص کیفیات سے بھی تبعاً دوچار ہوتا جاتا ہے جس وقت وہ مراتب موسوی کے نقش قدم پر چلتا ہے گو زبان پر ''رب ارنی'' ہو مگر ہر دم صدائے ''لن ترانی'' ہی سنائی دیتی ہے۔ اگرچہ ''فردوس گوش'' کے لذائذ سے محظوظ ہو مگر

''جنت نگاہ'' اوٹ میں ہوتی ہے اور بالکل اس شعر کی مصداق ہوتا ہے:

گفتگو یار سے پردے میں رہا کرتی ہے　　　روبرو آتے نہیں بیٹھے ہیں پنہاں دل میں

اور کبھی ''رب ارنـــــی ''(پ۹ اعراف ۱۴۳) کا جواب کسی تجلی کی شکل میں ملتا ہے تو ''خر موسیٰ صعقا ''(پ۹ اعراف ۱۴۳) کی کیفیت پیدا کر دیتا اور اس تجلی کے ساتھ ہی ہوش و حواس گم ہو جاتے ہیں۔ شائد اسی مقام کو بیان فرمایا ہے:

اڑ چلے ہوش و حواس اپنے پئے استقبال　　　آمد آمد ہے کسی یار کی پنہاں دل میں

اور کبھی یہ تجلیات بادِ بہاری کی سی کیفیت پیدا کر دیتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

جیسے گلشن میں صبا یا تن بے جان میں جاں　　　یوں چلا آتا ہے وہ سرو خراماں دل میں

جب اسی کیفیت پر مداومت کی سی شکل پیدا ہو جاتی ہے تو سالک کیلئے اس کا دل ہی صدا بہار گلزار بن جاتا ہے:

عکس افگن میں ہمیشہ و ادائیں رنگین　　　سیر کا لطف ہے پھولا ہے گلستاں دل میں

صرف گلستاں ہی نہیں بلکہ وہ کونسی چیز ہے جو اس کے دل میں نہیں ہوتی۔ حدیث قدسی ہے: **لا یسعنی ارضی ولا سمائی ولکن یسفی قلب عبدی المومن ''۔(اخرجه الدیلمی فی الفروس عن انس بن مالکؓ)**

(میری سمائی نہ زمین میں ہوسکتی ہے نہ آسمان میں۔ ہاں مجھے میرے بندۂ مومن کا دل سمالیتا ہے) جس دل میں خالق ارض وسما، سما سکتا ہے اس میں کیا نہیں سما سکتا؟ اور کیا سمایا ہوا نہیں ہے۔

کھول کر دیکھ ذرا دل کا خزانہ درویش　　　اس میں ہر طرح کی سوغات نکل آتی ہے

مگر شرط یہی ہے کہ اس خزانہ کو کھول کر دیکھنا آئے اور وہ کھل جائے (یعنے خود اسے انکشاف ہو) بجا ارشاد ہے:

خوب دیکھیں تو خدائی کا ہے ساماں دل میں　　　ایسی وسعت نہیں دیکھی ہے مگر ہاں دل میں

کبھی سالک دل کی انھیں وسعتوں میں تخت سلیمانی پر جلوہ گر ہوتا ہے اور مقاماتِ سلیمانی

کے تتبع میں اسے وہ سب کچھ ملتا ہے جو ملنا چاہئے اورزبان حال کہنے لگتی ہے:

میرے تابع ہیں جن و انساں سب آج ہوں عہدۂ حکومت پر

اور عملاً بھی اس حکومت کا نفاذ کبھی عالم شہادت میں کبھی عالم مثال میں پاتا ہےاور گا ہے مقامات داؤدی پر سے گزرتا ہے تو اپنے لحن سے آپ مسرور ہوتا ہےاور دوسروں کو مسحور کر لیتا ہےاور بے اختیار کہہ اُٹھتا ہے:

میرا نالہ ہے نغمۂ داؤد سنگ دل بھی پگھل ہی جاتے ہیں

اور جب سالک شہید محبت ہو کر مقامات عیسوی کی سیر کرتا ہے تو زندۂ جاوید بنتا اور اس کے ہر اشارہ سے اعجاز مسیحا ہویدا ہوتا ہے۔فرمایا ہے:

کہتے ہیں زندۂ جاوید شہیدوں کو ترے ذائقہ قتل سے پایا ہے مسیحائی کا

دم رفتار یہ خلخال سے آتی ہے صدا میری ٹھوکر میں ہے انداز مسیحائی کا

(خلخال تو استعارہ کا لفظ ہےاور مقصود وہی ہے جو مقصود ہے) اور جب سالک اتباع سنت میں آخری درجہ پر پہونچ کر فنائیت تامہ حاصل اور مقامات محمدی (سلام اللہ علی صاحبھا) کی بالتبع سیر کرتا ہے تو اس بارگاہ کی بندگی سے کمال بندگی کا درجہ پاتا اور فنائیت سے تبعاً عبدیت کاملہ کے مرتبہ پر فائز ہوتا ہے۔مثلث کے ایک بند میں ارشاد ہوتا ہے:

بندگی میں خلق کرکے سر کو خم آستان پاک پر پہنچے جو ہم

بندۂ درگاہ کہلانے لگے

شاید یہی وہ مقام ہے جس کے فیوض سے "علماء اُمت" بھی "کانبیاء بنی اسرائیل" کے مرتبہ پر فائز ہوتے ہیں اور غالباً اس مقام کے حصول کے لئے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) قرب قیامت جب نازل ہوں گے تو باوجود نبوت شریعت محمدی کے متبع ہونگے اور اس اتباع سے وہ درجہ پائیں گے۔

اور اغلب ہے کہ اسی درجہ کے لئے ہوتا اگر موسیٰ (علیہ السلام) زمانہ بعثت رسول اُمی ﷺ (فداہ امی وابی) پاتے تو اسی شریعت غرا کا اتباع کرتے جیسا کہ فرمایا: "لو کان موسیٰ حیًا

وادرک نبوتی لاتبعنی ''(دارمی مشکوٰۃ عن جابر) اگر موسیٰ زندہ ہوتے اور میری نبوت کا زمانہ پاتے تو یقیناً میری اتباع کرتے) ہر چند اس عنوان ''سلاست وصفائی زبان'' کے بیشتر اشعار ایسے ہیں جو مجاز پر بھی پوری طرح منطبق ہوتے ہیں مگر حضرت کی طرف نسبت کے بعد حقیقی معنی زیادہ بہتر معلوم ہوتے ہیں۔

اس بات کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں کہ جو کچھ مفہوم میں نے بیان کیا ہے وہ میری سمجھ کے مطابق ہے یا پھر کچھ بزرگوں سے سنا تھا وہ ہے ورنہ ان کا حقیقی مفہوم تو وہی ہوگا جو ان اشعار کے کہتے وقت حضرت کے پیش نظر ہوگا۔

تشریح بہت طویل ہو چکی، مگر پھر بھی کچھ نہ لکھا جا سکا اور مجھے اس امر کا اقرار ہے کہ میں حق تشریح کا ایک شمہ بھی ادا نہ کر سکا اور ادا کیسے کر سکتا جتنا میں ہوں اتنی میری سمجھ اور اتنی ہی تفصیل اور کئی مقامات پر تو الفاظ وادا کے قیود نے میرے مافی الضمیر کو پوری طرح ادا نہ کرنے دیا اور یہ سب کچھ حضرت کے دیوان سے ''مشتے نمونہ از خروارے'' ہے۔

ابھی بہت سے عنوان ایسے ہیں جو مستقل بحث کے طالب ہیں۔ مثلاً وہ اشعار جو حمد و نعت ومنقبت سے تعلق رکھتے ہیں اور حضرت کے دیوان کا ایک مستقل حصہ ابتدائی دیوان میں ہے یا جدت خیال ومضمون آخر میں کہ یہ بھی ایک علیحدہ عنوان چاہتی تھی یا حضرت کی فارسی شاعری جو اگرچہ کمیت میں کم سہی مگر کیفیت میں کم نہیں۔ غرض ابھی یہ مضمون بہت کچھ تشنۂ تفصیل ہے۔ ؎

تو خود حدیث مفصل بخواں ازیں مجمل

میں نے اس آخری عنوان ''صفائی زبان'' کی بحیثیت صفائی زبان کوئی توضیح نہیں کی ہے کیونکہ یہ خود محتاج تشریح نہیں البتہ جو مسائل تصوف ان اشعار سے مفہوم ہوتے ہیں وہی زیر بحث آگئے ہیں اور صفائی زبان والا عنوان بھی صوفیانہ شاعری کا عنوان بن گیا ہے کیونکہ صورت حال کچھ ایسی ہی تھی۔

اس سارے مضمون میں جملہ ستر پچھتر شعر ہی کا تذکرہ آسکا، حالانکہ خود میرے انتخاب کردہ اشعار میں سے یہ تعداد ایک چوتھائی سے بھی کم ہے۔ پھر کل دیوان کے جواہر پاروں کا کیا ذکر جو ایک سدا بہار گلزار ہے اور اس سے ہر شخص اپنی ہمت وحوصلہ کے موافق ہی استفادہ کرسکتا ہے اور استفادہ کرنے والا دیکھے گا کہ یہ ''افکارِ غیب'' (جو حضرت کے دیوان کا اسم با مسمیٰ تاریخی نام ہے) ایسا پُر بہار گلزار ہے جو وسعت میں حدِ نگاہ تک پھیلا ہوا ہے یا ایک ایسا وسیع سمندر ہے جس کی تہ میں بے شمار موتی بکھرے ہوئے ہیں مگر غواص وہیں تک پہنچ سکتا ہے جہاں تک اس کا دم ہے۔

غرض:

داماں نگہہ تنگ و گل و حسن تو بسیار
گلچین بہار تو ز داماں گلہ دارو

عرفی

صنائع و بدائع

دنیائے شاعری میں اگر کسی کالبد شعری کو جسم انسانی سے تشبیہ دی جائے تو اتنا ماننا پڑے گا کہ پری رویان شعر میں معانی کو وہی درجہ حاصل ہے جو جسم انسانی میں روح کو نصیب ہے اور الفاظ وزبان کی حیثیت جسد ظاہری کی سی ہوگی۔ بیان کی خوبیاں (تشبیہ واستعارہ وکنایہ) بمنزلہ خط وخال وچشم وآبرو ہوں گے۔ اور اس میں ضائع وبدائع کی حیثیت وہی ہوگی جو حسینان عالم کے لئے زیور کی ہوتی ہے۔ یہ بالکل مسلم ہے کہ بغیر معانی کے مجموعہ الفاظ جسد بے روح ہے۔ خواہ اس کے خط وخال کیسے ہی بہتر کیوں نہ ہوں اور چشم وآبرو میں کتنی ہی خوبی کیوں نہ پائی جائے۔ وہ جسد بے روح بیسیوں زیور سے آراستہ بھی ہو تو روح کے بغیر کسی طرح کی دلربائی اس میں نہیں پائی جاسکتی۔ مرمریں مجسمہ خط وخال سے درست بنا کر، زیور سے آراستہ کرکے، آرائش کے لئے تو رکھا جاسکتا ہے مگر اس میں کسی قسم کی محبوبیت پیدا نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح شعر بھی بغیر معانی کے خواہ وہ کتنا ہی تشبیہات واستعارات کے خط وخال کی خوبیوں سے درست اور

صنائع کے زیوروں سے آراستہ ہو، دل نشین نہ ہو سکے گا۔

شکر تبر ازوئے وزارت برکش شو ہم رہ بلبل بلب ہرمہ وش

(لاحد)

بالکل اسی طرح کی مثال ہے۔ شعر جسد لفظی رکھتا ہے تشبیہات و استعارات کے خوبصورت وچشم و آبرو کے ساتھ، زیور صنعتِ قلب (ہر مصرع کو اُلٹ دیجئے پھر وہی مصرع ہو جائے گا) سے بھی آراستہ ہے، مگر بالکل بے روح ہے کہ شرمندۂ معنی نہیں صنائع و بدائع پر لکھنو کے دور عروج میں بڑی توجہ صرف کی گئی ہے۔

اوران کے اس صنعت میں سب سے ممتاز شاعر امانت نے تو اس کو اتنی ترقی دی کہ اشعار صنائع کا مجموعہ ہو کر رہ گئے اور بلندی معانی میں اتنی کمی ہوئی کہ شعر بالکل مردہ نہیں تو نیم مردہ ضرور ہو گئے۔

حضرت خلؔق کی شاعری کے ابتدائی دور میں بھی امانت (۱۲۳۱ تا ۱۲۷۵ھ) کے رنگ کا طوطی بول رہا تھا۔ اس لئے یہ رنگ قدرۃً مرغوب اہل زمانہ ہونے کے اعتبار سے (کینن کو شکر میں لپٹنے کے لئے) حضرت کی شاعری میں بھی آنا ضروری تھا۔ اور آیا مگر فقر وتصوف کی مسیحا نفسی نے اس مردہ میں بھی جان پھونکی اور اشعار کو ضلع جگت کے گڑھے سے نکال کر معانی کی بلندی پر پہنچایا۔

ہم نے تمہید میں بہ تفصیل اس امر پر روشنی ڈالی ہے کہ انبیاء کے معجزات اور اولیاء کی کرامات، مطلوبات زمانہ کے ہم رنگ ہوتی ہیں۔ اس لئے یہاں بھی سنۃ اللہ کے مطابق صنائع وبدائع کا زور ہے اور کیوں نہ ہوتا۔

بھرا الفت سے اس کی، دل اگر خالی نظر آیا کیا رو رو کے خالی، دل کبھی اپنا جو بھر آیا

اس شعر کا تذکرہ پہلے بھی آچکا ہے "خالی کو بھرنا۔ اور بھرے کو خالی کرنا"۔ عکس وتبدیل کی صنعت کتنی پر لطف ہے۔ محاورات کے ساتھ مضمون کی بلندی شعر کو بے مثل بنا رہی ہے:

خوش نگاہوں سے نہ رکھ، چشم حصول مطلب ان کو آہو نہ سمجھنا کہیں، صیاد ہیں سب

خوش نگاہ چشم حصول، اور آہو کی مراعاۃ النظیر۔ آہو اور صیاد کا طباق، خوش نگاہ آہو، کو

صیاد کہنے کا لطف، اور ان تین تین صنعتوں کے ایک ساتھ آنے کی لذت، اہل ذوق ہی سمجھ سکتے ہیں کہ کیا چیز ہے اور پھر سالک کے لئے ایسی ہدایت ہے جو اس کے لئے سرمۂ چشم بصیرت ہے:

باولی الفت میں تیری، ایک خلقت ہوگئی　　　گر گیا اندھے کنویں میں، جس کو چاہت ہوگئی

چاہت، باولی، اندھا کنویں میں ایہام کا لطف قابل لحاظ ہے اور پھر اس کے ساتھ مبتلائے الفت ہونے کو ''اندھے کنویں میں گر جانے سے تعبیر کرنا کس قدر بلیغ ہے''۔

سامان عیش قسمت ارباب غم نہیں　　　معدوم اس غلام کی بازی میں چنگ ہے

مغلائی گنجفہ کی بازیوں میں دو بازیاں ''غلام اور چنگ، کی بھی ہوتی ہیں۔ لفظ 'بازی کے ساتھ 'غلام و چنگ، کے ایہام کو چھوڑیئے۔ سامان عیش اور چنگ (بمعنی ساز) رباب اور ارباب کی مشابہت سے قطع نظر، شیخ ابوالحسن نوری (۲۹۵ھ) کے قول ''الصوفی الذی لایملک ولا یملک ''(صوفی نہ کسی کا مالک ہوتا ہے اور نہ اس کا کوئی مالک ہوتا ہے) کی اس سے بہتر شعری تفسیر کیا ہوسکتی۔ ارباب غم محبت کو سامان عیش سے کیا واسطہ۔ غلام کی ساری ملکیت، مالک کی ہوتی ہے۔ عبد کو حصول و چنگ سے کیا تعلق، آقا جس حال میں رکھے وہی اس کے لئے بہترین ہے۔ بس یہی اصل عبودیت ہے۔

خانۂ چشم میں جز یار سمایا نہ کوئی　　　عین محفل میں ہے عالم مجھے تنہائی کا

''چشم'' کے ساتھ لفظ ''عین'' کا ایہام ''خانہ'' اور ''محفل'' اور پھر ''عین محفل'' کو ''عالم تنہائی'' ثابت کر دینا ایسی کیفیت ہے جس سے اہل ذوق ہی لطف اندوز ہوسکتے ہیں۔ یہ شعر ''خلوت در انجمن'' کی کس قدر بلیغ تشریح ہے اور حضرت ابوبکر شبلی (۳۳۴ھ) کے قول ''التصوف هو عصمة عن رؤية الكون ''(عالم کون کی دید سے بچنے کا نام تصوف ہے، کی کیسی اچھی تفسیر ہے اور خیال میں کمال انہماک کی بہترین تصویر۔

گل کان جو رکھے تو ابھی کہہ کے سنا دے　　　بلبل کو گلہ خار کا سب نوک زباں ہے

گل کی کان سے تشبیہ تو عام چیز ہے مگر اس کے ساتھ ''بلبل کو خار کا گلہ نوک زبان ہونا''

اور گل کے متوجہ ہوئے بغیر سنانے آمادہ نہ ہونا۔ شعر میں کیا کیفیت پیش کر رہا ہے مذاق صحیح ہی جانتا ہے۔

گل، بلبل، خار، نوک کی صنعت مراعاۃ النظیر مزید براں ہے۔ پھر یہ چیز بھی قابل لحاظ ہے کہ عام اشعار کی طرح، یہاں بلبل گل کی شاکی نہیں کیونکہ یہ آداب محبت کے خلاف ہے۔ اور گل کی توجہ کے بغیر وہ بھی سنانے آمادہ نہیں کہ عاشقانہ رضا و تسلیم کے منافی ہے۔ ہاں شکایت ہے تو خار سے ہے اور وہ گل ہی سے بیان کی جاسکتی ہے۔ بشرطیکہ خود گل متوجہ ہو:

دل ہے ہوائے زلف میں یوں خاکسار کا آندھی میں جس طرح سے ہو نقشہ غبار کا

آندھی، ہوا، غبار، خاکسار کی مراعاۃ النظیر اور ایہام سے شعر میں جو ندرت پیدا ہوتی ہے۔ اس سے قطع نظر، تشبیہ بھی کس قدر لطیف ہے اور پھر محبّ کی بربادی کی کیسی مؤثر کیفیت بیان کی جارہی ہے۔ کیا محبت دل عاشق کے ساتھ وہی سلوک نہیں کرتی جو آندھی غبار کے ساتھ کرتی ہے؟ اس غزل کا دوسرا مطلع اپنی سلاست اور اثر و بیان کے لحاظ سے اس شعر سے بھی بلند ہے:

پوچھے جو مجھ سے وصف کوئی زلف یار کا دکھلا دوں حال پیرہن تار تار کا

عاشق کے پیرہن تار تار کو دیکھ کر زلف یار کا اندازہ، نہ صرف ظاہری صورت کے لحاظ سے کیا جاسکتا ہے بلکہ کس درجہ عاشق کو برباد کرنے والی ہے اور اس کی محبت میں کس قدر جادو ہے، کیا جاسکتا ہے۔ عاشق کے تار تار لباس کو دیکھ کر زلف یار کے حسن و خوبی کا اندازہ کرلو کہ جن زلفوں کی محبت نے پیرہن کو اس قدر تار تار کر دیا ہے کہ موئے زلف سے مشابہ ہو گئے ہیں۔ اس کی قوت و تاثیر لفظوں میں کیسے بیان ہو سکے۔ کچھ اندازہ عاشق کے لباس تار تار ہی کے دیکھنے سے کیا جاسکتا ہے، کتنا بلیغ انداز بیان ہے۔ زلفوں کو پیرہن تار تار سے تشبیہ دی گئی ہے یا پیرہن تار تار کو زلفوں سے مشابہ قرار دیا گیا۔ لفظاً دونوں نہیں اور معناً دونوں ہیں۔

آگہہِ بتان ہند ہوں قبلے کی سمت سے جھکتا ہے سر کدھر کی طرف آفتاب کا

اس شعر میں صنعت حسن تعلیل کے ساتھ "بتان ہند" کی طرف خطاب اور "سمت قبلہ"

کے الفاظ نے طرز بیان کی وجہ سے شاعرانہ استدلال کو منطقی استدلال کی طرح مستحکم کر دیا ہے۔
اس مضمون کو بعض اور شعراء نے بھی باندھا ہے:

دبیرؔ کہتے ہیں:

خورشید سر شام کہاں جاتا ہے | روشن ہے دبیر پر جہاں جاتا ہے
مغرب ہی کی جانب ہے مزار حیدر | یہ شمع جلانے کو وہاں جاتا ہے

انیسؔ کہتے ہیں:

جو روضہ میں بار یاب ہوجاتا ہے | وہ اوج میں لاجواب ہوجاتا ہے
جلتا ہے جو شب کو قبر حیدر پہ چراغ | وہ صبح کو آفتاب ہوجاتا ہے

جلیلؔ کہتے ہیں:

روضہ میں جو فیضیاب ہوجاتا ہے | قطرہ سے در خوش آب ہوجاتا ہے
راتوں کو چراغ لحد حیدر سے | گرتا ہے جو گُل گلاب ہوجاتا ہے

انیسؔ (۱۲۱۶ھ تا ۱۲۹۱ھ) دبیرؔ (۱۲۱۸ھ تا ۱۲۹۲ھ) کی سلاست زبان کے کیا کہنے مگر حسن تعلیل میں واقفیت کا رنگ نہ بھرا جا سکا اور انداز بیان میں یہ امر بالکل نمایاں ہے کہ اس علت وسبب کے بیان اور توجیہ میں شاعری کر رہے ہیں۔

جلیلؔ کی رنگینی کلام بے نیاز داد ہے لیکن یہاں الفاظ پر زیادہ زور ہے اور قطرہ کو دُر، اور گُل کو گلاب بنا دیا ہے۔

حضرت کے شعر میں انداز تخاطب کا یہ حال ہے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی تحدّی کر رہا ہے کہ بجز اس کے کچھ نہیں آنکھیں رکھنے اور دیکھنے کے بعد بھی اگر "بتانِ ہند" کو کچھ نہیں سوجھتا، تو یہ صرف "غشاء قلبی" کا اثر ہے ورنہ انھیں معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ جسے اپنا معبود سمجھتے اور پوجتے ہیں وہ بھی بجانب قبلہ سر بسجود ہوتا ہے۔ صنعت مہملہ (غیر منقوطہ) میں کتنے ہی شعر ہوں گے جو مہمل ہوگئے ہوں گے۔ ذرا یہاں بھی صنعت مہملہ میں معنیٰ خیزی ملاحظہ فرمایئے۔

رباعی

آرام و سرور لاکھ گر حاصل ہو　　آلام و ہموم کا اگر حامل ہو
اللہ سوا مراد دل گر ہو اور　　کس طرح وہ اہل دل ہو اور کامل ہو

کسی درویش صفت شاعر کی زبان سے صنعت مہملہ میں بھی درویشانہ کلام ہی موزوں ہوسکتا ہے کہ دنیا کے لاکھوں عیش و آرام حاصل ہوگئے تو بھی کوئی کمال نہیں۔ مصائب زمانہ شدید سے شدید برداشت کر لینے کی کتنی ہی قابلیت پیدا ہوگئی ہو تو بھی اس نے کوئی کار نمایاں نہیں کرلیا۔ ہاں درویش کے لئے کوئی سب سے بڑی صفت ہوسکتی ہے تو وہ یہی ہے کہ کسی حال میں مرادِ دل خدا کے سوا کچھ اور نہ ہونے پائے۔ یہی وہ تصوف ہے جس کی تعلیم ''اسوہ حسنہ رسالت'' نے فرمائی ہے اور یہی وہ درویشی ہے جس کی تلقین حامل شریعت و طریقت عارفین نے کی ہے۔

بڑی سے بڑی ریاضتیں کیا ہندو جوگی اور سنیاسی نہیں کر لیتے؟ پھر اسلام کی یہ کوئی مابہ الامتیاز چیز نہ ہوئی۔ اسلام کو دوسرے سارے مذاہب سے ممتاز کرنے والی یہی صفت ہے کہ حصول دنیا میں لگے ہیں تو اس لئے کہ اس سے تعمیل احکام الٰہی ہو۔

ریاضت و مجاہدہ کر رہے ہیں تو اس لئے کہ قرب الٰہی موافق احکام الٰہی نصیب ہو۔ ایک دوسری اور رباعی اسی صنعت میں ہے ملاحظہ ہو۔

رباعی

ولی کا ہو اسم ورد ہر دم دل کا　　ہو مالک دل ہمدم و محرم دل کا
سودا اگر اس گوہر اسرار کا ہو　　گاہک اس دم ہو سارا عالم دل کا

رباعی کے آخری شعر کے مفہوم کو حضرت نے ایک دوسرے شعر میں بھی بیان فرمایا ہے:

اسی پر ٹوٹ پڑتی ہے خدائی　　جو دل ثابت رہے، صدمے اُٹھا کر

بقول حضرت شبلی (۳۳۴ھ) **''الصوفی منقطع عن الخلق متصل بالحق''**۔ صوفی خلق سے علیحدہ اور حق سے پیوستہ ہوتا ہے) انقطاع عن الخلق ہی کے صدمات دل

میں وہ مضبوطی پیدا کرتے ہیں جو اتصال بالحق کا سبب ہوتی ہے اور اتصال بالحق کے بعد اب ساری خدائی اس کی محبوب نہیں بلکہ یہ اس کا محبوب ہوتا ہے اور ایک دنیا اس پر ٹوٹ پڑتی ہے۔

اہل اللہ کے پاس بحیں حیات اور بعد وفات یہی وجہ اجتماع مخلوق ہے۔

مرزا غالب نے اپنے عاشقانہ رنگ میں اسی کیفیت کو پیش کیا ہے۔ ۱۲۱۱ھ تا ۱۲۸۵ھ

اک خوں چکاں کفن میں کروڑوں بناؤ ہیں　　پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدوں پہ حور کی

اندازہ کیجئے کہ جب ایک ''شہید مجاز'' کے ''خون چکاں کفن'' میں ایسے کروڑوں بناؤ ہوسکتے ہیں کہ ''حسینان عالم'' بھی اسے چاہنے لگیں تو ''شہید حق'' کے کفن میں اربوں بلکہ سنکھوں سے زیادہ بناؤ کیوں نہ ہوں۔ اور صرف حسین ہی کیوں؟ بلکہ سارا عالم اس کا شیفتہ اور زمانہ اس کا دیوانہ کیسے نہ ہو؟

حضرت کے کلام میں صنائع و بدائع کی اتنی کثرت ہے کہ اس کا احصا مشکل ہے۔ مشتے نمونہ از خروارے کچھ بیان کردیئے گئے۔

صنائع کے منجملہ حساب جمل سے مصرعوں میں تاریخ نکالنا بھی ایک خاص ہنر ہے اور ایک علیحدہ باب کا طالب ہے۔ حضرت کے دیوان میں بھی بکثرت تاریخیں (حساب جمل) موجود ہیں۔ ہم ان میں سے بھی چند پر اکتفا کریں گے۔

یوں تو تاریخ بیسیوں طریقوں سے نکالی جاتی ہے۔ کبھی جمع سے کام لیا جاتا ہے تو کبھی تفریق سے، کہیں ضرب کو کام میں لایا جاتا ہے تو کہیں تقسیم کو۔ کہیں حروف مہملہ میں تاریخ کہی جاتی ہے تو کہیں معجمہ میں۔ کسی جگہ مدخلہ کام میں لایا جاتا ہے تو کہیں تخرجہ، اور کہیں دونوں، تفصیل متعلقہ کتب میں ملے گی۔ عام طور پر تاریخ وہی اچھی سمجھی جاتی ہے جو پورے مصرع میں ہو اور اس کے الفاظ واقعہ تاریخ کو بھی ظاہر کررہے ہوں۔ مصرع میں لغو اور بھرتی کے الفاظ نہ ہوں۔ تدخلہ یا تخرجہ ہو تو ایسا، جو واقعہ سے کسی طرح کی مناسبت رکھتا ہو۔ اُمور مسرت میں تدخلہ اور واقعات غم میں تخرجۂ مناسب، ناموزوں نہیں سمجھا جاتا۔ اور سب سے اہم چیز مصرع

کی بے ساختگی ہے کہ آورد وتکلف نہ ہو اور واقعہ کے تذکرہ ہی کے مصرع سے اس کا سن نکلنا زیادہ مناسب ہے۔ حضرت کے دیوان میں ایسی متعدد تاریخیں ہیں جن کے سنین والے مصرع تاریخ کا اعلیٰ نمونہ پیش کرتے ہیں۔

حضرت مولانا شجاع الدین (رحمۃ اللہ علیہ) (جو حضرت کی والدہ کے نانا اور سلسلۂ بیعت مرشد کے مرشد تھے) کی وفات کی تاریخ کتنی بے ساختہ فرمائی ہے۔

ع از دکن وائے آفتاب برفت

پورے مصرع سے بلا کسی تدخلہ تخرجہ کے سن وفات ۱۲۶۵ آنکلتا ہے اور حضرت کا آفتاب دکن ہونا، کیا بلحاظ حقیقت، اور کیا بلحاظ عقیدت ہر طرح مسلم ہے۔

حضرت ممدوح کی تعمیر گنبد کے کچھ عرصہ بعد، جبکہ سائبان گنبد بنا، اس کی تاریخ فرمائی۔ مناسب تدخلہ کی وجہ سے وہ بھی بے نظیر ہے۔

بھر دیا نور (۲۶۵) سے خدا نے خلق   سائباں کیا ہے قصر جنت ہے

۱۰۲۸ + ۲۶۵ = ۱۲۸۴ھ

خانقاہ حضرت شاہ خاموش کی تعمیر کی تاریخیں بھی کئی ہیں۔ یہ مصرع کس قدر بے ساختہ ہے۔

ع بنا میخانۂ عشق الٰہی

مفتی محبوب نواز الدولہ مرحوم (جو حضرت کے پھوپی زاد بھائی ہوتے تھے) نے جب اپنا دیوان خانہ کوٹھی کے نام سے موسوم تعمیر کروایا تو حضرت نے تاریخ فرمائی۔

ع آج آراستہ کوٹھی ہوئی جیسے دلہن

حضرت مولوی عبدالقادر صاحب صدیقی (جو حضرت کے بہنوئی ہوتے تھے) نے جب تذکرۂ قادریہ کے نام سے ایک رسالہ تصنیف کیا تو اس کی تاریخ فرمائی۔

ع شد مرتب زہے رسالہ پاک ۱۲۸۷ھ

اسی طرح عربی میں بھی بعض تاریخیں نکالی ہیں۔ مفتی صاحب مذکور الصدر کی کوٹھی تعمیر ہونے پر فرمایا۔

ع فقد نوویت . ھذا قصر خیر ۱۳۰۵ھ

حضرت بہود علی شاہ صاحب کی تاریخ وفات فرمائی ہے۔

ع ختم اللہ بہ بالحسنی ۱۳۰۱ھ

غرض کس کس چیز کی کوئی کہاں تک تشریح و تفصیل کرے۔

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمۂ دامن دل می کشد کہ جا اینجا است

سنگلاخ زمینیں

سنگلاخ زمینوں میں شعر کہنا شعر کی کوئی خوبی نہیں۔ مگر شاعر کی مہارت اور قدرت کلام کا آئینہ دار ضرور ہے۔ فصاحت و بلاغت کا ناہموار سنگ لاخ وادیوں میں دوڑنا، اور پھر اسی طرح کا قابو اور وہی روانی باقی رکھنا، غیر معمولی قدرت کا نمونہ ہے جو وقت پسند انسان کو مسحور کر لیتا اور اس کے بس کی بات نہ ہونے کی وجہ سے اپنا کلمہ پڑھوا لیتا ہے۔

توڑے پتھر، چھوڑے پتھر، کی سی پتھریلی زمین میں غزل فرمائی ہے جس کے تیس ۳۰ سے زیادہ اشعار ہیں۔ اور ایسی سنگ لاخ زمین میں بھی سلاست و مضمون کے دریا بہائے ہیں اور اپنی خصوصیات یہاں بھی برقرار رکھی ہیں۔

ان ہی باتوں نے تو دیوانہ بنا رکھا ہے
پھر کہے جاؤ پڑیں تجھ پر نگوڑے پتھر

شعر مجاز کا سہی مگر حقیقت سے بھی دور نہیں۔ حضرت انسان نے ''انہ کان ظلوماً جھولا'' (بیشک وہ بڑا ہی ظالم و نادان ہے) سننے کے لئے ہی تو بار امانت اُٹھالیا تھا۔ جب محبت میں یہی چیزیں لذت فزا ہوں تو پھر کیسے، انھیں باتوں سے جوش محبت، موج زن ہو کر دیوانہ نہ بنادے۔

صاف دل بن کے محبت میں کیا نرم اسے
شعبدہ دیکھئے آئینہ سے پھوڑے پتھر

ذوق ہی ۱۲۰ھ تا ۱۲۷۱ھ کہتے ہیں۔

نازک کلامیاں مری توڑیں عدو کا دل
میں وہ بلا ہوں شیشہ سے پتھر کو توڑ دوں

دونوں اشعار کا مضمون ایک سا ہے مگر دونوں میں اپنے کہنے والے کی خصوصیات برابر جلوہ گر ہیں۔ یہاں عدو کا کیا ذکر، دوست کے تذکرہ سے فرصت ہی کسے جو دشمن کا خیال آئے۔اس لئے زمین کی سختی کے باوجود طبیعت کی نرمی ہویدا ہے۔ زمین کی سختی پر بھی دل کے نرم ہی کرنے کا کام ہو رہا ہے اور ذوق (۱۲۰۴ھ تا ۱۲۷۱ھ) نازک کلامیوں کے باوجود دل توڑنے ہی کا کام کئے جارہے ہیں اور ان کے دل میں اُلفت دوست سے زیادہ عداوت دشمن جاگزیں ہے۔اور ہر امر میں انانیت کی وجہ سے وہی فخر و مباہات کا رنگ ہے۔ جو تعمیر کے لئے آیا ہے وہ تعمیر ہی کر رہا ہے اور جس کے پیش نظر تخریب ہے وہ وہی کئے جارہا ہے۔

حضرت کے تمام دیوان میں دشمن، عدو، غیر اور رقیب کا تذکرہ جس سے ہمارے شعراء کے دیوان بھرے پڑے ہیں، نہ ہونے کے برابر ہی ہے۔ بعض مقام پر ذکر آیا بھی ہے تو اس طرح گویا غیر، غیر نہیں اپنا ہی ہے۔

ایک دوسری غزل آنا سچ مچ، جانا سچ مچ، کی ردیف و قافیہ میں ہے اس کا ایک شعر اوپر کہیں مذکور ہو چکا ہے۔

کھیلو گر کھیلتے ہو آنکھ مچولا ہم سے
پر یہ ہے شرط کہ صورت نہ چھپانا سچ مچ

ہم نے اپنی سمجھ کے مطابق اس شعر کی توجیہ بھی اوپر کردی ہے۔اس غزل کے ایک شعر میں غیر کا تذکرہ آتا ہے، دیکھئے کس انداز سے آتا ہے۔

ہے جو منظور ہوا خواہی اغیار تمہیں
خاک آنکھوں میں نہ یوں ڈالکے جانا سچ مچ

ہوا اور خاک منظور اور آنکھوں کے ایہام سے قطع نظر مضمون کو دیکھئے۔

کیا غیر میں بھی کوئی بوئے غیریت ہے۔ میں دیوان میں غیر سے متعلق اشعار کی تلاش

کررہا تھا کہ یہ شعر ملا بس اسی پر اپنی تلاش ختم کردی۔

خانۂ یار میں ہے غیر کہاں
ڈھونڈتا ہے تو جا بجا کس کو

یہ ہے وہ نمونہ جس میں تذکرۂ غیر آیا ہے اور اس طرح کے اشعار بھی، دیوان بھر میں تھوڑے ہی ہیں۔

ہوش میں لاتے ہیں بے ہوش کبھی کرتے ہیں
گر بنانا ہو تو دیوانہ بنانا سچ مچ

عاشق جانباز کے لئے محبوب کی اداؤں کی رنگارنگی جہاں جوش جنوں میں اضافہ کرسکتی ہے وہیں کبھی سردمہری کا شبہ پیدا کرنے کا باعث بھی ہوسکتی ہے اور عاشق کی انتہا طلبی اگرچہ اس تنوع سے کبھی بظاہر شاکی نظر آئے مگر حقیقت میں وہ شکایت نہیں ہوتی بلکہ جوش محبت ہی کا ایک رنگ ہوتا ہے جس سے شکوے کی سی کیفیت جھلکتی ہے۔

ایک اور غزل ''خاک پر سبزہ'' اور ''افلاک پر سبزہ'' کی ردیف وقافیہ میں فرمائی گئی ہے۔ ''اہل اللہ'' سے یقیناً بعد رحلت بھی دریائے فیض جاری رہتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

رہا زیر زمیں بھی فیض جاری چشم گریاں کا
ہرا رہتا ہے ہر موسم میں اپنی خاک پر سبزہ

جس سرزمین سے ہر وقت چشمے اُبلتے رہتے ہوں وہاں ہمیشہ ہی بہار رہتی ہے اور ہر وقت یکساں شادابی کی کیفیت نظر افروز ہوتی ہے اور کیوں نہ ہو۔ جبکہ ان چشموں کے سوتے سمندر سے ملحق ہوں۔ خود ہی فرماتے ہیں۔

یہ اس سلطان دیں کے گنبد اخضر کا سایہ ہے
مسلمانو! نہیں ہے یہ ہماری خاک پر سبزہ

رحمۃ للعلمین ہی کے گنبد اخضر کے سایہ سے سارے عالم میں سرسبزی ہویدا ہے اور پھر جس کو اس سے جتنی نسبت زیادہ ہوگی اتنی ہی اس کی سرسبزی دائمی اور زیادہ بصارت افروز ہوگی حتیٰ کہ سبزۂ خاک فرش سندس بنکر اس عالم میں جنت کی فضاء کردے گا اور ہر دیکھنے والے کی

زبان سے بے اختیار نکل پڑے گا:

عروسان چمن پر ہے گماں حوران جنت کا
بچھا ہے فرش سندس یا اگا ہے خاک پر سبزہ

عرض یہ کہ آخر میں یہی کہہ کر قلم روکنا پڑتا ہے کہ

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدیؔ را سخن پایاں
بماند تشنہ مستسقی و دریا ہم چناں باقی

(سعدیؔ)

O-O-O

شرح ارشادات حضرت خواجہ محبوب اللہؒ

گلدستۂ ارشادات

مرتبہ

سید غوث علی سعید حسینی القادری الملقب بہ احمد حنبلی

ارشادات حضرت سیدنا خواجہ محبوب اللہ قدس سرہٗ کی شرح

موسوم بہ اسم تاریخی

گلدستۂ ارشادات

۱۴۲۶ھ

تالیف

ڈاکٹر احمد حنبلی

فاضل (نظامیہ) پی ایچ۔ڈی (عثمانیہ)

بہ اہتمام

محی اکیڈیمی حیدرآباد

ناشر

ریاض مدینہ پبلی کیشنز مصری گنج حیدرآباد

فہرست

از: حضرت مولانا ڈاکٹر سید عبدالقادر حسینی صاحب قبلہ مدظلہ

نبیرہ حضرت خواجہ محبوب اللہؒ

تقریظ

حامداً ومصلیاً ومسلماً ۔ اما بعد! ہمارے پیشوائے طریقت حضرت سیدنا خواجہ محمد صدیق محبوب اللہ قدس سرہٗ العزیز اولیاء میں امتیازی شان کے حامل ہیں ۔آپ کا مشن خدا کے بندوں کو خدا سے جوڑنا تھا۔ پچاس سال کے مختصر عرصہ حیات میں آپ نے ایک ایسی جماعت تیار فرمادی جس کا ہر رکن علم وعمل کا آفتاب تھا اور جس کی ضیاء پاشی سے ارض دکن کا ہر گوشہ منور ہوگیا پھر اپنے وصال سے صرف ایک مہینہ پہلے یعنی ۱۵ر شوال المکرم ۱۳۱۲ھ کو اپنے وابستگان سلسلہ کے لئے ایک مختصر ہدایت نامہ تحریر فرمادیا جس کی عبارت انتہائی سادہ ، دلنشین اور اثر انگیز ہے یہ سارے اہل سلسلہ اور طالبین نجات کے لئے ایسا دستور العمل ہے جس پر عمل کرکے خدا اور رسول کی خوشنودی حاصل کی جاسکتی ہے ۔شیوخ طریقت اپنے اپنے حلقہ ارادت میں اس کی شرح بیان فرماتے رہے اور عمل کی تعلیم دیتے رہے لیکن ضرورت تھی کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں اور اولیاء وصلحاء کے اقوال کے ذریعہ اس کی ایک جامع شرح بھی لکھ دی جائے ۔عزیزم ڈاکٹر احمد حنبلی صاحب شکریہ اور مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے اس دیرینہ ضرورت کی تکمیل کردی ہے۔ایسے دور میں جب کہ تلاش روزگار میں بہت سے لوگ عارضی یا مستقل ہجرت کرکے دوسرے ملکوں میں جابسے ہیں اور بہت سے ترک وطن کو تیار بیٹھے ہیں یہ کتاب ان سب کے لئے بہترین زادسفر بھی ہے اور مشعل راہ بھی ۔ میں ہندوستان اور بیرون ہند مقیم سارے وابستگان سلسلہ سے امید کرتا ہوں کہ وہ

اس کتاب کو شوق کے ہاتھوں خریدیں گے اور قدر کی نگاہوں سے پڑھیں گے۔ بلکہ اس کا ایک ایک صفحہ پڑھ کر اپنے اہل وعیال کو سنائیں گے۔ جس طرح ہم اپنے اہل وعیال کی دنیا سنوارنے کی فکر کرتے ہیں اتنی ہی بلکہ اس سے زیادہ فکر ان کی آخرت سنوارنے کی بھی کرنا چاہئے کیونکہ یہ دنیا تو دوروزہ ہے اس کی فکر کرنا اگر فطری تقاضہ ہے تو اُس دنیا کی فکر کرنا بھی واجب ہے جو ابد الآباد ہے اور جہاں دنیا کے ہر عمل کی سزا و جزا ملنے والی ہے۔ اللہ رب العزت کا حکم ہے "یاایھا الذین آمنوا قوا انفسکم واھلیکم نارا ○ اے ایمان والو اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔'' دوزخ کی آگ سے بچنے کے لئے اور جنت کے مستحق بننے کے لئے کیا کیا کرنا چاہئے اور کیا نہ کرنا چاہئے یہ سب اس کتاب '' گلدستۂ ارشادات'' میں موجود ہے۔ پڑھو عمل کرو اور جنتی بن جاؤ۔

ع صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے

احقر العباد

ڈاکٹر سید عبد القادر حسینی دستگیر پاشاہ قادری

محی ملشن قاضی پورہ حیدرآباد

الرقوم ۱۲/ ذیقعدۃ الحرام ۱۴۲۶ھ

م ۱۵/ ڈسمبر ۲۰۰۵ء

پیش لفظ

الحمد لله رب العالمین ۔ والصلوۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین وعلی اله واصحابه اجمعین ۔

حضرت خواجہ محبوب اللہ قدس سرہٗ کے ۹۹ ویں عرس شریف کے موقع پر ۱۴۱۲ھ میں غلط فہمی کے شکار میرے ایک پیر بھائی صاحب نے مجھ سے یہ سوال کیا تھا کہ حضرت خواجہ محبوب اللہؒ نے مصافحہ کرنے اور تعظیم کو اٹھنے سے سخت منع کیا ہے یہاں تک کہ فرمایا کہ وہ میرا مخالف ہے جو ایسا کرتا ہے ۔ پھر آپؒ ہی کی خانقاہ میں اس پر کیوں عمل نہیں ہوتا ؟ الحمد للہ اس وقت تو میں نے ان کو ان کے اعتراض کا تشفی بخش جواب دے دیا لیکن ارادہ ہوا کہ حضرتؒ کے ارشادات کی شرح لکھی جائے کیونکہ ایسے شکوک وشبہات کسی کے دل میں بھی پیدا ہو سکتے ہیں ۔ پھر اس کے چند دن بعد ہی ایک اور صاحب نے اعتراض کیا کہ جب حدیث شریف سے مصافحہ اور قیام تعظیمی جیسے امور کا جواز ثابت ہے تو پھر اس سے اتنے سخت الفاظ کے ساتھ کیسے منع کیا جا سکتا ہے چوں کہ یہ اعتراض کا رخ سرکار خواجہ کی طرف جاتا تھا اس لئے طبعاً مجھے بڑی ناگواری ہوئی اور میں نے تہیہ کر لیا کہ جلد ہی اس کی شرح لکھ دوں گا ۔ دراصل دونوں قسم کے لوگ ناواقفیت اور غلط فہمی کا شکار رہیں ۔ مختصر یہ کہ اس طرح کے اور سوالوں سے میرے ارادہ کو تقویت ہوئی اور میں نے کتاب لکھنی شروع کر دی ۔ یہ کتاب حضرت قدس سرہٗ کے صد سالہ عرس شریف کے وقت ۱۴۱۳ھ میں

مکمل ہوچکی تھی جسے میں نے والدی حضرت شہنشاہ قادری کو ملاحظہ کے لئے پیش کیا۔حضرت نے بعض ترمیمات کا حکم دیا لیکن اس کے بعد مصروفیات کچھ ایسی رہیں کہ کتاب پر نظر ثانی نہ ہوسکی۔کچھ عرصہ بعد ماہنامہ ''محبوب'' کی جانب سے اس کو ہر مہینہ قسط وار شائع کرنے کی پیشکش ہوئی چناں چہ والدی کے حسب الحکم ضروری ترمیمات کے بعد ایک ایک باب ہر مہینہ شائع ہوتا رہا۔ یہ سلسلہ باب ۹ ''بیکار گفتگو'' تک جاری رہا پھر ناگزیر وجوہات کی بناء پر موقوف ہوگیا جس کے بعد لوگوں کا اصرار بڑھا کہ اس کو کتابی شکل میں شائع کیا جائے ۔ دوسری طرف عم محترم حضرت ڈاکٹر سید عبدالقادر حسینی مدظلہٗ کا حکم تھا کہ اس کی طوالت کو نصف حد تک گھٹا دیا جائے چناں چہ جو کتاب تقریباً ۲۵۰ صفحات کا احاطہ کرتی تھی ۱۲۵ صفحات میں سمو دی گئی ۔

کتاب کا نام ''گلدستہ ارشادات''حضرت خواجہ محبوب اللہؒ کی سوانح حیات'' ''گلدستہ تجلیات'' کے وزن پر تجویز کیا گیا تھا لیکن جب گلدستہ ارشادات کے اعداد نکالے گئے تو حیرت کی انتہا نہ رہی کہ بلا کسی کوشش اور تکلف کے تاریخ ۱۴۲۶ھ نکل آئی ۔ جب اس کی اطلاع میں نے عم محترم حضرت ڈاکٹر عبدالقادر حسینی مدظلہٗ کو دی تو آپ نے فرمایا بلا تاخیر اسی سال اس کتاب کو شائع کردینا چاہیے چنانچہ عم محترم حضرت مولانا سید شاہ محمد صدیق حسینی مدظلہٗ اور والدی حضرت مولانا شہنشاہ قادری مدظلہٗ نے بھی طباعت کی منظوری دے دی۔

اللہ تعالیٰ سے امید ہے وہ میری اس حقیر خدمت کو قبول کرے گا اور کوئی فروگزاشت ہوجائے تو اس کو معاف کرے گا۔ اور شارح وقاری کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عنایت فرمائے گا۔

بندۂ ہیچمدان

ڈاکٹر احمد حنبلی عفا اللہ تعالیٰ عنہ
آغوش یحییٰ قاضی پورہ حیدرآباد

المرقوم
ذیقعدہ ۱۴۲۶ھ م ڈسمبر ۲۰۰۵ء

ارشادات حضرت خواجہ محبوب اللہ قدس سرہٗ

بیک نظر

(ماخوذ از ماموراالوظائف)

اللهم صل وسلم علی النبی الامی و اله.

اس درود شریف کو روز گیارہ سو بار پڑھے۔ اگر کسی دن فرصت نہ ہو تو تین سو بار یا جس قدر ہو سکے پڑھے۔ ناغہ نہ کرے اور فرصت کے وقت اس کی قضاء کرے۔ **یا محمد صدیق محبوب اللہ** اس نام کو گیارہ سو بار پڑھنا ضروری ہے[1] اگر اس سے زیادہ بھی ہو سکے تو بہتر ہے۔ ہر وقت اپنے دم پر خیال رکھے۔ جب دم اوپر آوے تو اللہ کا خیال کرے اور جب نیچے اترے تو اللہ کا خیال کرے زبان سے کہنا ضروری نہیں فقط تصور رہے۔ اس کو پاس انفاس کہتے ہیں یہ ذکر سہل اور بے مشقت ہے بیٹھے لیٹے چلتے پھرتے کہیں ہو کسی حال میں ہو اس کا خیال نہ چھوڑے اس کو کوئی کام بھی مانع نہیں ہاں البتہ دل کے خطرات اس کو مانع ہیں جب دل میں دوسرے خیالات آتے ہیں تو ذکر رک جاتا ہے اور جب تک ذکر جاری رہتا ہے کوئی خیال نہیں آنے پاتا۔

صورت مرشد کا خیال شغل برزخ کہلاتا ہے یہ خدا سے ملنے کا بہت نزدیک کا راستہ ہے۔ روز جب چاہے اس تصور کو جمایا کرے خصوص مغرب کی نماز کے بعد کبھی ناغہ نہ کرے جمعہ کی شب کو تو لازم سمجھے۔ مگر یہ سب باتیں یعنی ذکر کا جاری رہنا اور برزخ کا جمنا اور خدا کی طرف توجہ کا کامل ہونا، اور دنیا سے بے التفات ہونا جب ہی ہوتا ہے کہ آدمی کبیرہ گناہوں سے اور صغیرہ سے بھی جس قدر ہو سکے بچے۔

---

[1] یہ حکم صرف حضرت کے سلسلے سے وابستہ افراد کے لئے ہے۔

تکبر سب سے بڑا گناہ ہے اپنے کو اچھا سمجھنا حماقت ہے۔ اس سے عمل ناچیز ہو جاتے ہیں جو لقمہ پیٹ میں جاتا ہے اپنا اثر دکھلاتا ہے حلال روزی باعث خیر ہے اور لقمۂ حرام باعث ظلمت اور موجب فساد ہے۔ ایک پیسے کے عوض کئی مقبول نمازیں برباد ہوتی ہیں۔ مسلمانوں کو اچھی تدبیر سکھانا واجب ہے جس رسم و عادات کا شرع میں اچھا یا برا ہونا معلوم نہ ہو اس میں دخل نہ دے نہ کسی کو اس کا حکم کرے نہ انکار جب تک کہ معلوم نہ ہو جائے جتنے لوگ رسم و عادات کے پابند ہیں ان کو آدمی نہ سمجھے اور ان سے نہ شرمائے نیک کام کسی کے دکھانے کو نہ کرے اس کو ریا کہتے ہیں ذرا سا کام بھی خالص خدا کے لئے ہو تو وہی باعث نجات ہوگا۔ جھوٹ غیبت حسد بیکار گفتگو دل کا نور کھوتے ہیں۔ سلوک کی دس منزلیں ہیں:

(۱) تواضع (۲) صبر (۳) شکر (۴) قناعت (۵) عزلت (۶) خدا کی محبت (۷) ذکر (۸) رضائے حق پر راضی رہنا (۹) خدا سے ہر حال میں ڈرتے رہنا اور اسی سے امید رکھنا (۱۰) خدا پر بھروسہ کرنا۔ یہ سب ترقی کے مقامات ہیں سب کا خلاصہ اچھوں کی صحبت میں ہے جو مرید کہ بعد طلب کے پھر اپنے قدیم صحبتوں کو نہ چھوڑے وہ بالکل فیض سے محروم ہے۔ ضرورت کے قدر ان سے ملنا ناچاری ہے۔ اس سے بڑھ کر جائز نہیں۔ اپنے کام میں اللہ سے ہر وقت مدد چاہے اور ہر سبب کو جو خدا سے دور کرتا ہے قطع کرنا چاہئے اور یقین کرے کہ جو کچھ بھلائی ہے خدا کا حکم بجالانے میں ہے اور جس قدر برائی ہے وہ لوگوں کی رائے پر چلنے میں اس زمانے میں کوئی ایسا نہ ہوگا کہ مسلمان کو سیدھا راستہ بتادے ہر ہر اپنے خبط میں گرفتار ہے اس سے بہتر یہ ہے کہ سوائے اپنے مرشد یا رفیق راہ خدا کے کسی نہ سنے۔

ایضاً ارشادات

سلام سنت اسلام اور شرع کی بہت عمدہ بات ہے اس کا ترک کرنا برا ہے ابتدا تو سنت ہے اور جواب فرض ہے۔ مصافحہ عالم اور سید اور دیندار سے بہتر ہے۔ آپس میں دوست بھی

کریں تو جائز ۔مصافحہ ہاتھ میں ہاتھ ملانے کو کہتے ہیں ۔ایک دوسرے کے ہاتھ کو پیار کرنا سونگنا بیکار بات ہے ۔بعضے احمق تو اپنے ہی ہاتھ کو پیار کرتے ہیں ہاں کوئی عالم یا سید یا ماں باپ یا مرشد یا استاد ہوتو مضائقہ نہیں مگر ہر وقت مصافحہ اور تقبیل حماقت ہے ۔سلام سیدھے کھڑے ہوکے کرے پشت کو خم کرنا نہ چاہئے پاؤں پر ہاتھ پھیرنا یا پاؤں کو پیار کرنا کوئی ضروری نہیں ۔کسی کی تعظیم سروقد کھڑے ہوکر مسنون نہیں ۔جو اس کے خلاف کہے وہ ناپسند بات ہے ۔ہاں کسی کی دینداری اور بزرگی کے لئے جائز ہے فرض وسنت نہیں یہ جو اپنے بزرگوں کے لئے کرتے ہیں کہ جب وہ مجلس سے اٹھ کر جاوے تو سب اٹھتے ہیں اور پھر آئے تو سب اٹھتے ہیں بری بات ہے ۔ایسے تکبر کی باتوں سے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے مرشد اور اس کے مرید لوگ دونوں احمق ہیں جو اس کو جائز کہتے ہیں ۔غرض میری کہنے سے یہ ہے کہ اب سے کوئی جھک کر سلام کرے یا روز مصافحہ لازم سمجھے یا پاؤں کو ہاتھ لگائے یا تعظیم کو اٹھے وہ میرا مخالف ہے والسلام تحریر فی التاریخ ۱۵رشوال ۱۳۱۴ھ ۔

(ماخوذ از گلدستہ تجلیات)

جس طرح نوافل وفرائض میں فرق ہے اسی طرح قرب نوافل وقرب فرائض میں بھی ہے ۔اگر کوئی کام استخارہ قلبی سے کیا جائے تو وہ قرب فرائض میں داخل ہوگا ورنہ قرب نوافل میں ۔پس ہر کام میں استخارہ کرلیا کرو ۔

باب《۱》

درود شریف

حضرت خواجہ محبوب اللہؒ نے اپنے خاص ارشادات سے قبل درود شریف اللھم صل وسلم علی النبی الامی والہ کو روزانہ گیارہ سو مرتبہ پڑھنے کی تاکید فرمائی ہے اور عدیم الفرصتی کی صورت میں تین سو بار یا جس قدر ہو سکے پڑھے مگر ناغہ نہ کرنے کا حکم دیا۔ اس کے علاوہ فرمایا کہ فرصت کے وقت اس کی قضا کرے۔ یعنی عدیم الفرصتی کی صورت میں جس قدر چھوٹ گیا ہو اس کی فرصت کے وقت قضا بھی کرے۔ اب یہاں چند سوالات پیدا ہوتے ہیں:

(۱) درود شریف کے لئے اس قدر اصرار و تاکید کی کیا وجہ ہے؟

(۲) درود شریف کئی ہیں لیکن اسی درود شریف کو پڑھنے کا حکم کیوں دیا جا رہا ہے؟

یہ بات تو ہر مسلمان جانتا ہے کہ درود شریف کے بے شمار فضائل ہیں بلکہ یہ وہ عبادت ہے جس میں بندوں کے ساتھ ان کا رب بھی شریک ہے۔ قرآن مجید کی آیت ان اللہ وملئکتہ ......الخ کی تفسیر میں مفسرین نے لکھا ہے کہ عمر میں ایک بار درود شریف پڑھنا فرض ہے اور جب جب یہ آیت تلاوت کی جائے تو درود شریف پڑھنا واجب ہے اور جتنے مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لیا جائے اتنے مرتبہ درود پڑھنا مستحب ہے۔

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ نے ''کیمیائے سعادت'' میں ایک حدیث شریف نقل فرمائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن باہر تشریف لائے تو مسرت و شادمانی کا اثر نمایاں طور پر آپ کے چہرہ مبارک پر ظاہر تھا۔ فرمایا جبرئیل آئے تھے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ کیا آپ اس بات کو پسند کریں گے کہ آپ کی امت میں سے جو شخص ایک بار آپ پر درود بھیجتا ہے میں دس

مرتبہ اس پر رحمتیں نازل کرتا ہوں اور اگر ایک بار آپ پر سلام بھیجے تو میں دس بار اس پر سلام بھیجتا ہوں۔

حکایت ہے کہ ایک شخص حضورؐ پر درود شریف نہیں بھیجتا تھا۔ ایک رات اس نے خواب میں حضورؐ کو دیکھا کہ آپ نے اس کی طرف توجہ نہ فرمائی۔ اس آدمی نے عرض کیا ''کیا حضورؐ مجھ سے ناراض ہیں''؟ آپ نے جواب دیا نہیں' میں تو تجھے پہچانتا ہی نہیں۔ عرض کیا حضورؐ مجھے کیسے نہیں پہچانتے حالانکہ علماء کہتے ہیں کہ آپ تو امتیوں کو ان کی ماں سے بھی زیادہ پہچانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا! علماء نے سچ کہا ہے لیکن تو نے مجھے درود بھیج کر اپنی یاد نہیں دلائی۔ میرا جو امتی مجھ پر جتنا درود بھیجتا ہے میں اسے اتنا ہی پہچانتا ہوں۔ اس شخص کے دل میں بات بیٹھ گئی اور اس نے روزانہ سو مرتبہ درود شریف پڑھنا شروع کر دیا۔ کچھ مدت بعد حضورؐ کے دیدار سے پھر خواب میں مشرف ہوا۔ آپ نے فرمایا۔ اب میں تجھے پہچانتا ہوں اور میں تیری شفاعت کروں گا۔

درود شریف کے اتنے فضائل ہیں کہ ان کو جمع کریں تو ایک مستقل کتاب تیار ہو جائے حضرت علامہ محمد انوار اللہ فاروقی فضیلت جنگ بانی جامعہ نظامیہ نے اپنی ایک مسدس میں فرمایا ہے کہ ؎

ہے درود پاک بھی ذکر شہ عالی مقام ہر طرح سے جس کا خالق کو ہے منظور اہتمام
بھیجتا ہے خود درود اس فخر عالم پر مدام اور فرشتے دائما مشغول ہیں جس میں تمام
کیسی طاعت ہوگی وہ جس میں ہو خود حق بھی شریک
ہے جو طاعت سے بری جس کا نہیں کوئی شریک

اور پھر خود ہی اس بند کی تشریح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک کو ایسی کچھ رفعت دی ہے کہ کسی کو وہ بات نصیب نہیں۔ اس ذکر خاص کی بدولت فقر دفع ہوتا ہے، رزق کشادہ ہوتا ہے بلکہ تمام امور کے لئے اس میں کفایت ہے۔ اس کا ثواب پہاڑوں برابر صدقہ دینے اور کئی غلام آزاد کرنے کے مساوی ہے بلکہ تمام روئے زمین پر کے لوگ جتنا عمل کریں سب کے کے برابر ہے اس کے سبب سے ہزار ہا نیکیاں لکھی جاتی ہیں' ہزار ہا گناہ مٹائے جاتے ہیں' درجے بلند کئے

جاتے ہیں۔آنحضرتؐ کا ذکر کرنے والا مرنے سے قبل اپنا مقام جنت میں دیکھ لے گا۔آنحضرتؐ کی شفاعت اور قربت اس کو نصیب ہوگی۔آخرت کے تمام کام اس پر آسان ہوں گے۔

جب خود خدائے تعالیٰ اور تمام ملائک آنحضرتؐ پر ہمیشہ درود بھیجتے ہیں تو امتیوں کو چاہئے کہ بطریق اولیٰ اس میں مشغول رہیں کیونکہ آنحضرتؐ کے جو جو احسانات امتیوں پر ہیں وہ اظہر من الشمس ہیں۔اگر انھیں فکر رہی تو ہماری بخشش کی۔دعائیں فرمائیں تو ہماری مغفرت کے لئے۔ہمیشہ ہماری بھلائی کی ہی فکر میں گزاری۔اب ایسا کون کمبخت ہے جو اپنے محسن کے احسانوں کو بھول جائے۔خدائے تعالیٰ اور فرشتے تو ہمارے نبیؐ کے ذکر خیر میں رہیں اور بڑی شرم کی بات ہے کہ احسانوں کے باوجود ہم سے یہ بھی نہ ہو سکے۔

آنحضرتؐ جب سے تشریف فرمائے خلق ہوئے ہیں ایک فرشتہ خاص اسی کام پر مقرر ہے کہ جب کوئی حضرتؐ پر درود پڑھتا ہے تو وہ فرشتہ گویا کہ اس کے شکریہ میں کہتا ہے کہ تجھ پر بھی حق تعالیٰ رحمت کرے چنانچہ کنز العمال میں حضرت ابوطلحہ انصاریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا جبرئیل نے میرے پاس آکر کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو امتی آپ کا آپ پر درود پڑھے تو حق تعالیٰ اس کے بدلے اس کے نامہ اعمال میں دس نیکیاں لکھتا ہے' دس گنا مٹاتا ہے دس درجہ بڑھاتا ہے اور فرشتہ اس کے حق میں وہی کہتا ہے جو وہ آپ کے لئے کہتا ہے۔میں نے کہا اے جبرئیل !فرشتہ کیسا؟ تو کہا حق تعالیٰ نے جب سے آپ کو پیدا کیا ہے ایک فرشتہ قیامت تک متعین ہے اس غرض سے کہ جو امتی آپ پر درود پڑھے تو وہ فرشتہ کہتا ہے کہ تجھ پر بھی خدا رحمت کرے۔

الوسیلۃ العظمیٰ میں ہے حضرت حسن بن علیؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میرے لئے دو فرشتے مقرر کئے ہیں کہ جب کسی مسلمان بندہ کے آگے میرا ذکر کیا جاتا ہے اور وہ مجھ پر درود پڑھتا ہے تو دونوں فرشتے کہتے ہیں **غفر اللہ لک** یعنی اللہ تجھ کو بخش دے۔پھر خود حق تعالیٰ اور دوسرے فرشتے اس کے جواب میں آمین کہتے ہیں اور جس نے

میرا ذکر سن کر درود نہ پڑھا تو وہ دونوں فرشتے کہتے ہیں اللہ تجھ کو نہ بخشے اور اللہ تعالیٰ اور دوسرے فرشتے اس کے جواب میں آمین کہتے ہیں۔ (اس کو طبرانی نے روایت کی ہے اور اسی مضمون کی ایک اور روایت تفسیر قرطبی میں بھی مذکور ہے)

حضرت عامر بن ربیعہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ جو بندہ مجھ پر درود پڑھتا ہے فرشتے اس کے حق میں اس وقت تک دعا کرتے رہتے ہیں جب تک وہ درود پڑھتا رہتا ہے۔ اب چاہیں درود زیادہ پڑھیں یا کم (احمد، ابن ماجہ)۔

کنز العمال میں ایک حدیث شریف مذکور ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ جب کوئی بندہ مجھ پر درود پڑھتا ہے تو اس کو ایک فرشتہ لے کر اللہ تعالیٰ کے روبرو حاضر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس کو میرے بندہ یعنی آنحضرتؐ کی قبر (اطہر) کی طرف لے جاؤ تاکہ وہ اس کے کہنے والے کے حق میں استغفار کریں اور اس سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کریں۔

اب اس اہتمام اور فضل کو دیکھئے کہ قبل اس کے درود کا ہدیہ سرور عالمؐ کی بارگاہ میں پیش ہو حق تعالیٰ عزت افزائی کے لئے اپنی بارگاہ میں طلب کرتا ہے اور اس ارشاد کے ساتھ اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور میں روانہ فرماتا ہے کہ اس کے بھیجنے والے کو وہ دعائے خیر کے ساتھ یاد فرمائیں۔ سبحان اللہ! کیا عظیم الشان ذریعہ ہے جو کسی کو نصیب نہ ہوا۔ اگر ہم درود شریف پڑھا کریں تو ہمارا ذکر خیر عالم ملکوت میں ہونے لگے۔ فرشتے ہمارے حق میں دعائے خیر کیا کریں اور خود رب العالمین لفظ آمین ارشاد فرمائے۔

بہر حال فضیلت درود شریف میں احادیث اس کثرت کے ساتھ آئیں ہیں کہ ان کا احاطہ کرنا ایک مستقل کتاب کی وسعت مانگتا ہے اور خیر القرون سے لے کر آج تک علمائے اسلام نے درود کے ورد کی اہمیت پر کتابیں تصنیف کی ہیں۔ بانی جامعہ نظامیہ حضرت فضیلت جنگ علیہ الرحمہ کی معرکتہ الآراء کتاب ''انوار احمدی'' ان میں سے ایک ہے۔

اب رہا دوسرا سوال کہ حضرت خواجہ محبوب اللہؒ کے فرمودہ درود شریف کی کیا خصوصیت

ہے تو حضرت پیرومرشد حافظ سید محی الدین قادری علیہ الرحمہ نے اسکے دو جوابات دیئے ہیں:

(۱) یہ درود شریف مختصر اور جامع ہے۔ کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ مرتبہ پڑھا جاسکتا ہے۔

(۲) یوں تو شریعت مطہرہ میں حضورؐ کے نام مبارک کو چلتے پھرتے پڑھنے سے متعلق کوئی ممانعت نہیں آئی ہے لیکن آداب رسالت کو مدنظر رکھتے ہوئے بعض بزرگوں نے کہا ہے کہ جس درود شریف میں سرکارِ دوعالم کا نام مبارک ہو اس کو چلتے پھرتے نہیں پڑھنا چاہئے کیوں کہ یہ ایک قسم کی سوء ادبی ہے اور سرکار کا معاملہ بہت نازک ہے۔ اس بارگاہ میں ذرا سی بھی سوء ادبی ہو تو پروردگار عالم ناراض ہوجاتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں سرکارؐ کے آداب بتاتے ہوئے سورۃ حجرات میں ان تحبط اعمالکم کی دھمکی دی گئی ہے یعنی اگر تم ان کے آداب کو ملحوظ نہ رکھو گے تو تمہارے اعمال و نیکیاں ضبط کرلئے جائیں گے۔ پروردگار عالم کی شان میں جو بھی گستاخی کی جاتی ہے اگرچہ وہ بھی گستاخی ہی ہے اور قابل گرفت ہے مگر اس کی شان بے نیاز اور ذات ہر قسم کے علائق سے پاک ہے جس کی وجہ سے وہ گستاخی اس تک نہیں پہنچتی۔ برخلاف اس کے سرکار کی شان بشری میں جلوہ فرمائی ہے۔ اسی بناء پر بعض عارفوں نے کہا ہے:

با خدا دیوانہ باش و با محمدؐ ہوشیار

مختصر یہ ہے کہ حضرت خواجہ محبوب اللہؒ کا ارشاد فرمودہ درود ان دونوں پہلوؤں کو لیا ہوا ہے۔ ایک تو مختصر ہے اس لئے زیادہ سے زیادہ مرتبہ پڑھا جاسکتا ہے اور دوسرے سرکارؐ کا اسم مبارک اس میں نہیں مگر نبی امی کے لفظ سے وہ خصوصیت بھی ظاہر ہوجاتی ہے جو سرکارؐ کے لئے خاص ہے۔ اب ہوسکتا ہے کہ یہاں کوئی سوال کر بیٹھے کہ جب شرع میں اس کی اجازت دی گئی ہے تو اس کو اپنے اوپر منع کرلینا کہاں تک درست ہے؟

تو اس کا جواب صرف اتنا ہے کہ طریقت میں آداب کی بڑی اہمیت ہے۔ معاملہ صرف جواز یا عدم جواز کا نہیں ہے۔ بلکہ معاملہ پاس ادب اور احتیاط کا ہے۔ اس کی مزید وضاحت

کے لئے اتنا عرض کرتا ہوں کہ حدیث شریف میں مذکور ہے کہ ایک صحابی نے حضورؐ سے مصافحہ کرنے سے صرف اس لئے اپنے آپ کو روک لیا تھا کہ وہ حالت جناب میں تھے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ مسلمان نجس نہیں ہوتا۔ دوسری طرف شواہد النبوۃ ص ۳۳۲ ملاحظہ کیجئے حضرت ابو بصیرؓ کا بیان ہے کہ میں حالت جنابت میں تھا۔ حمام میں جانے کے لئے باہر آیا۔ میں نے دیکھا کہ بہت سارے لوگ حضرت امام جعفر صادقؓ کی زیارت کے لئے ان کے مکان پر جارہے ہیں۔ میں بھی ان کے ساتھ ہولیا۔ جب ہم حضرت کے دولت خانہ پر حاضر ہوئے تو آپ کی نظر مجھ پر پڑی۔ آپ نے فرمایا اے ابو بصیر! تمہیں شائد معلوم نہیں کہ پیغمبر اور ان کی آل و اولاد کی قیامگاہوں پر جنابت کی حالت میں نہیں آنا چاہئے۔ ان دونوں واقعات میں بظاہر تضاد نظر آتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ شریعت کی تعلیم تھی جو عام مسلمانوں کے لئے ہے اور یہ طریقت کی تعلیم ہے جو اہل ادب کے لئے ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

آؤ کہ اہتمام کریں ہم درود کا — جس میں نہ شائبہ بھی ہو نام ونمود کا
خالق کے ساتھ ساتھ فلک پر ملائکہ — کرتے ہیں اہتمام ہمیشہ درود کا
بھیجا جو اک درود تو دس رحمتیں ملیں — احساں نہیں تو کیا ہے یہ رب ودود کا
اس پر درود ہم جو نہ بھیجیں تو حیف ہے — وہ ذات جو سبب ہے ہمارے وجود کا

الا من ارتضٰی سے یہ ظاہر ہے احمدا
عالم ہے میرا یار بھی غیب و شہود کا

باب ﴿۲﴾

پاس انفاس

حضرت خواجہ محبوب اللہؒ نے پاس انفاس کی مختصر الفاظ میں جامع تعریف بھی ارشاد فرمادی اور اس کا طریقہ بھی بیان فرمادیا۔ الفاظ اتنے سہل اور واضح ہیں کہ اس کی مزید تشریح کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ فرماتے ہیں: ''ہر وقت اپنے دم پر خیال رکھو۔ جب دم اوپر آئے تو اللہ خیال کرو اور جب دم نیچے اترے تو اللہ خیال کرو۔ زبان سے کہنا ضروری نہیں۔ فقط تصور کافی ہے۔ اس کو پاس انفاس کہتے ہیں۔'' گویا اپنے دم پر خیال رکھنا ہی پاس انفاس کہلاتا ہے اس طرح کہ ہر سانس میں اللہ کا خیال کریں اس میں زبان سے کہنا ضروری نہیں ہوتا۔

اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی تعریف فرمائی جو لیٹے بیٹھے چلتے پھرتے اللہ کے ذکر کا اہتمام کرتے ہیں: ''ویذکرون اللّٰہ قیاما وقعودا وعلی جنوبھم ...... الخ'' یہاں لفظ ذکر میں تمام اقسام کے ذکر شامل ہے۔ پاس انفاس بھی ایک قسم کا ذکر ہے لیکن اس ذکر کی خصوصیت کے بارے میں حضرت خواجہ محبوب اللہؒ نے فرمایا ہے کہ ''یہ ذکر سہل اور بے مشقت ہے۔ لیٹے بیٹھے چلتے پھرتے کہیں ہو کسی حال میں ہو اس کا خیال نہ چھوڑے۔ اس کو کوئی کام بھی مانع نہیں۔ ہاں البتہ دل کے خطرات اس کو مانع ہیں۔ جب ''دل میں دوسرے خیالات آتے ہیں تو ذکر رک جاتا ہے اور جب تک ذکر جاری رہتا ہے کوئی خیال نہیں آنے پاتا۔''

جب زبان سے کہنا ضروری نہیں۔ صرف تصور کافی ہے تو کسی کام میں رکاوٹ کا باعث نہیں بنتا۔ دنیا کے کام چلتے رہتے ہیں اور ذکر اپنی جگہ جاری رہتا ہے۔ گویا یہ وہ عبادت ہے

جس کے لئے کسی جگہ کسی وقت یا فرصت کی شرط نہیں اور کسی مشقت کی ضرورت نہیں ۔ لیکن جو علت اس کی راہ میں حائل ہے وہ دل کے خطرات ہیں ۔

سعادت کی راہ میں حائل ہونے والی ہر علت خواہ ذرہ برابر ہی کیوں نہ ہو اور بہشت کے راستے کو اوجھل کرنے والی ہر شئے خواہ کتنی ہی حقیر کیوں نہ ہو اس کا علاج فرض عین ہے اور ہر علت کا علاج یہی ہوتا ہے کہ اس کے اسباب کو زائل کر دیا جائے ۔

چنانچہ یہ جان لینا از بس ضروری ہے کہ دل کے خطرات کیا ہوتے ہیں اور ان کو زائل کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

بحر العلوم حضرت مولانا محمد عبد القدیر صدیقیؒ نے ''المعارف'' اور ''نظام العمل فقراء'' میں خطرات اور دفع خطرات کے بارے میں تفصیل سے بیان فرمایا ہے ۔ ہم یہاں اس کی تلخیص پیش کرتے ہیں :

> **''یاد رکھو! سالک جب راہ خدا میں قدم رکھتا ہے اور نیک عمل کا ارادہ کرتا ہے اور ذکر و شغل کے ذریعہ تہذیب نفس کا خواہش مند ہوتا ہے تو اس کے دونوں دشمن یعنی شیطان اور نفس جو گھات میں بیٹھے اس کو راہ حق سے پھیرنے اور عمل خیر سے روکنے میں کوشاں ہوتے ہیں ۔ یہی خطرات ہیں ۔ عمر اور زندگی برباد کرنے والے یہ بے فائدہ خطرات دنیا کا بھی نقصان کرتے ہیں اور آخرت کا بھی ۔''**

خطرات کی ویسے چار قسمیں ہیں لیکن یہاں جس خطرہ سے بحث ہے وہ خطرہ شیطانی ہے ۔ خطرہ شیطانی کا کام خدا سے بدعقیدہ بنانا' اس کی یاد سے روکنا' ایمان میں شک پیدا کرنا' طرح طرح کے وسوسے ڈالنا اور لہو و لعب میں ایسا مشغول کر دیتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کی طرف

توجہ نہ کر سکے۔ یہ خطرہ تا دم آخر ساتھ رہتا ہے۔ اس سے ہمیشہ جہاد کی ضرورت ہوتی ہے۔

اگر چہ شریعت میں خطرات پر مواخذہ نہیں ہے لیکن اس کے نقصان رساں ہونے میں کوئی شک بھی نہیں۔ یہ خطرات، جنہیں آدمی غیر مضر سمجھ کر دفع نہیں کرتا، آدمی کو گناہوں سے اتنے مانوس کر دیتے ہیں کہ خطرات کو دل میں جگہ دینے والے کے لئے گناہوں سے بچنا بلسبت دوسرے کے مشکل ہوجاتا ہے۔ اس کے علاوہ شکوک و شبہات، تضیع اوقات اور دل کی بے اطمینانی۔ یہ تمام خطرات کے ثمرات ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ذہن نشین رکھنے کے لائق ہے کہ خطرہ وہ ہے جو آئے اور چلا جائے۔ اگر گناہ کا ارادہ کرلیا جائے تو اب وہ خطرہ نہیں رہتا بلکہ عزم کی شکل اختیار کرلیتا ہے اور عزم قابل معافی نہیں ہے۔ اس لئے کوشش یہی ہونی چاہئے کہ دل میں خطرے جگہ پکڑنے ہی نہ پائیں۔

آخر ان خطرات کو کس طرح دفع کیا جاسکتا ہے؟ حضرت بحرالعلوم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"دفع خطرات کے سلسلے میں ایک اہم اصول نظر بر قدم اور خلوت در انجمن ہے۔ ہمیشہ نیچی نگاہ رکھو، ادھر ادھر نہ دیکھو، چند روز اپنی نظر کی حفاظت کرو اور دوسروں کی نظر سے بچو۔ جب دل ایک نقطہ پر قائم ہوجائے گا حقیقت سامنے آجائے گی تو پھر کوئی چیز ضرر رساں نہ ہوگی۔ قسم قسم کے کھانے نہ کھاؤ۔ یہ کھانے کی رنگارنگی خیالات میں پراگندگی لاتی ہے۔"

حضرت خواجہ محبوب اللہؒ نے اپنے ارشادات کے بعد دفع خطرات کے لئے ان آیتوں کے ورد کرنے کا حکم دیا ہے:

(۱) ان یشا یذھبکم ویات بخلق جدید ط وما ذالک علی اللہ بعزیز ۝

(۲) ھو الاول والاخر والظاھر والباطن ط وھو بکل شئ علیم ۝

علماء نے کہا ہے کہ نماز کے درمیان بھی اگر خطرات ستانے لگیں تو یہ آیتیں پڑھی جاسکتی ہیں۔ اس

سے نماز کی صحت پر اثر نہیں پڑتا۔ اس کے علاوہ دفع خطرات کے لئے اپنی حالت کو بدل دینا یعنی کھڑے ہوں تو بیٹھ جانا یا بیٹھے ہوں تو کھڑے ہوجانا اور چلنا خطرات کو دور کرنے کا مجرب طریقہ ہے۔ **اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم** اور **لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم** پڑھنے سے بھی خطرات دور ہوتے ہیں۔ بہرحال جس طریقہ سے بھی ہو خطرات کو دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے تاکہ ذکر جاری رہ سکے۔

پاس انفاس

کریں گے التزام پاس انفاس ہو اس کی اہمیت کا جن کو احساس
سبھی کے واسطے ہے بے مشقت خواص الناس ہوں یا عامۃ الناس
زباں مطلوب ہوتی ہے نہ اعضاء قلم مطلوب ہوتا ہے نہ قرطاس
نہیں مصروفیت کوئی بھی مانع سدا رہتا ہے جاری پاس انفاس
اگر کچھ اس کو مانع ہے تو احمدؔ ہیں وہ خطرے جنھیں کہتے ہیں وسواس

باب ﴿۳﴾

تصورِ شیخ

حضرت خواجہ محبوب اللہ قدس اللہ سرہٗ نے ارشاد فرمایا: ''صورتِ مرشد کا خیال (تصور شیخ) شغل برزخ کہلاتا ہے۔ یہ خدا سے ملنے کا بہت نزدیک کا راستہ ہے۔ روزانہ جب چاہے اس تصور کو جمایا کرے خصوصاً مغرب کی نماز کے بعد کبھی ناغہ نہ کرے۔ جمعہ کی شب کو تو لازم سمجھے''

اب یہاں چند باتوں پر غور کرنا ضروری ہے:

(۱) تصور کی حقیقت کیا ہے؟

(۲) تصور شیخ کے جواز کی کیا دلیل ہے؟

(۳) برزخ کس کو کہتے ہیں؟

(۴) تصور شیخ کی اہمیت و افادیت کیا ہے؟

جب تک کسی چیز کی حقیقت معلوم نہ ہوگی اس پر عمل کرنا ممکن نہ ہوگا اور جب تک کسی چیز کی اہمیت و افادیت سے واقفیت نہ ہوگی آدمی اس پر عمل کرنے کی طرف راغب نہ ہوگا۔

تصور کی حقیقت: اصطلاح منطق میں ''اگر ذہن میں کوئی چیز آئے جو حکم سے بالکل خالی ہو یعنی کوئی چیز تنہا متصور ہو تو اسے تصور کہیں گے۔ اگر کئی چیزوں کا تصور ہو مگر ان میں کوئی نسبت نہ ہو تو یہ بھی تصور کہلائے گی۔'' (کما فی المرقاۃ)

بحر العلوم حضرت عبد القدیر صدیقیؒ فرماتے ہیں کہ ''انسانی جسم پر تصور کا بہت بڑا اثر ہوتا ہے۔ لفظ کے ساتھ معنی' معنی کے ساتھ مصداق اور مصداق کے ساتھ خیال آتا ہے۔ شیر کے

تصور سے ہیبت ہوتی ہے' دوست کے تصور سے خوشی کا اور دشمن کے تصور سے غصہ کا جذبہ پیدا ہوگا۔'' (نظام العمل فقراء)

شیخ یا شیخ الشیخ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مبارکہ کے اپنے خیال میں جمانے کو تصور شیخ کہتے ہیں۔

تصور شیخ کے جواز کے دلائل :۔ (۱) عن الحسن بن علیؓ قال سالت خالی هند ابی هالة وكان وصافا عن حلية النبي صلى الله عليه وسلم وانا اشتهى ان يصف لي منها شيئا اتعلق به ...... الخ۔ حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک دریافت کیا۔ وہ حضورؐ کے حلیہ مبارک کو بہت ہی وضاحت سے بیان کرتے تھے۔ مجھے یہ خواہش ہوئی کہ وہ ان اوصاف جمیلہ میں سے کچھ میرے سامنے بھی ذکر کریں تاکہ میں حضورؐ کے تصور سے وابستہ ہو جاؤں (شمائل ترمذی)۔

علامہ ملا علی قاریؒ نے ''جمع الوسائل فی شرح الشمائل'' میں اس حدیث کے تحت فرمایا: ای اتشبت بملك الوصف واجعله محفوظا في خزانة خيالي یعنی'' (تعلق به سے مراد ہے کہ) میں اس وصف کو مضبوطی کے ساتھ ذہن نشین کر کے اپنے خزانہ خیال میں محفوظ کر لوں۔''

اس سے ثابت ہوگیا کہ یہ حضرت حسنؓ کا معمول تھا۔ شیخ الدلائل عبدالحق مہاجر مدنی ''فرماتے ہیں کہ میں ایک دن مولانا شاہ عبدالغنی نقشبندی کے درس حدیث میں مسجد نبویؐ میں تھا۔ جس وقت قاری نے یہ حدیث پڑھی تو آپ نے فرمایا کہ یہ حدیث تصور شیخ کی دلیل ہے۔ (بحوالہ مخزن المعارف)۔

(۲) بخاری و مسلم کی ایک متفق علیہ حدیث صاحب مشکوۃ نے بیان کی ہے جس میں حضرت ابن مسعودؓ حضورؐ کے الفاظ نقل کرتے ہوئے اور اپنے جمے تصور کی تصویر کھینچتے ہوئے فرماتے ہیں ''كاني انظر الى رسول الله صلى الله عليه وسلم يحكي نبيامن الانبياء ضربه قومه

فوموه"۔ "گویا میں دیکھ رہا ہوں حضورؐ کی طرف کہ آپ انبیاء میں سے ایک نبی کا تذکرہ فرمارہے ہیں جنھیں ان کی قوم نے مار مار کر لہولہان کر دیا تھا" یعنی حدیث شریف کی روایت کرتے وقت حضرت ابن مسعودؓ حضورؐ کا ایسا تصور جمارہے ہیں گویا کہ حضورؐ کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں کیوں کہ کانی انظر کے الفاظ سے یہی ظاہر ہو رہا ہے۔

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ نے "کشف المحجوب" میں ایک حدیث شریف نقل فرمائی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "شیخ کا درجہ اپنی قوم میں وہی ہوتا ہے جو نبی کا اپنی امت میں ہوتا ہے۔"

(۳) خداوند قدوس نے حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ کے تحت فرمایا: ولقد همت به وهم بها لولا ان رای برهان ربه "زلیخا نے یوسف کے ساتھ ارادہ کیا اور یوسف بھی ارادہ کر لیتے اگر اپنے رب کے برہان (دلیل) نہ دیکھ لیتے۔"

اب رہا یہ سوال کہ وہ برہان کیا چیز تھی جس نے ایسے نازک مرحلہ پر یوسفؑ کی دستگیری کی۔ اس کو حضرت ابن عباسؓ کی زبان سے سنئے "مثل له یعقوب فضرب صدره فخرجت شهوته من انامله" (تفسیر صاوی) حضرت یعقوبؑ کی صورت حضرت یوسفؑ کے سامنے ظاہر ہوئی جس نے آپ کے سینہ پر ایک ضرب لگائی تو ان کی شہوت ان کی انگلیوں کی پوروں سے نکل گئی۔"

یعقوب علیہ السلام کی صورت کا یوسف علیہ السلام کے روبرو موجود ہو کر ان کی دستگیری کرنا یہی رابطہ یا تصور شیخ ہے کیوں کہ یوسف علیہ السلام کے لئے یعقوب علیہ السلام بمنزلہ شیخ کے ہیں۔

اس آیت سے اور اس کی تفسیر سے تصور شیخ کا ثبوت اور اس کا نافع ہونا روز روشن کی طرح ثابت ہوگیا اور کوئی آیت اس کو منسوخ نہیں کرتی۔ (معمولات الابرار)

فبهداهم اقتده آپ اگلے انبیاء کی سیرتوں کی پیروی کیجئے۔

تصورؒ علماء و فقہاء کے نزدیک :۔ (۱) علامہ شہاب الدین خفاجیؒ مدینہ منورہ کی حاضری کے ضمن میں فرماتے ہیں "یفرض ذلک ویمثله فکانه عنده" یہ فرض کرکے کہ میں حضوری میں ہوں اور صورت مقدسہ کا ایسا تصور جمائے گویا حضور اس کے پاس ہیں ۔(نسیم الریاض)

(۲) عالمگیری میں ہے :"یقف کما یقف فی الصلوة ویمثل صورته الکریمة البهیة کانه نائم فی لحده عالم به یسمع کلامه" اس طرح کھڑا ہو جیسے نماز میں کھڑا ہوتا ہے اور حضورؐ کی صورت کا تصور باندھے گویا آپؐ قبر اطہر میں آرام فرما ہیں اور اس کو جانتے ہیں اور اس کا کلام سنتے ہیں ۔(بحوالہ معمولات الابرار)

(۳) علامہ احمد بن محمدؒ فرماتے ہیں : ویمثل الزائر وجهه الکریم علیه الصلوة والتسلیم فی ذهنه ویحضر قلبه جلال رتبته وعلو منزلته و عظیم حرمته زیارت کرنے والا حضورؐ کے چہرہ کا تصور کرے اور دل میں آپ کے مرتبہ کی بزرگی اور قدر کی بلندی اور احترام عظیم کا خیال جمائے ۔(المواھب اللدنیۃ)

(۴) امام محمد ابن الحاج عبدری مکی قدس سرہٗ مدخل میں فرماتے ہیں "من لم یقدر له بزیارته صلی الله علیه وسلم بجسمه فلینوها کل وقت بقلبه ولیحضر قلبه انه حاضر بین یدیه متشفعابه الی من به علیه" جسے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار اقدس کی زیارت جسم سے نصیب نہ ہوئی وہ ہر وقت دل سے اس کی نیت رکھے اور دل میں یہ تصور جمائے کہ میں حضورؐ کی بارگاہ میں حاضر ہوں اور حضورؐ سے اس کی بارگاہ اقدس میں شفاعت چاہ رہا ہوں جس نے حضورؐ کی امت میں داخل فرما کر مجھ پر احسان کیا ہے" (بحوالہ الیاقوتۃ الواسطۃ)

یہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال ہی کے تصور کی نہیں بلکہ مزار اقدس کے تصور کی بھی اہمیت بتائی جارہی ہے ۔

حضرات صوفیہ کرام کا کوئی معمول بھی بال برابر شریعت کے مخالف نہیں لہٰذا ان بزرگوں کا تصورِ شیخ کے عمل پر اہتمام کے ساتھ عامل ہونا اور اپنے ارادت مندوں کو اس کی تلقین تاکید کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ عمل خلاف شریعت نہیں ہے۔

بحمدہ تعالیٰ دلائل واقوال ائمہ وعلماء اس مسئلہ میں اتنے کافی موجود ہیں کہ اگر ان کو نقل کیا جائے تو ایک مستقل رسالہ تیار ہو جائے لیکن اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے چند دلائل بیان کیے گئے ہیں۔

برزخ:۔ کے لغوی معنی ''روک'' کے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے بینھما برزخ لایبغیان○ اللہ تعالیٰ نے کن فرما کر تمام عالم کی تخلیق فرمائی۔ اس کے بعد عوالم کی ابتدا ہوئی۔ سب سے پہلے عالم اروا ہے۔ عالم ارواح صورت اور شکل سے پاک ہے۔ اس کے بعد عالم مثال ہے۔ اس میں رواح کو شکل وصورت دی گئی لیکن اس میں زمانہ اور وزن نہیں ہوتا۔ اس کے بعد عالم شہادت ہے۔ انسان کی پیدائش کے بعد سے مرنے تک کا زمانہ عالم شہادت کہلاتا ہے۔ اس میں صورت شکل زمانہ اور وزن ہر چیز ہوتی ہے۔ مرنے کے بعد قیامت قائم ہونے تک کا زمانہ عالم برزخ کہلاتا ہے۔ عالم برزخ گویا عالم آخرت کا مقدمہ ہے۔ عالم برزخ میں نیکوں کی حالت امیدواران سرفرازی کی اور بدوں کی حالت زیر دریافت مجرموں جیسی رہتی ہے۔ لہٰذا نیک اچھی حالت میں اور بد بری حالت میں رہتے ہیں۔

تصور شیخ کی اہمیت ومنفعت: تصور شیخ بوجہ رابطہ جسے شغل برزخ بھی کہتے ہیں شیوخ طریقت کے پاس بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ بعضوں کے نزدیک اسی پر ارادت وسلوک کا دارومدار ہے اور مرید کی نفع رسانی میں یہ صحبت شیخ کی طرح نفع بخش ہے چنانچہ حضرت خواجہ

محبوب اللہؒ نے فرمایا کہ یہ خدا سے ملنے کا بہت نزدیک کا راستہ ہے۔ مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کے قول سے بھی اس کی مزید تائید ہوتی ہے۔ ''اگر وہ عزیز (شیخ) غائب ہو تو اس کی صورت کو خیال میں لے کر تمام ظاہری و باطنی قوتوں کے ساتھ قلب صنوبری کی طرف متوجہ ہو اور جو خطرہ آئے اس کو دور کرے یہاں تک کہ غیبت اور بے خودی ظاہر ہو جائے اور ایسا بار بار کرنے سے اس میں مہارت پیدا ہو جاتی ہے اور خدا تک رسائی کے لئے اس سے زیادہ نزدیک کا کوئی راستہ نہیں ہے'' (''سر رشتہ دولت'' رسالہ جامی) مولانا شاہ عبدالعزیزؒ نے بھی اس راہ کو سب راہوں سے زیادہ قریب تر بتایا ہے (بحوالہ شفاء العلیل) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ''القول الجمیل'' میں فرماتے ہیں ''واذا غاب الشیخ عنه یتخیل صورته بین عینیه بوصف المحبة والتعظیم فتفید صورته ماتفید صحبته'' جب پیر اس کے پاس نہ ہو تو اس کی صورت کو اپنی دونوں آنکھوں کے درمیان بطریق محبت و تعظیم خیال کرتا رہے (یعنی تصور جمائے) تو اس کی خیالی صورت وہی فائدہ دے گی جو اس کی صحبت فائدہ دیتی ہے۔

بحر العلوم حضرت محمد عبدالقدیر صدیقیؒ تصور کی اہمیت بتاتے ہوئے فرماتے ہیں:
''مرشد کا تصور آئے گا تو ادب اور دلجمعی پیدا کرے گا اور ان اسرار کو جو مرشد میں موجود ہیں لے کر آئے گا تو اس سے عظیم الشان فائدہ ہوگا۔ مرشد عالم شہادت کا ہے عالم ناسوت کا ہے۔ اس کو ہمیشہ دیکھتے رہتے ہیں۔ اس کی صورت کا جم جانا آسان ہے۔ تصور شیخ سے عالم مثال جلد کھلتا ہے۔ بعض نادان تصور شیخ کو شرک' کفر خدا جانے کیا کیا کہتے ہیں۔ ان نادانوں کو عبادت کے معنی بھی نہیں معلوم۔ نادانوں کی سمجھ میں آئے نہ آئے ہم کو اپنا کام کرنا چاہئے۔

آئین محبت ہے عشاق کی عادت ہے
ہر ایک کی سن لینا اور دل کا کہا کرنا (نظام العمل فقرا)

امام اہل سنت علامہ احمد رضا خاں بریلویؒ فرماتے ہیں: ''تصور برزخ کا جواز نہ صرف

ثابت ہے بلکہ اس کے سوا اس کے اور بھی فوائد جلیلہ ہیں:

(۱) شغل برزخ کے ساتھ ذکر کرنا اور اطلاق آیت قرآنی کے تحت داخل ہے۔

(۲) مطلق ذکر پر قرآن وحدیث میں جو عظیم ترغیبیں آئیں اسے بھی شامل ہے۔

(۳) مطلق ہمیشہ اپنے اطلاق پر رہے گا اور اس کا حکم اس کے جمیع مقیدات میں۔ساری شرع میں صرف اس کی اجازت ان کی اجازت کے لئے کافی ہوگی جس کے بعد خصوصیات خاصہ کے ثبوت خاص کی حاجت نہیں۔مطلق اصول کو مطلق منطقی سمجھنا محض خطا ہے۔

(۴) نیک بات بالضمام اور ضائع خاصہ بد نہیں ہوسکتی جب تک کہ اس منضم میں کوئی محدود خاص شرع سے ثابت نہ ہو۔

(۵) قائل جواز کو صرف اسی قدر بس ہے کہ یہ مقید زیر مطلق داخل ہے۔جو ممنوع بتائے وہ مدعی ہے اور مدعی پر لازم ہے کہ وہ اپنا دعویٰ ثابت کرے یعنی منع ثابت کرے۔

اس طرح امام اہل سنت احمد رضا خاں بریلویؒ نے اپنے رسالہ "الیاقوتة الواسطة" میں جملہ ۱۵ فوائد ذکر کئے ہیں۔اب رہا یہ سوال کہ مریدین کو ذکر حق کی بجائے تصور شیخ کی تعلیم کیوں دی جاتی ہے۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب برے خیالات وخطرات کا ہجوم ہوتا ہے تو ذکر حق میں یکسوئی حاصل نہیں ہوپاتی۔لاکھ دفع کرنے کی کوشش کی جائے دفع نہیں ہوتے۔انسانی فطرت کے مطابق نفس بیک وقت دو جانب توجہ مرکوز نہیں کرسکتا۔اسی لئے دل کو ایسی طرف لگانا پڑتا ہے کہ خطرات سے توجہ ہٹے۔پیر و مرشد چوں کہ محسوس ومحبوب ہوتا ہے اس کا خیال جلد جم جاتا ہے اس لئے پیر کا تصور جمایا جاتا ہے اور خطرات رفع ہوجاتے ہیں اور پھر جیسا کہ پہلے بتایا گیا کہ پیر کے خیال کو جمانے سے وہ فائدہ حاصل ہوتا ہے جو پیر کی صحبت سے ہوتا ہے۔حضرت خواجہ احرارؒ نے فقرات میں یہاں تک ارشاد فرمادیا ہے کہ "پیر کا سایہ ذکر الٰہی سے بڑھ کر ہے" اور اس قول کو حضرت علی بلگرامیؒ نے "معمولات الابرار" میں ذکر کیا ہے۔اس کے

علاوہ تصور شیخ کے سبب مرید کا پیر و مرشد سے ربط و تعلق بڑھ جاتا ہے جس کی وجہ سے اعمال شیخ کی پیروی کا خیال ہونے لگتا ہے اور اعمال شیخ کی پیروی مرید کو ہزار جھمیلوں سے بچا کر سعادت کی راہ پر گامزن کر دیتی ہے۔

بقول حضرت کاملؒ ۔

میں نہ جانوں شریعت کی باریکیاں' معرفت اور طریقت کی سود و زیاں

ان جھمیلوں سے نسبت بچا لے گئی راہ میں جب حقیقت نما مل گیا

امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے "مکتوبات" میں تحریر فرمایا ہے:

"بلا تکلف تصور شیخ کا حاصل ہو جانا پیر و مرید کے درمیان کامل نسبت کی نشانی ہے جو فائدہ پہنچانے اور فائدہ حاصل کرنے کا ذریعہ اور سبب ہے اور خدا تک رسائی کا کوئی راستہ اس سے زیادہ نزدیک کا نہیں۔ جو باطنی طور پر بڑا اعلیٰ دولت مند ہوا ہی کو اس سعادت کی توفیق ملتی ہے۔" (جلد سوم۔ صفحہ ۱۸۷)

تاہم بلا تکلف تصور شیخ کا حاصل ہو جانا اتنا آسان نہیں۔ بالخصوص مجاہدہ کے ابتدائی دور میں جب خیالات کا ہجوم رہتا ہے تب تصور شیخ بے حد دشوار ہوتا ہے اس لئے ابتداء اً جد و جہد کی ضرورت ہوتی ہے۔

عم محترم حضرت مولانا سید محمد صدیق حسینی مدظلہٗ (سجادہ نشین بارگاہ محبوب اللہؒ) نے ایک مرتبہ وعظ میں اپنا ایک تجربہ بیان فرمایا:

"میں نے ابتداء میں جب تصور جانے کی کوشش کی تو تصور جمتا نہ تھا۔ چنانچہ بابا حضرت قبلہ (یعنی پیر و مرشد حضرت سید محی الدین حسینی قدس سرہٗ) سے عرض کیا تو حضرتؒ مجھے مسجد کے حوض کے پاس لے گئے اور فرمایا "ذرا پانی میں اپنے چہرے کا عکس تو دیکھو" میں نے عکس کو دیکھا۔ اس کے بعد لکڑی سے پانی کو حرکت دی اور

پھر فرمایا ''اب دیکھو'' چوں کہ پانی متحرک تھا اس لئے کچھ نظر نہ آتا تھا۔ میں نے عرض کیا ''اب تو کچھ نظر نہیں آتا تو فرمایا: دل کے آئینہ کا حال بھی کچھ اسی طرح ہے جب تک دل میں طرح طرح کے خیالات آتے رہیں گے گویا پانی متحرک رہے گا اور تصور نہ جم سکے گا۔ اس لئے پہلے خیالات کو رفع کرو پھر تصور جم جائے گا۔''

جب تک ہم اپنی آنکھ کی پتلی کو اوپر نیچے دائیں بائیں کرتے رہیں گے ہم کو کوئی چیز بھی نظر نہیں آئے گی۔ جب نظر ایک نقطہ پر قائم ہو جائے گی تب ہم کسی چیز کو دیکھ سکیں گے۔

حضرت مجدد الف ثانی رقم طراز ہیں کہ اگر ذکر کے وقت بھی پیر کی صورت (بے تکلف ظاہر ہو جائے تو شرک سمجھ کر دفع نہ کرو بلکہ) اس کو بھی قلب کے اندر لے جاؤ اور دل میں محفوظ رکھ کر ذکر کرو (اور یاد رکھو کہ) پیر وہ ہے کہ اس سے تم جناب باری تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ حاصل کرتے ہو اور اس راہ میں پیر کی مدد و اعانت پاتے ہو'' (مکتوبات جلد سوم مکتوب نمبر ۱۹)

مزید لکھتے ہیں کہ ''خواجہ محمد اشرف نے تصور شیخ کی مشق کے بارے میں لکھا تھا کہ اس حد تک غلبہ پا گئی تھی کہ وہ نمازوں میں بھی اس کو اپنا مسجود دیکھتے تھے۔ میرے دوست! یہ وہ دولت ہے کہ طالبین اس کی تمنا کرتے ہیں اور ہزاروں میں سے کسی ایک کو شاذ ہی عطا کی جاتی ہے۔ جس کو یہ معاملہ پیش آئے وہ کامل مناسبت والا صاحب استعداد ہے۔ ممکن ہے کہ شیخ مقتدا کی تھوڑی سی محبت سے وہ اپنے شیخ کے تمام کمالات کو حاصل کرے گا۔ تصور شیخ کو دفع نہ کرو کہ یہ مسجود الیہ ہے مسجود لہ نہیں۔ بہر حال اس قسم کی دولت سعادت مندوں کا حصہ ہے کہ وہ تمام حالتوں میں صاحب رابطہ کو اپنا وسیلہ جانتے ہیں اور تمام اوقات میں اسی طرف متوجہ رہتے ہیں۔''
(مکتوبات۔ جلد ششم۔ مکتوب نمبر ۳۰۔ دفتر دوم۔ مطبوعہ امرتسر)

الغرض جب تصور شیخ حاصل ہو جاتا ہے تو عجیب و غریب تماشے دکھائی دیتے ہیں۔ بے صورت کی صورت سامنے آجاتی ہے۔ عالم مثال کھل جاتا ہے۔ خیال اور قوی ہوتا ہے تو یہ

سمجھنے لگتا ہے کہ میں شیخ کی صورت میں ہوں۔ جب یہ خیال کامل ہو جاتا ہے تو مرید کی صورت و شکل میں شیخ کی جھلک معلوم ہونے لگتی ہے۔ دوسرے لوگ بھی یہ چیز محسوس کرنے لگتے ہیں۔ آواز بھی ملتی جلتی ہو جاتی ہے اور چال ڈھال میں بھی شیخ کا انداز آ جاتا ہے۔

جس کو دیکھوں وہ دیوانہ ہووے سب کو دھوکا تر امجھ پہ ہووے

میری مستی میں اتنا اثر دے تیری مست نگاہوں کے صدقے (حضرت ناطق)

''مظہر انوار میں مذکور ہے کہ جناب شاہ خواجہ خاں صاحبؒ جو حضرت یحیٰی پادشاہ قبلہ علیہ الرحمہ کے مرید وخلیفہ تھے ہمیشہ تصور شیخ میں رہتے تھے۔ نتیجتاً صورت شکل میں بالکل مختلف ہونے کے باوجود حضرت یحیٰی پادشاہ قبلہؒ کی بہت شباہت ان میں آ گئی تھی۔ (اکثر اصحاب کو ان پر حضرت کا دھوکا ہوتا تھا)

گلدستہ تجلیات صفحہ ۲۸۶ میں حضرت خواجہ محبوب اللہؒ کی شاعری کے زیر عنوان مضمون میں حضرت مولانا سید محمد صدیق محمودیؒ نے ایک شعر کی تشریح کے تحت لکھا ہے کہ تصور شیخ ہی سالک کے لئے سب سے پہلا زینہ ہے۔ جب توبہ وتقویٰ سے آئینہ دل کا زنگ دور ہو جاتا ہے تو تصور شیخ ہی اس میں جلا پیدا کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ آنکھوں سے اوجھل اور اس عالم کی چیزیں دیکھنے لگتا ہے اور اس کیفیت کے کھلنے کے بعد ہی اس پر تصور شیخ کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے۔ جب کسی سالک پر یہ کھل جائے تو کیوں نہ بے اختیار زبان سے نکل جائے ؎

آفریں اے تصور رخ یار

سینہ ام شکل آئینہ کردی (حضرت خواجہ محبوب اللہؒ)

باب ﴿۴﴾

کبائر و صغائر

حضرت خواجہ محبوب اللہ قدس اللہ سرہٗ نے پاس انفاس اور تصور شیخ پر مداومت کی تاکید کرنے کے بعد فرمایا کہ ''یہ سب باتیں یعنی ذکر کا جاری رہنا' برزخ کا جمنا' خدا کی طرف توجہ کامل ہونا اور دنیا سے بے التفات ہونا جب ہی ہوتا ہے کہ آدمی کبیرہ گناہوں سے اور صغیرہ سے بھی جس قدر ہو سکے بچے۔''

ویسے تو ہر وہ عمل جس سے شریعت نے منع کیا ہو گناہ ہے لیکن ان میں مختلف درجات ہیں۔ جن پر صرف کراہیت کا اظہار کیا گیا وہ مکروہ کہلاتے ہیں۔ پھر مکروہات کی بھی دو قسمیں ہیں:

مکروہ تنزیہی: مکروہ تنزیہی وہ ہے کہ جس کی ممانعت شفقتاً یا ادباً ہو۔ اس سے پرہیز کرنے والا ثواب حاصل کرے گا۔

مکروہ تحریمی: مکروہ تحریمی وہ ہے کہ جس کی ممانعت دلیل ظنی سے وجوباً ثابت ہو۔ اس سے بچنے والے کو ثواب ملے گا۔ کرنے والا والے پر عتاب ہوگا۔ صغیرہ گناہوں کی اصل تعداد کا کسی کو علم نہیں مگر اتنا بیان کیا جاتا ہے کہ کبیرہ گناہ کے سوا جتنے بھی گناہ ہیں سب صغیرہ ہیں۔ کبیرہ گناہ وہ ہے کہ جس کی ممانعت دلیل قطعی سے وجوباً ثابت ہو۔ اس سے بچنے والا ثواب پائے گا۔ کرنے والا عذاب کا مستحق ہوگا۔ یہاں تک کہ اس کی حرمت سے انکار کرنے والا کافر ہوگا۔ اسی کو حرام بھی کہتے ہیں۔ کبیرہ گناہ کی تعداد میں صحابہ کرام علیہم الرضوان کا اختلاف ہے۔ کبیرہ گناہ بعض نے سات کہے ہیں' بعض نے ستر بتائے ہیں۔ حضرت ابو طالب مکیؒ نے اپنی کتاب ''قوت القلوب'' میں احادیث و

قول صحابہ کو یکجا کرکے جو کبائر گنوائے ہیں ان میں سے چار کا تعلق دل سے ہے۔(۱) کفر و شرک (۲) صغیرہ گناہ پر اصرار (۳) یاس یعنی اللہ کی رحمت سے نا امید ہونا (۴) خوف خدا سے بے نیاز ہوجانا

چار کا تعلق زبان سے ہے: (۱) جھوٹی گواہی دینا کہ جس سے کسی کا حق چھین لیا جائے (یا کسی بے قصور کو مورد الزام ٹھہرایا جائے) (۲) کسی پر زنا کی تہمت لگانا کہ جس سے حد شرع قائم ہوجائے (۳) جھوٹی قسم کھانا کہ جس سے کسی کا حق ضائع ہوجائے (۴) جادو اور سحر۔

تین گناہ پیٹ سے متعلق ہیں (۱) شراب یا نشہ و مستی پیدا کرنے والی کسی بھی شئے کا استعمال (۲) یتیم کا مال کھانا (۳) سود کھانا۔ دو گناہ شرم گاہ سے متعلق ہیں (۱) زنا (۲) اغلام بازی[1]

دو گناہ ہاتھ سے تعلق رکھتے ہیں (۱) قتل اور خودکشی (۲) چوری جس سے حد شرع لازم آئے۔

ایک کا تعلق پاؤں سے ہے (۱) کفار سے مقابلہ کرتے ہوئے میدان جنگ سے بھاگ جانا (البتہ کافروں کی تعداد اگر دوگنی سے بھی زیادہ ہوتو ایسے میں بھاگ جانا درست ہے) ایک گناہ تمام بدن سے ہوتا ہے (۱) ماں باپ کو تکلیف دینا (یا رنج پہنچانا) بعض لوگ کہتے ہیں کہ کوئی گناہ بھی صغیرہ نہیں بلکہ جس میں "امر الٰہی کی مخالفت ہو وہ کبیرہ گناہ ہے" لیکن یہ قول قطعاً قابل قبول نہیں اس لئے کہ گناہ صغیرہ کا وجود قرآن سے ثابت ہے:

"ان تجتنبوا ماتنهون عنه نكفر عنكم سيئاتكم" (النساء)

(اگر تم گناہ کبیرہ سے بچو گے جن سے تمہیں روکا گیا ہے تو تمہاری غلطیوں کا ہم کفارہ کریں گے)

یہاں سیئات سے مراد صغیرہ گناہ ہی ہیں۔ حدیث شریف میں ہے حضرت ابوھریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: الصلوة الخمس والجمعة الى الجمعة يكفرن مابينهن ان اجتنب الكبائر پانچوں نمازیں اور جمعہ سے دوسرے جمعہ تک ان گناہوں کا جو ان کے درمیان ہو کفارہ ہوں گے۔ اگر گناہ کبیرہ سے اجتناب کیا جائے (رواہ مسلم)۔

---

[1] مخفی مبادکہ بعض علماء نے اغلام بازی کو لواطت اور اغلام باز کو لوطی کہنے سے سخت منع کیا ہے کیونکہ یہ ایک بدترین فعل ہے اور لوط نبی اللہ کا نام ہے۔ ایک بدترین فعل کو نبی کے نام سے منسوب کردینا محض اس لئے کہ اس کا آغاز قوم لوط نے کیا تھا انتہا درجہ کی گستاخی ہے)۔

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل خاص ہے کہ کبیرہ گناہوں سے بچنے والوں کے لئے فرض نمازوں کو صغیرہ گناہوں کا کفارہ بنادیتا ہے۔ تاہم جو لوگ باری تعالیٰ کی رضا کے مشتاق ہوتے ہیں وہ صغیرہ گناہوں سے بھی ویسے ہی بچتے ہیں جیسا کہ کبیرہ سے بچا جاتا ہے۔ کیونکہ بعض اسباب ایسے بھی ہیں جو صغیرہ گناہوں کو کبیرہ بنادیتے ہیں اور پھر اس کا خطرہ بہت بڑھ جاتا ہے۔ ایسے اسباب امام غزالیؒ نے چھ بتائے ہیں:

پہلا سبب یہ ہے کہ آدمی صغیرہ گناہ پر ہٹ دھرمی کرے یعنی صغیرہ گناہوں کی عادت بنالے یا کھیل دل لگی سمجھ کر ہمیشہ کرتا رہے اس لئے کہ جو گناہ ہمیشہ ہوتے ہیں وہ دل کو تاریک بنادیتے ہیں۔ اس کی مثال یوں ہے جیسے پانی کا قطرہ جو اک کمزور شئے ہے لیکن مسلسل کسی پتھر پر ٹپکتا رہے تو خواہی نخواہی سوراخ کردے گا حالانکہ پتھر بہت مضبوط شئے ہے۔ پس جو صغیرہ گناہوں میں مبتلا ہو اسے استغفار سے علاج جاری رکھنا چاہئے' نادم و پشیمان ہونا چاہئے اور اس سے بچنے کی جس قدر ہوسکے کوشش کرنی چاہئے ~

دردمندانِ گنہ را روز و شب　　　　شربتے بہتر ز استغفار نیست

(گناہ کے مریضوں کے لئے صبح وشام استغفار سے اچھا کوئی شربت نہیں ہے)

حتیٰ کہ اہل اللہ نے کہا کہ کبیرہ گناہ استغفار سے صغیرہ ہوجاتا ہے اور صغیرہ گناہ ہٹ دھرمی سے کبیرہ۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ آدمی گناہ کو حقیر جانے یعنی معمولی بات تصور کرے۔ چاہیے تو یہ کہ چھوٹے سے چھوٹے گناہ کو بڑا تصور کرے۔ بزرگانِ سلف اپنی ان معمولی لغزشوں کو بھی گناہ تصور کرتے تھے جو عام مسلمانوں کے نزدیک گناہ ہی نہیں ہوتے اور یوں اپنے آپ کو بہت بڑا گناہ گار مانتے تھے۔ حدیث شریف میں ہے کہ مسلمان اپنے گناہ کو اپنے حق میں پہاڑ سمجھ کر کر ڈرتا ہے کہ کہیں مجھ پر پھٹ نہ پڑے اور منافق گناہ کو مکھی سمجھتا ہے جو اس کے جسم پر بیٹھتی ہے اور اڑجاتی ہے۔ ایک صحابی فرماتے ہیں کہ تم لوگ ایسے کام کرتے ہو جن کو میں پہاڑ برابر جانتا ہوں

اورتم بال برابر سمجھتے ہو۔ الغرض گناہوں میں اللہ تعالیٰ کا غصہ پوشیدہ ہے اس لئے کسی گناہ کو حقیر مت سمجھو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وتحسبونه هينا وهو عندالله عظيم (النور)

(تم اسے ہلکا گمان کرتے ہواور وہ اللہ کے نزدیک بہت بڑا ہے)

تیسرا سبب یہ ہے کہ آدمی گناہ کے سبب خوش ہو‘ اس پر فخر کرے‘ شیخی وتعلی کا مظاہرہ کرے کہ میں نے فلاں کوفریب دے دیا۔ شان سے کہے کہ میں نے ایسا جھوٹ بولا ہے کہ فلاں نے میری باتوں پر یقین کرلیا۔ میں نے فلاں کو زبردست گالیاں دے دیں۔ جو شخص اپنی ہلاکت وتباہی پر خوش ہوتو یہ اس کی دلیل ہے کہ اس کا دل سیاہ ہوگیا ہے۔

چوتھا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تو اس کی پردہ پوشی کرے اور آدمی یہ سمجھ کر کہ میرے اوپر عنایت ہے اس بات سے نہ ڈرے کہ شاید اللہ تعالیٰ نے مہلت دی ہو اور میرے لئے آسانی کی ہو کہ میں بالکل تباہ اور ہلاک نہ ہوجاؤں۔

پانچواں سبب یہ ہے کہ اپنے گناہ کو ظاہر کردے اس طرح کہ اور لوگ بھی اس کے نقش قدم پر چلیں۔ اور اگر کسی کو صریحاً ترغیب دی یعنی لوگوں کو بھی گناہ پر اکسایا یا گناہ کے اسباب مہیا کرے تو اس پر دوہرا وبال ہوگا۔

چھٹا سبب یہ ہے کہ عالم یا واعظ ہوکر گناہ کرے۔ اس سے اور لوگوں کے دلیر ہوجانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ وہ کہنے لگتے ہیں کہ یہ بات اگر بری ہوتی تو فلاں عالم کیوں کرتا؟ اس طرح اس کی اندھی تقلید میں جتنے لوگ گناہ کریں گے سبھی کی تباہی کا وبال اس کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا۔ اس لئے اسلاف نے کہا ہے کہ جس کے مرنے کے ساتھ اس کے گناہ بھی مرگئے تو وہ نیک بخت ہے اور ایسے کم بخت بھی ہوتے ہیں کہ ان کے ہزار برس بعد تک ان کے گناہ باقی رہتے ہیں۔ (نعوذ باللہ من ذالک) اس لئے علماء‘ واعظین‘ اساتذہ اور شیوخ بہت بڑے خطرات

کا شکار رہیں۔ دوسروں کی بہ نسبت ان کو زیادہ احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔

یہ تو تھے اسباب جو صغائر کو کبائر بنادیتے ہیں مگر کچھ اسباب ایسے بھی ہیں جو کبائر کو صغائر ہی نہیں بلکہ ان کا کفارہ بنادیتے ہیں۔ ان میں توبہ' ندامت' ترک گناہ کا عہد' عذاب کا خوف اور معافی کی امید شامل ہے۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "کفارۃ المذنب ندامۃ" (گناہوں کا کفارہ ندامت ہے) (احمد بیہقی)۔ ندامت و پشیمانی توبہ کی بنیاد ہے۔ اس کی علامت یہ ہے کہ توبہ کرنے والا ہمیشہ افسوس میں مبتلا رہے۔ گریہ وزاری کرے اور تضرع اس کا مشغلہ بن جائے کیونکہ گناہوں کے سبب آدمی کے دل میں جو زنگ لگ جاتا ہے اور جو تاریکی چھا جاتی ہے' حسرت و ندامت کی آگ کے سوا کوئی چیز اسے دور نہیں کرسکتی۔ اللہ تعالیٰ نے بھی لوگوں کو توبہ کا حکم دیا ہے:

"توبو الی اللّٰہ جمیعا ایھا المومنون لعلکم تفلحون" (نور)

(اے ایمان والو! اللہ کی طرف توبہ کرو تا کہ تم فلاح پاسکو۔)

حدیث شریف میں ہے "التائب من الذنب کمن لاذنب لہ" توبہ سے گناہ کرنے والا ایسا ہوجاتا ہے جیسا کہ اس نے گناہ کیا ہی نہیں (توبہ کی فضیلت کا تفصیلی بیان علیحدہ باب کے تحت آئے گا۔)

یہاں ایک بات اور ذہن نشین رکھنے کے لائق ہے: حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: "الدواوین ثلثۃ دیوان یغفر ودیوان لایغفر ودیوان لایترک" (احمد و حاکم)۔ نامہ اعمال کی تین قسمیں ہیں۔ ایک بخشا جائے گا' ایک نہ بخشا جائے گا اور ایک نہ چھوڑا جائے گا۔

گناہ دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان ہو اور دوسرا وہ جو بندوں کے حقوق سے متعلق ہو۔ جو گناہ حقوق اللہ سے متعلق ہیں جیسے ترک نماز و روزہ وغیرہ تو

ان کی قضا، توبہ اور کثرت عبادت سے تلافی ممکن ہے بلکہ دنیا میں پہنچنے والی ہر مصیبت و تکلیف کو بخوشی سہہ لینا بھی گناہوں کا کفارہ بنتا ہے۔رہ گئے بندوں کے حقوق تو آدمی کو چاہئے کہ ہر ایک کے ساتھ اپنا معاملہ ٹھیک کرے تا کہ اس پر کسی کا حق باقی نہ رہے۔کسی کو رنج پہنچایا ہو، کسی کی غیبت کی ہو تو اس سے معافی چاہ لے۔اگر کسی کا قتل کیا ہو تو اپنے آپ کو مقتول کے ورثاء کے حوالے کر دے تا کہ وہ قصاص لیں یا معاف کر دیں۔کسی کا قرض ہو تو اسے تلاش کر کے دیدے اور اگر وہ نہ ہو تو اس کے وارثوں کو دے۔بہر حال کوشش یہ کرے کہ کسی بندہ کا حق باقی نہ رہے۔

نامہ اعمال کی جو تین قسمیں بیان کی گئی ہیں اس میں پہلا نامہ جو بخشا جائے گا وہ انہی گناہوں کا ہے جو حقوق اللہ سے متعلق ہیں۔دوسرا نامہ جو نہیں بخشا جائے گا وہ کفار و مشرکین کا ہے اور تیسرا نامہ جو نہیں چھوڑا جائے گا وہ ان گناہوں کا ہے جو حقوق العباد سے متعلق ہے۔چنانچہ ایسے گناہوں کے کفارہ کے لئے بندہ کو راضی کرنا ضروری ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

باب ﴿۶﴾

تکبر و خود پسندی

حضرت خواجہ محبوب اللہؒ نے ارشاد فرمایا: "تکبر سب سے بڑا گناہ ہے۔ اپنے آپ کو اچھا سمجھنا حماقت ہے۔ اس سے عمل ناچیز ہوجاتے ہیں۔"

تکبر سب سے بڑا گناہ کیوں ہے؟..... تو جاننا چاہئے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے الکبریاء ردائی والعظمة ازاری فمن نازعنی فیھما قصمته۔ کہ کبریائی میری چادر ہے عظمت میرا ازار ہے۔ جو شخص دونوں میں مجھ سے نزاع کرے گا اس کو توڑکر رکھ دوں گا (مسلم ابوداؤد بروایت ابوہریرہؓ)

تکبر کرنا درحقیقت اللہ تعالیٰ سے مقابلہ میں آنے کے مترادف ہے کیونکہ بڑائی کا حقیقی مستحق وہی ہے اور یہ اسی کو زیب دیتی ہے۔

تکبر وہ واحد گناہ ہے جو تخلیق آدم کے بعد سب سے پہلے سرزد ہوا۔ ابلیس جو کبھی "معلم الملکوت" ہوا کرتا تھا' عبادات وریاضات کی کثرت کی وجہ سے مختلف آسمانوں میں مختلف ناموں جیسے عابد' ساجد' راکع وغیرہ سے یاد کیا جاتا تھا' تکبر ہی کے سبب ملعون ہوکر راندہ درگاہ ہوا۔

حضرت یحیٰی پاشاہ قبلہؒ نے ارشاد فرمایا "تکبر بدترین گناہ ہے اور فقیری کا سب سے بڑا گہن ہے۔ اس کی وجہ "انا خیر منه" سے نسبت پیدا ہوجاتی ہے (یعنی شیطان نے کہا تھا "انا خیر منه خلقتنی من نار و خلقته من طین" میں آدم سے بہتر ہوں کیونکہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور آدم مٹی سے) اور جو حشر اس صدا کے بلند کرنے والے کا ہوا (یعنی شیطان کا)

وہی اس سے نسبت پیدا کرنے والا کا ہوتا ہے۔

كذلك يطبع الله على كل قلب متكبر جبار (مومن)

اسی طرح اللہ تعالیٰ مہر کردیتے ہیں ہر تکبر کرنے والے اور سرکش کے دل پر۔

وخاب كل جبار عنيد (ابراہیم)

اور نامراد ہوا سرکش اور ضد کرنے والا۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "لا يدخل الجنة من كان في قلبه مثقال حبة من خردل من كبر" جس کے دل میں ایک رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔ (رواہ مسلم بروایت ابن مسعودؓ)

ترمذی شریف کی حدیث ہے کہ قیامت کے دن متکبر لوگ آدمیوں جیسی صورت کی چیونٹیاں بن کر اٹھیں گے اور لوگ ان کو پاؤں تلے روندیں گے۔ ہر طرح کی ذلت ان پر سوار ہوگی۔ پھر جہنم کے قید خانہ میں جس کو بولس کہتے ہیں ڈال دیئے جائیں گے۔

''کیمیائے سعادت'' میں ایک حدیث شریف نقل کی گئی ہے کہ رسول مقبول ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''دوزخ میں ہب ہب نامی ایک غار ہے جو متکبر اور سرکش لوگوں کے لئے مخصوص ہے اور اس میں صرف انہی کو ڈالا جائے گا۔''

''احیاء العلوم'' میں دو حدیثیں منقول ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

(۱) لا ينظر الله الى رجل يجر ازاره بطرا۔

جو شخص فخر سے تہبند لٹکائے چلتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر ہی نہیں فرماتا۔

(۲) جو شخص نخوت کی چال چلے اور اپ آپ کو بڑا تصور کرے اسے حق تعالیٰ کی چشم غضب سے دوچار ہونا پڑے گا۔

حضرت محمد بن واسع رحمتہ اللہ علیہ کے حالات میں ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے اپنے صاحبزادے کو دیکھا جو کبر وناز سے چل رہے تھے۔ آواز دی اور کہا'' جانتا بھی ہے کہ تو ہے کون؟

تیری ماں کو تیرے باپ نے دوسو درہم کے عوض خرید لیا تھا اور خود تیرے باپ کی یہ کیفیت ہے کہ اس جیسے گھٹیا درجے کے لوگ مسلمانوں میں جتنے بھی کم ہوں اتنا ہی اچھا ہے۔'' (اللہ اکبر' یہ ہے انتہا کی تواضع وانکسار)۔

حضرت یحیٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں کہ شریف آدمی جب تقویٰ اور نیکی کا مقام حاصل کرتا ہے تو عجز وانکسار اختیار کرلیتا ہے اور کمینہ آدمی نیکی کے راستہ پر چلنے لگتا ہے تو متکبر ہوجاتا ہے۔

حضرت بایزیدؒ فرماتے ہیں کہ بندہ جب تک کسی کو اپنے سے کمتر تصور کرتا ہے تو متکبر رہتا ہے۔

تکبر ایسی بد اخلاقی ہے جو ابتداء میں خود پسندی کی شکل میں شروع ہوتی ہے۔ آدمی اپنے آپ کو دوسروں سے افضل تصور کرتا ہے اور اس میں ایسا مست و بے خود ہوجاتا ہے کہ اندر ہی اندر خوشی سے پھولوں نہیں سماتا۔ یہی خود پسندی تکبر کو جنم دیتی ہے۔ اسی لئے حضرت خواجہ محبوب اللہؒ نے تکبر کے ساتھ ہی خود پسندی کا ذکر کیا ہے اور فرمایا کہ اس سے عمل ناچیز ہوجاتے ہیں۔ اس قول کی تائید حضرت سلمانؓ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے جس کو حضرت امام غزالیؒ نے نقل کیا ہے۔ ''وہ چیز جس کے لئے عبادت بھی کام نہیں دیتی اس کا نام تکبر ہے۔''

تکبر ایک ایسی مذموم و مسموم ہوا ہے کہ جس کے اندر بھی پیدا ہوجائے وہ دنیا جہاں کو اپنے سامنے گھٹیا سمجھنے لگتا ہے اور جس کسی پر اس کی نظر پڑ جائے اسے نوکر یا حقیر خادم خیال کرتا ہے اور ایسے میں عموماً ایسے الفاظ زبان سے نکلتے ہیں جاؤ جاؤ تمہاری حقیقت کیا ہے۔ تم میرے سامنے لونڈے ہو۔ کیا تم نے آئینہ میں اپنی صورت دیکھی ہے۔ مجھ سے تنازعہ مول لوگے تو تباہ ہوجاؤ گے وغیرہ وغیرہ۔

یہ بھی اہل تکبر کی نشانی ہے کہ ان کے دل اسی چیز کے طالب رہتے ہیں کہ انھیں بٹھائیں تو سب سے اوپر' ملیں تو ادب و احترام سے' دیکھیں تو تعظیم سے' بلائیں تو القاب کے ساتھ۔ انہیں اگر نصیحت کی جائے تو اسے ٹھکرادیتے ہیں اور ہرگز قبول نہیں کرتے بلکہ بعض

اوقات جواباً کہتے ہیں ''تمہیں دیکھو اور مجھے نصیحت کرنا دیکھو'' اور اگر خود کسی کو نصیحت کرنے لگیں تو دھونس کے ساتھ اس کو منوانے کی کوشش کرتے ہیں خواہ کام کی بات ہو یا نہ ہو۔

حضور ﷺ سے لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! تکبر کیا ہے؟ تو فرمایا ''تکبر یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کے سامنے گردن خم نہ کرے اور لوگوں کو حقارت کی نظر سے دیکھے'' یہ دونوں باتیں حق تعالیٰ اور بندے کے درمیان سب سے بڑا حجاب ہے اور انہی سے تمام بداخلاقیاں جنم لیتی ہیں۔

ایک بزرگ کا کہنا ہے کہ اگر تجھے جنت کی بو سونگھنے کا اشتیاق ہے تو اپنے آپ کو لوگوں سے کم درجہ تصور کر' کہ اس کے بغیر اس بو کا گزر بھی تجھ تک نہیں ہو سکتا۔

حضرت امام غزالیؒ نے تکبر کے سات سبب بیان فرمائے ہیں:

پہلا سبب علم میں تکبر سے متعلق ہے۔ علم کے جہاں بہت سارے فوائد ہیں وہیں اس کی آفت یہ ہے کہ عالم بہت جلد تکبر میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ جب وہ اپنے آپ کو علم سے آراستہ دیکھتا ہے تو دوسروں کو جانور سمجھنے لگتا ہے اور پھر لوگوں سے خدمت مراعات اور تعظیم وتوقیر کی امید کرنے لگتا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا کہ کچھ لوگ قرآن پڑھتے ہیں اور وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترتا۔ اس کے باوجود کہتے ہیں کہ ہماری طرح قرآن کون پڑھتا ہے اور جو کچھ ہم جانتے ہیں اسے کون جانتا ہے؟ پھر فرمایا (اگرچہ) یہ لوگ میری امت ہی میں ہیں مگر سب دوزخی ہیں۔

دوسری سبب زہد وعبادت میں تکبر ہے کیونکہ عابد' زاہد' صوفی اور پارسا لوگ بالعموم تکبر سے خالی نہیں ہوتے۔ ان کو اپنی نیکی اور کسب پر ناز ہوتا ہے اور دوسروں کو چشم حقارت سے دیکھتے ہیں اور اپنے عمل ہی کو باعث نجات سمجھتے ہیں جب کہ حق یہ ہے کہ ؎

اعمال بھلے ہی اچھے ہوں اس سے نہ امید بخشش ہے

ہاں یہ ہے کلید فضلِ خدا اور فضل کلیدِ بخشش ہے (احمد حنبلی)

حسن عمل باعث نجات نہیں ہوتا بلکہ یہ فضل خدا کے دروازے کھلنے کا سبب ہے۔ اگر فضل ہو تو بخشش ہوتی ہے اس لئے عمل کے بعد فضل و کرم کا متمنی ہونا چاہئے نہ کہ فخر و ناز کے ذریعہ اپنے عمل کو رائیگاں کردے۔

فضل ہوا تو چھوٹ گئے عدل ہوا تو لٹ گئے

بات کرم کی اور ہے عیب و ہنر کی بات اور (حضرت کاملؒ)

بنی اسرائیل میں ایک صاحب تھے جن سے بڑھ کر کوئی عابد نہیں تھا جب کہ ایک دوسرا شخص تھا جس سے بڑھ کر کوئی فاسق نہیں تھا۔ ایک مرتبہ بادل کے ایک ٹکڑے نے اس عابد کے سر پر سایہ کرلیا۔ فاسق نے کہا میں بھی اس کے پاس جا کے بیٹھوں کہ شائد اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے مجھ پر رحم کردے۔ وہ جا کر بیٹھا تو عابد نے حقارت آمیز لہجہ سے کہا کہ یہ کون ہے جو یہاں آ کر بیٹھ گیا۔ یہ تو فاسق و نابکار ہے۔ اسے اٹھا دیا اور بے چارہ اٹھ کر جانے لگا تو بادل کا وہ ٹکڑا جو اب تک عابد کے سر پر سایہ فگن تھا اس کے ساتھ ہوگیا۔ اس دور کے رسول کے پاس وحی آئی کہ فاسق و عابد دونوں سے کہہ دو کہ نئے سرے سے عمل شروع کرے کیونکہ فاسق کے گناہ اس کے ایمان کے سبب بخش دیئے گئے ہیں اور عابد کی عبادت اس کے تکبر کے سبب چھین لی گئی ہے۔ یہ واقعہ حضرت خواجہ محبوب اللہؒ کے اس ارشاد کو سمجھنے کے لئے کافی ہے کہ اپنے آپ کو اچھا سمجھنا حماقت ہے۔ اس سے عمل ناچیز ہوجاتے ہیں۔

علماء و عابدین کے لئے تکبر بڑی مصیبت ہے۔ ان میں بھی متکبرین مختلف انداز کے ہوتے ہیں۔ بعض تو وہ ہوتے ہیں جو علانیہ اپنی زبان سے تکبر کا اظہار کرتے اور اس پر فخر کرتے ہیں۔ صاحب دل اور صاحب کرامت ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اپنی نیکی اور اپنی علمیت کی دھونس جماتے پھرتے ہیں۔ نیکی کا انداز بھی نت نئے طریقوں سے ہوتا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ مجھ

پر افسوس ہے کہ میں آج شب بیداری اور نماز تہجد سے محروم رہ گیا۔ بظاہر تو یہ جملہ کوتاہی کا اعتراف لگتا ہے لیکن حقیقت میں وہ اپنے تہجد گزار ہونے کا اعلان کرتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ فلاں تو فلاں اس کے استاذ کے علم کی بھی میرے علم کے سامنے کوئی حقیقت نہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ فلاں پر جو مصیبت آئی وہ میرے ساتھ دشمنی مول لینے یا میری شان میں گستاخی کرنے کا نتیجہ ہے یہ اور اس طرح کی تمام باتیں بلاشبہ کہنے والے کے متکبر و مغرور ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ بعض لوگ وہ ہوتے ہیں جو اپنے قول و فعل سے تکبر ظاہر تو نہیں ہونے دیتے مگر ان کے باطن میں تکبر ضرور ہوتا ہے بلکہ بعض وقت تو عاجزی و فروتنی کا اظہار کرتے ہیں تاکہ اسی اظہار عاجزی کے سبب لوگ انہیں نیک تصور کریں۔

لوگوں میں اپنے آپ کو عاجز مزاج ثابت کر دینا انسان کو تکبر سے پاک نہیں کرتا۔ عاجز صرف وہی ہے جو اپنے ظاہر و باطن' دونوں کو تکبر سے دور رکھے۔ تیسرا سبب نسب کی وجہ سے تکبر ہے کہ فلاں کا بیٹا ہوں یا فلاں گھرانے سے میرا تعلق ہے۔ ایسے لوگوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ محض حسن نسب کی وجہ سے قیامت کے روز بخشش نہیں ہونے والی۔ ماں باپ کی نیکی سے بچوں پر اللہ کا کرم ضرور ہوتا ہے لیکن محض ماں باپ کی نیکی اولاد کو بری الذمہ نہیں کر سکتی۔ اس لئے نسب پر اترانا حماقت کے سوا کچھ نہیں ہے۔

چوتھا سبب حسن و جمال کی وجہ سے تکبر ہے۔ یہ عورتوں میں زیادہ ہوتا ہے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا کسی سے جھگڑا ہو گیا تو میں نے اس کو کہہ دیا ''او حبشی بچے!'' تو حضور ﷺ نے فرمایا ''یا اباذر! طف الصاع طف الصاع لیس لابن البیضاء علی ابن السوداء فضل '' اے ابوذر! آپے سے باہر نہ ہو۔ کسی گورے کا بچہ کسی کالے کے بچے پر فضیلت نہیں رکھتا۔'' اس پر ابوذرؓ نے کفارہ کے طور پر اس بچہ کا پاؤں اپنے منہ پر رکھوایا (صحیحین) یہ تھا صحابہ کرام کا خوف اور تقویٰ۔ وہ اس طرح اللہ اور رسول کی ناراضگی سے خائف رہتے تھے۔ غور کیجئے کہ ابوذرؓ نے کوئی بری بات نہ کہی تھی اور نہ ہی جھوٹ کہا تھا۔ حبشی کو حبشی کہا تھا لیکن چونکہ

اس میں حقارت کا پہلو تھا اس لئے رحمت عالم ﷺ کو یہ بات پسند نہیں آئی ۔ آپ کو اپنے اصحاب میں تکبر تو درکنار، تکبر کا شائبہ بھی دیکھنا گوارا نہ تھا۔

تکبر کا پانچواں سبب تونگری ہے یعنی مال و دولت پر فخر کرنا ۔ مالدار آدمی تونگری کو بڑی چیز اور مفلسی و غربت کو حقیر سمجھتا ہے اس لئے مال و دولت کی کثرت پر اتراتا ہے ۔ قارون کا تکبر بھی اسی قبیل سے تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلام میں مفلسی کو تونگری پر فضیلت دی گئی ہے ۔

چھٹا سبب جسمانی زور و قوت ہے ۔ اس سے آدمی کمزور لوگوں پر تکبر کرتا ہے ۔

ساتواں سبب تابعداروں، نوکروں چاکروں، شاگردوں، غلاموں اور مریدوں کی کثرت ہے ۔ الغرض آدمی جس چیز کو اپنے حق میں نعمت سمجھتا ہے اس کے سبب فخر و تکبر کرتا ہے ۔ اگر چہ وہ فی الحقیقت نعمت ہی نہ ہو ۔ تکبر سے عداوت، حسد، ریاء اور دوسری بہت ساری برائیاں جنم لینے لگتی ہیں اس لئے اس کو سب سے بڑا گناہ فرمایا گیا ہے ۔

علاج تکبر: اسباب تکبر کے بیان کے بعد علاج کا بیان بھی مناسب معلوم ہوتا ہے ۔ امام غزالیؒ نے تکبر کے علاج کے دو طریقے بتائے ہیں ۔ پہلا علاج علم و عمل کے معجون سے مرکب ہے کہ آدمی اپنے آپ کو پہچانے کہ مجھ سے زیادہ کوئی ذلیل و خوار اور حقیر و کمتر نہیں ۔ ایک منٹ کے لئے بھی نظام جسم درہم برہم ہو تو انسان دگرگوں ہو جائے اور اس کے ساتھ ہی آدمی اللہ تعالیٰ کو پہچانے تاکہ معلوم ہو جائے کہ کبریائی و عظمت اللہ کے سوا کسی کو سزاوار نہیں ۔ یہ ایسا علاج ہے جو تکبر کی جان لیوا بیماری کو جڑ سے اکھاڑ دیتا ہے ۔ یہ بھی سوچنے والی بات ہے کہ حبیب خدا ﷺ جن کو اللہ تعالیٰ نے مختار دو جہاں بنایا وہ فخر کرنے سے گریز فرمایا کرتے تھے تو ہم کیا ہماری حقیقت کیا؟ ؎

مختار دو عالمؐ جب اترانے سے کترائے　　　مجبور محض بندہ کس برتے پر اترائے

انسان کیا ہے؟...... اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں انسان کی حقیقت اس طرح بیان فرمائی:

هل اتى على الانسان حين من الدهر لم يكن شيئا مذكورا (الدهر)

بے شک آدمی پر ایک وقت وہ گذرا کہ کہیں اس کا نام (ونشان) بھی نہ رہا۔

انا خلقنا الانسان من نطفة امشاج نبتليه فجعلناه سميعا بصيرا (الدھر)

بے شک ہم نے آدمی کو ملی ہوئی منی سے پیدا کیا کہ وہ اسے جانچیں (مکلف کر کے اپنے امر و نہی سے) پھر اسے سننے والا اور دیکھنے والا کیا۔

ومن ایاته ان خلقکم من تراب ثم اذا انتم بشر تنتشرون (روم)

اور اس کی (قدرت کی) نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر تم آدمی ہو کر منتشر ہوے۔

اللہ نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا جو ایک حقیر چیز ہے پھر نطفہ اور علقہ پیدا کیا یعنی گندا پانی اور پلید خون سے اس کی آفرینش ہوئی۔ اس کے بعد بھی انسان گوشت کا ایک ٹکڑا تھا اس میں نہ سماعت تھی نہ بصارت نہ قوت وحرکت۔ اب انسان اپنے آپ کو پہچانے کہ اسے تکبر زیب دیتا ہے یا اپنی اصلیت کو دیکھ کر اپنے آپ سے عار آنے لگتی ہے۔

دوسرا علاج یہ ہے کہ اپنے آپ کو نیک عالم ہرگز تصور نہ کرے ارشاد باری تعالیٰ ہے: "وفوق کل ذی علم علیم" (اور ہر علم رکھنے والے پر زیادہ علم رکھنے والا موجود ہے)۔ اور یہ بھی جان لیں کہ کون اللہ کے نزدیک کتنا مکرم ہے کوئی نہیں جانتا۔ ظاہری وضع قطع سے کسی کا متقی یا فاسق ہونا ظاہر نہیں ہوسکتا۔ اس لئے ہمیشہ اپنے گناہوں کو یاد رکھیں اور اپنے آپ کو دنیا کا سب سے بڑا گنہگار مجرم تصور کرے۔ اس کے بغیر تکبر کے مہلک مرض سے خلاصی پانا ممکن نہیں۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ ہلاکت دو چیزوں میں ہے:

(۱) عجب یعنی خود پسندی (۲) یاس یعنی مایوسی

آدمی اگر ہر وقت اس بات کا یقین رکھے کہ جو کچھ نعمتیں اس کو حاصل ہیں وہ خدا کی دی ہوئی ہیں اور دینے والا جب دے سکتا ہے تو کسی بھی وقت چھین بھی سکتا ہے تب کبھی خود پسندی کی بیماری میں مبتلا نہیں ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

باب ﴿۶﴾

اکلِ حلال

حضرت خواجہ محبوب اللہ قدس اللہ سرہٗ نے ارشاد فرمایا! ''جو لقمہ پیٹ میں جاتا ہے اپنا اثر دکھاتا ہے۔ حلال روزی باعث خیر ہے اور لقمہ حرام موجب فساد۔ ایک (حرام طریقہ سے کمائے ہوئے) پیسہ کے عوض کئی مقبول نمازیں برباد ہوجاتی ہیں۔''

حضرت محبوب اللہؒ کا یہ ارشاد اس حدیث شریف سے مستفاد ہے کہ حضور انور ﷺ نے حضرت سعدؓ سے ارشاد فرمایا ''اے سعد! حلال کا کھانا کھا' تیری دعائیں قبول ہوں گی۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمد کی جان ہے' جب آدمی اپنے پیٹ میں حرام کا لقمہ ڈالتا ہے تو اس کی چالیس دن کی عبادت قبول نہیں ہوتی۔ جو بندہ حرام سے اپنا گوشت بڑھاتا ہے آگ اس کے بہت قریب ہوجاتی ہے'' (طبرانی)۔ اور فرمایا ''رزقِ حلال تلاش کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے (طبرانی)۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یا ایہا الرسل کلوا من الطیبات و عملوا صالحاً (المومنون۔ آیت ۵۱)

اے پیغمبرو! (تم اور تمہاری امتیں) حلال چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو۔

یا ایہا الذین امنو کلوا من الطیبات مارزقنٰکم

اے ایمان والو! حلال چیزیں کھاؤ جو ہم نے تمہیں سرفراز کی ہیں۔

حضرت ابن خزیمہؒ اور حضرت ابن حبانؒ کی روایت کردہ حدیث ہے کہ جس نے حرام مال جمع کیا' پھر اسے صدقہ کر دیا اسے کوئی اجر نہیں ملے گا اور (الٹا) اس کا گناہ اس پر رہے گا (حاکم)۔ اور پھر

حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا: "من اکل الحلال اربعین یوما نور اللّٰہ قلبہ واجری ینابیع الحکمة من قلبه علی لسانه" جو شخص چالیس روز تک حلال کی روزی کھاتا رہے (جس میں حرام کی ذرہ بھر آمیزش نہ ہو) حق تعالیٰ اس کے دل کو نور سے بھر دیتا ہے اور اس کے دل سے حکمت کے چشمے اس کی زبان پر جاری کردیتا ہے (ابونعیم وابن عدی بروایت ابی موسیٰ)۔

ایک دوسری روایت کے مطابق حدیث کا نصف آخر یوں ہے کہ "زھدہ اللّٰہ فی الدنیا" یعنی اس کا دل دنیا کی دوستی سے بیزار ہو جاتا ہے۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: رب اشعث غیر مشروفی الاسفار مطعمہ حرام و مکسبہ حرام و غذی بالحرام یرفع یدیہ فیقول یارب یارب فانی یستجاب لذالک کتنے ہی ژولیدہ منہ غبار آلود سفروں میں پریشان لوگ ہیں کہ کھاتے بھی حرام ہیں اور کماتے بھی حرام ہیں اور حرام سے ہی پرورش پاتے ہیں اور اس کے باوجود ہاتھ اٹھا اٹھا کر یارب یارب کہتے ہیں (یعنی دعائیں مانگا کرتے ہیں)۔ ان کی دعائیں آخر کس طرح قبول ہو سکتی ہیں (مسلم بروایت ابوھریرہؓ) اور فرمایا "کل لحم ینبت من حرام فالنار اولی بہ" ہر وہ گوشت جو حرام سے بڑھتا ہے اس کے لئے دوزخ ہی شایان ہے (ترمذی بروایت کعب بن عمرہؓ)۔

اور فرمایا: "جس شخص کو اس بات کی پرواہ نہیں کہ مال کہاں سے چلا آرہا ہے (آیا حلال بھی ہے یا نہیں؟) تو اس شخص کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو بھی کوئی پرواہ نہیں ہوگی کہ اسے دوزخ کے کونسے حصہ میں جھونک دیا گیا ہے (ابومنصور در فردوس بروایت ابن عمرؓ)۔

حضرت ابن حبان نے اپنی صحیح میں ایک حدیث نقل کی کہ جو گوشت اور خون حرام کے مال سے پیدا ہوا اس پر جنت حرام ہے اور جہنم اس کی مستحق ہے۔

احیاء العلوم میں حضرت ابن عباسؓ کے حوالے سے یہ حدیث شریف نقل کی گئی ہے کہ "حق تعالیٰ کا ایک فرشتہ بیت المقدس میں ہر شب یہ منادی کیا کرتا ہے کہ جو شخص حرام کھاتا ہے

اس کے نہ فرض قبول ہوتے ہیں اور نہ سنتیں (نوافل تو بہت دور کی بات)" ۔

کھاتے ہیں حرام لقمہ پڑھتے ہیں نماز
کرتے نہیں پرہیز دوا کھاتے ہیں (امجد حیدرآبادی)

روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک غلام کے ہاتھ سے دودھ کا پیالہ پیا لیکن معلوم ہوا کہ حلال کمائی سے نہیں تھا۔ پس اسی وقت انگلی حلق میں ڈالی اور قئے کردی جو اس قدر شدید تھی کہ روح پرواز ہونے کا خدشہ لاحق ہوگیا تھا اور بار بار کہتے جاتے تھے کہ "اے پروردگار! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ دودھ کا کچھ نہ کچھ حصہ تو قئے کے باوجود میری رگوں میں رہ گیا ہوگا اور اس کو باہر لانا میرے بس میں نہیں۔" ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ اس قصہ کی خبر آنحضرت ﷺ کو ہوئی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ "کیا تم کو معلوم نہیں کہ صدیق اپنے پیٹ میں پاکیزہ مال کے سوا اور کچھ نہیں ڈالتے" (بخاری بروایت حضرت عائشہؓ)۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ حضرت عمرؓ سے متعلق بھی ہے کہ آپ نے زکوٰۃ کی اونٹنی کا دودھ پی لیا تھا اور معلوم ہونے پر حلق میں انگلی ڈال کر قئے کردی (ابن ابی الدنیا در کتاب الورع)۔

واضح رہے کہ شریعت نے اس بات کی اجازت دے رکھی ہے کہ اگر بے ارادہ یا نادانستہ طور پر ایسا ہوجائے تو اللہ کی پناہ مانگنا اور استغفار کرلینا کافی ہے۔ قئے کرنے کا لزوم نہیں ہے لیکن ان پاک نفوس کے دل میں خوف خدا اور پرہیزگاری کا یہ عالم تھا کہ ان کو قئے کرنے تک اطمینان نہیں ہوا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ نماز پڑھتے پڑھتے کمر جھک جائے اور روزے رکھتے رکھتے جسم ناتواں ہوجائے تب بھی بے فیض ہوگا اگر حرام خوری سے پرہیز نہ کیا جائے کیونکہ حرام خوری کسی کار نیک کو قبول ہی نہیں ہونے دیتی۔

حضرت ابن مبارکؒ کا ارشاد ہے کہ شبہ کا ایک روپیہ چھوڑ دینا ایک لاکھ روپیہ صدقہ

میں دینے سے زیادہ بہتر ہے۔

حضرت صفیان ثوریؒ کا ارشاد ہے کہ جو مال حرام سے صدقہ دیتا ہے وہ شخص ایسا ہے جیسا نجس کپڑوں کو پیشاب سے پاک کرنے کی کوشش کرتا ہو۔

حضرت یحیٰی بن معاذؒ فرماتے ہیں کہ اطاعت و بندگی خزانہ الٰہی ہے جس کی کنجی دعا ہے اور اس کے دندانے رزق حلال سے بنتے ہیں۔

حضرت سہل تستریؒ کا قول ہے کہ حرام خور کے تمام اعضا گناہ میں مشغول رہتے ہیں خواہ وہ چاہے یا نہ چاہے اور جو شخص حلال کھاتا ہے اس کے تمام اعضا محو عبادت رہتے ہیں اور توفیق خیر ہمیشہ اس کے شامل حال رہتی ہے۔

غرض اس ضمن میں احادیث' آثار و اقوال کی کوئی کمی نہیں اور ان کی تعداد بے شمار ہے اور یہی سبب ہے کہ اہل اللہ نے اس سلسلے میں انتہائی احتیاط سے کام لیا ہے۔ حرام چیزوں سے بچنا تو پہلے درجہ کی پرہیزگاری ہے کہ اس کے بغیر کوئی عبادت بھی کام کی نہیں اور ان تمام چیزوں سے پرہیز کرنا جس میں حرام کا شبہ بھی ہو صالحین کا طریقہ ہے۔ متقیوں کا طریقہ یہ ہے کہ ایسی چیزوں سے بھی احتراز کیا جائے کہ جس میں اس بات کا خوف ہو کہ مبادا اس کی وجہ سے اشتباہ میں گرفتار ہو جائیں خواہ وہ چیز حلال مطلق ہی کیوں نہ ہو۔ جیسا کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا بندہ اس وقت تک متقی کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ وہ کسی چیز کو محض اس خوف سے چھوڑنا نہ سیکھ لے کہ کہیں اس کی وجہ سے حرام میں مبتلا نہ ہو جائے۔

حضرت عمرؓ ایک مرتبہ مال غنیمت میں سے کچھ مشک گھر پر لائے اور اہلیہ سے فرمایا کہ مسلمانوں کے ہاتھ فروخت کروادو۔ ایک دن آپ گھر تشریف لائے تو زوجہ کی اوڑھنی میں سے مشک کی بو آئی۔ پوچھا یہ کیا ہے؟ وہ بولیں مشک تولتے ہوئے خوشبو ہاتھوں کو لگ گئی تھی۔ میں نے وہ ہاتھ اوڑھنی پر مل لئے۔ آپ نے یہ کہتے ہوئے کہ وہ مشک تمہاری ملکیت نہیں تھی' اوڑھنی

سر سے اتاردی اور مٹی سے دھونے لگے یہاں تک کہ خوشبو کا نام ونشان باقی نہ رہا۔ تب وہ اوڑھنی واپس کی۔

خوشبو کی یہ مقدار کسی طرح قابل گرفت نہ تھی لیکن حرام کے خوف سے اس حلال کو چھوڑنا ہی تقوے کا تقاضہ تھا اور مسلمانوں کے لئے عظیم درس۔

وہب بن الورڈنامی ایک بزرگ گزرے ہیں۔ ان کی عادت تھی کہ اس وقت تک کوئی چیز نہ کھاتے تھے اور نہ پیتے تھے جب تک یہ اطمینان نہ ہوجاتا کہ وہ چیز ان تک کن ذرائع سے پہنچی ہے؟ ایک دن انہیں دودھ کا پیالا پینے کو دیا گیا۔ آپ نے پوچھا کہ یہ دودھ کہاں سے آیا؟ اس کی قیمت کہاں سے ادا کی گئی؟ کس شخص سے خریدا گیا تو یہ سب کچھ معلوم کر چکے اور پھر پوری طرح اطمینان نہ ہوا تو پوچھا کہ اس بکری نے چارہ کہاں سے کھایا تھا؟ اس پر معلوم ہوا کہ اس بکری نے ایسی چراگاہ سے گھاس کھائی تھی جس پر مسلمانوں کا کسی بھی طرح سے کوئی حق نہیں تھا۔ پس دودھ پینے سے انکار کردیا۔ لوگوں نے کہا پی لیجئے اللہ رحیم وکریم ہے۔ آپ نے کہا بے شک وہ رحیم وکریم ہے اور رحمت کرے گا لیکن گناہ سے آلودہ ہونے کے بعد جو رحمت مجھے حاصل ہوگی اس میں گناہ کی آرائش لامحالہ ہوگی اور مجھے پسند نہیں کہ اس کی رحمت کو گناہ سے آلودہ کروں۔

باب ﴿۷﴾

امر بالمعروف

حضرت خواجہ محبوب اللہ قدس اللہ سرہٗ نے ارشاد فرمایا ''مسلمانوں کو اچھی تدبیر سکھانا واجب ہے۔ جس رسم و عادت کا شروع میں اچھا یا برا ہونا معلوم نہ ہو اس میں دخل نہ دے۔ نہ کسی کو اس کا حکم کرے نہ انکار جب تک معلوم نہ ہو جائے۔ جتنے لوگ رسم و عادات کے پابند ہیں ان کو آدمی نہ سمجھے اور ان سے نہ شرمائے۔''

مسلمانوں کو اچھی تدبیر سکھانا یعنی شریعت کے احکام بتانا اور اس پر عمل کرنے کی ہدایت کرنا واجب ہے کیونکہ قرآن پاک میں اس کا حکم دیا گیا ہے:

" ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینھون عن المنکر" (آل عمران)

تم میں سے ایک گروہ ایسا ہونا ضروری ہے کہ اس کا کام ہی (لوگوں کو) نیکی کی دعوت دینا ہو اور وہ اچھے کاموں کا حکم دے اور برے اعمال سے منع کرتے رہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

"الذین ان مکّنھم فی الارض اقاموا الصلوة واتوا الزکوة وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر" (الحج) وہ لوگ کہ اگر ہم انہیں زمین میں قابو دیں تو نماز قائم رکھیں اور زکوۃ دیں اور بھلائی کا حکم کریں اور برائی سے روکیں۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دین کے بنیادی اور اہم ترین اصولوں میں سے وہ عظیم الشان اصول ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام بھیجے ہی اس لئے گئے ہیں کہ اس اصول کو زیادہ سے

زیادہ تقویت پہنچائیں۔ یہی چیز اگر مفقود ہو جائے تو شریعت کے احکام باطل ہو کر رہ جائیں گے۔

کیمیائے سعادت میں چند حدیثیں نقل کی گئی ہیں کہ حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ ”لوگوں کو اچھی باتوں کا حکم کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تم سے بدترین لوگوں کو تمہارے اوپر مسلط کر دے گا تب تم سے بہترین لوگ بھی اگر دعا کریں گے تو دعا قبول نہ ہوگی۔“ حضرت صدیق اکبرؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”کوئی قوم ایسی نہیں ہو سکتی کہ جس میں گناہ کا دور دورہ ہو اور کوئی انہیں روکنے والا بھی نہ ہو اور اس کے باوجود اللہ تعالیٰ ان پر ایسا عذاب نازل نہ کرے جو سب کو اپنی لپیٹ میں لے لے۔“ (یعنی برائیوں سے نہ روکنے والی قوم پر عذاب کا نازل نہ ہونا ممکن نہیں) اور فرمایا ”اگر کسی جگہ پر ظلم ڈھایا جا رہا ہو اور کسی کو مار پیٹ رہے ہوں اور کوئی شخص وہاں کھڑا ہو یہ سب کچھ دیکھ رہا ہو اور قدرت رکھنے کے باوجود اس مظلوم کی مدافعت نہ کرے تو اس پر لعنت کی بارش ہوتی ہے۔“ اور فرمایا ”ایسی جگہ بیٹھو بھی نہیں جہاں ناشائستہ قسم کے (کام) باتیں ہو رہی ہوں اور تم میں اتنی ہمت بھی نہ ہو کہ انہیں روک سکو۔“ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے شہر پر عذاب نازل کیا جس میں اٹھارہ ہزار آدمی ایسے آباد تھے جن کے اعمال پیغمبرانہ صفات کے حامل تھے۔“ صحابہ نے عرض کیا ”یا رسول اللہ ﷺ! ایسا کیوں ہوا؟“ آپ نے فرمایا ”اس لئے کہ وہ حق تعالیٰ کی خاطر دوسروں سے خفا نہ ہوتے تھے اور ان سے باز پرس نہ کرتے تھے۔“

(حوالہ کیمیائے سعادت اصل نسخہ صفحہ ۲۳۱ ترجمہ عبدالمجید یزدانی صفحہ ۲۹۷، ترجمہ سعید الرحمٰن علوی صفحہ ۳۷۳)

(یاد رہے کہ گناہ پر باز پرس کرنے کو احتساب اور احتساب کرنے والے کو محتسب کہتے ہیں)

چونکہ احتساب واجب ہے اس لئے علم احتساب اور شرائط احتساب کا جاننا بھی واجب ہوتا ہے۔ احتساب کی پہلی اور بنیادی شرط یہ ہے کہ محتسب 'مکلّف' مسلمان یعنی پکا دیندار ہو۔ محتسب کا گناہوں سے پاک ہونا شرط احتساب نہیں کیونکہ ایسا شخص کہاں سے آئے گا جو پوری طرح معصوم ہو۔

حضرت حسن بصریؒ سے لوگوں نے کہا کہ "فلاں شخص کہتا ہے کہ لوگوں کو اس وقت تک حکم نہ دو جب تک خود اس پر عمل پیرا نہ ہو جاؤ اور برے کاموں سے اس وقت تک نہ روکو جب تک تم خود بالکل پاک نہ ہو جاؤ تو حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ شیطان کی اس سے بڑی آرزو کوئی نہیں کہ اس قسم کی باتیں ہمارے دلوں میں ڈال دے تا کہ احتساب کا دروازہ ہی بند ہو جائے۔"

ہاں! ایک فاسق و فاجر شخص کا واعظ و محتسب بن بیٹھنا درست نہیں ہے کیونکہ اس طرح تو وہ ایک اور گناہ کا مرتکب ہو جاتا ہے اور پھر اس کا احتساب بالکل بیکار اور بے اثر ہوتا ہے۔ اس کی باتوں کو پہلے تو لوگ سنیں گے نہیں اور اگر سنیں بھی تو محض ہنسی اڑانے کے سوا اور کچھ نہ کریں گے۔ اس طرح وعظ و نصیحت کی اہمیت ختم ہو جائے گی اور شریعت کی تعظیم بھی لوگوں کے دلوں میں باقی نہ رہے گی۔

احتساب کرنے کے چند درجات ہیں۔ ان کو ذہن نشین رکھنا چاہیے کیونکہ پہلا درجہ کارگر نہ ہونے کی صورت میں ہی دوسرا درجہ لائق عمل ہوگا۔

محتسب کو پہلے حالات و کیفیات سے مکمل آگاہی حاصل کر لینا چاہیے پھر گناہ کرنے والے کو یہ بتایا جائے کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے وہ شرعی رو سے گناہ ہے۔ ممکن ہے کہ وہ اس اطلاع پر ہی اپنے عمل سے باز آ جائے۔ اگر یہ عمل کارگر نہ ہو تو نصیحت کرنا چاہیے۔ اگر نصیحت بھی بے اثر ہو جائے تو سختی سے کہنا چاہیے۔ پہلے ہی دفعہ سختی قطعاً مناسب نہیں۔

پھر اگر سختی سے بھی کام نہ بنے تو ہاتھ سے روکنا چاہیے۔ اگر گناہ سخت قسم کا ہو تو مارنا اور لوگوں سے مدد لینا بھی جائز ہے۔ اگر ان میں سے کچھ بھی کرنا ممکن نہ ہو مثلاً ایسا کرنے سے خود کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو یا فتنہ پھیلنے کا خوف ہو یا گناہ میں اور زیادتی کر دینے کا امکان ہو تو احتساب واجب نہیں ہے تاہم گناہ سے دل میں کراہت اور ترش روئی تو بہر حال اختیار کرنی چاہیے کہ یہ ادنیٰ درجہ کا احتساب ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر کسی شخص کے سامنے گناہ ہو رہا

ہے (اور وہ روکنے کی قدرت نہ رکھے) مگر اس سے کراہیت اور خفگی کا اظہار کرے تو اس کے حق میں ایسا ہے گویا اس نے گناہ ہوتے دیکھا ہی نہیں۔

اگر کوئی بیٹا اپنے ماں یا باپ سے احتساب کر رہا ہو تو اس کو اُن کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے احتساب کرنا چاہئے ورنہ یہ بجائے خود ایک جرم متصور ہوگا۔

حضرت خواجہ محبوب اللہؒ نے جو فرمایا کہ "جس رسم و عادت کا شرع میں اچھا یا برا ہونا معلوم نہ ہو اس میں دخل نہ دے" تو ظاہر ہوا کہ محتسب کو چاہئے کہ حقیقت حال سے یقینی و حتمی آگاہی حاصل کر لے کہ کسی کا فعل واقعی شرعی رو سے گناہ بھی ہے یا نہیں۔ اور اس میں بھی اس بات کا لحاظ رکھے کہ تجسّس و کرید شامل نہ ہو۔ اگر کوئی چھپ کر گناہ کرتا ہو تو چھپ چھپ کر دیکھنا یا لوگوں سے دریافت کرتے پھرنا بری بات ہے۔

ہندوستانی مسلمانوں میں بعض ایسے لغو رسوم رواج پا گئے ہیں جو غیر شرعی اور قابل منع ہیں۔ بالخصوص شادی بیاہ اور دیگر تقاریب کے موقع پر ان کا کھلم کھلا ارتکاب کیا جاتا ہے۔ مثلاً ساچق مہندی کی رسم میں نوشہ کا اپنی ہونے والی سالیوں کے ساتھ مل بیٹھنا اور طرح طرح کی لغویات میں مشغول ہونا وغیرہ۔ چنانچہ حضرت محبوب اللہؒ نے فرمایا کہ "جو لوگ (ایسے) رسوم و عادات کے پابند ہیں ان کو آدمی نہ سمجھے اور ان کو روکنے سے نہ شرمائے" پس آپ نے واضح فرمادیا کہ کسی بھی غیر اسلامی رسم کو اپنا شعار بنالینا ہرگز آدمیت نہیں اس لئے ایسے لوگ آدمی کہلانے کے مستحق نہیں ہیں۔ ایسی مباح چیزیں بھی جو فائدہ بخش نہیں ہیں کبھی کبھار ہی قابل عمل ہیں کیونکہ یہ بھی تضیع اوقات کا سبب بنتی ہیں اور آدمی اس سے اسراف میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

حضرت محبوب اللہؒ کو رسوم سے سخت کراہیت تھی۔ بے جا تکلفات کو پسند نہ فرماتے تھے۔ گلدستہ تجلیات میں مذکور ہے کہ تقاریب کے موقع پر رقص کے ساتھ باجا نوازی کو بھی آپ پسند نہ فرماتے بلکہ منع فرماتے تھے۔ فرماتے کہ شادی کے مواقع پر "اعلنو هذا النكاح

واجعلوہ فی المساجد واضربوا علیہ بالدفوف" کا حکم ہے اس لئے دلہا کے ساتھ اگر باجا رکھا جائے تو درست ہے۔ اس کے علاوہ باجے کا استعمال درست نہیں۔ علی ھذہ القیاس تقاریب کے مواقع پر خویش و اقارب کے ہاتھ میں روپے رکھنے کے عام رواج کو بھی آپ پسند نہ فرماتے اور اپنے پاس کی کسی تقریب میں کسی کو اس طرح ہاتھ میں روپے رکھنے کی اجازت نہ دیتے اور خود بھی اس طرح عمل نہ فرماتے تھے۔ ہوسکتا ہے کہ یہاں کوئی اعتراض کر بیٹھے کہ ہاتھ میں روپے رکھنا ایک قسم کا تحفہ ہے اور تحفہ دینا نہ صرف یہ کہ غیر شرعی نہیں بلکہ پسندیدہ امر ہے۔ تو اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ اول تو یہ ہے کہ تحفہ وہ ہوتا ہے جو آدمی اپنی خوشی سے اپنی حسب استطاعت دے۔ لیکن تقاریب کے موقع پر دیا جانے والا یہ تحفہ ان دونوں باتوں سے عموماً عاری ہوتا ہے کیونکہ اس کو تحفہ کی حیثیت کم اور رسم ورواج کی حیثیت زیادہ حاصل ہوگئی ہے بلکہ بعض جاہلوں نے تو اس کو اپنے وقار کا مسئلہ بنالیا ہے۔ اگر کوئی شخص تحفہ نہ دے یا روپے ہاتھ میں نہ رکھے تو اس کو عجیب وغریب نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔ پھر ایسے میں اس کو تحفہ کہنا کہاں تک درست ہے؟

دوسرا یہ کہ ایسے رواج سے کبھی بعضوں کو سخت شرمندگی بھی ہوتی ہے اور وہ ندامت سے بچنے کے لئے قرض لینے تک تیار ہوجاتے ہیں یا پھر تقریب میں شرکت کرنے ہی سے رک جاتے ہیں۔ بہر حال جو رواج آدمی کی شرمندگی یا غیر حاضری کا موجب بن جائے اس کو زبردستی کا سودا ہی کہہ سکتے ہیں، تحفہ کبھی نہیں کہہ سکتے۔

حضرت خواجہ محبوب اللہؒ نے شادی کے موقع پر پرتکلف پخت (یعنی لوازمات کے ساتھ طعام کے اہتمام) کو بھی ناپسند فرمایا۔ تسمیہ خوانی کا جو عام رواج ہے وہ بھی حضرت کو کچھ پسند نہ تھا۔ اسی طرح قبور پر پھول چڑھاتے وقت سلام کے پڑھنے اور سلام کے وقت سب کے کھڑے ہونے کو بھی آپ نے ناپسند فرمایا کیونکہ اس کو لازم کرلیا گیا تھا۔ بعض نادان تو ایسا نہ کرنے پر

بدعقیدگی کا فتویٰ دے دیا کرتے تھے چنانچہ آپ نے فرمایا کہ ''میلاد شریف کے ذکر مبارک کے بعد سلام و قیام مستحب ہے۔ باقی ہر دفعہ سلام کے وقت قیام کا کہیں ثبوت نہیں (لہٰذا یہ لازم نہیں ہے)۔ نبی کریم ﷺ پر تشہد میں بھی سلام بھیجا جاتا ہے اور درود شریف میں بھی سلام کے جملے استعمال کئے جاتے ہیں اور قیام نہیں ہوتا اس لئے یہ عمل بے جا رسوم میں داخل ہے۔''

حضرتؒ کے حالات میں ہے کہ اظہار حق میں آپ کبھی کوتاہی نہ فرماتے۔ جب کبھی کوئی بات نامناسب معلوم ہوتی یا کسی کے غلط اقدام کو ملاحظہ فرماتے تو فوراً ٹوک دیتے۔ پس یہی حکم آپ نے اپنے مریدین اور معتقدین کو ''ان کو روکنے سے نہ شرمائے'' کے الفاظ سے دیا ہے۔

باب ﴿۸﴾

ریا و اخلاص

حضرت خواجہ محبوب اللہ قدس اللہ سرہٗ نے ارشاد فرمایا ''نیک کام کسی کے دکھانے کو نہ کرے۔ اس کو ریا کہتے ہیں۔ ذرا سا کام بھی خالص خدا کے لئے ہو تو وہی باعث نجات ہوگا۔''

یاد رہے کہ ریا نہ صرف یہ کہ اعمال صالحہ کو ضائع کر دیتی ہے بلکہ یہ مزید گناہ و عذاب کا موجب ہے کیونکہ عبادات میں ریا کاری سے کام لینا گناہ کبیرہ ہے اور شرک سے قریب ہے۔ عموماً نیک اعمال کرنے والوں کے دل جس بیماری کے سب سے زیادہ شکار ہوتے ہیں وہ ریا کاری ہی ہوتی ہے یعنی عبادت کرتے ہیں تو خواہش یہی ہوتی ہے کہ لوگ ان کی عبادت گزاری سے واقف ہوں اور ان کو پارسا جانیں۔ جس عبادت کا مقصد لوگوں کو اپنا معتقد بنانا ہو اسے عبادت الٰہی میں کیسے شمار کیا جا سکتا ہے کیونکہ یہ تو لوگوں کی پرستش ہوئی نہ کہ اللہ کی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے "فمن كان يرجوا لقاء ربه فليعمل عملا صالحا ولا يشرك بعبادة ربه احدا'' (کہف) سو جو شخص اپنے رب سے ملنے کی آرزو رکھے تو اس کو چاہئے کہ وہ نیک عمل کرتا رہے اور اپنے رب واحد کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔ ''فويل للمصلين الذين هم عن لاتهم ساهون ○ الذين هم يرائون ○'' (الماعون) سو ایسے نمازیوں کے لئے بڑی خرابی ہے جو اپنی نماز کو بھلا بیٹھے ہیں۔ جو ایسے ہیں کہ (جب نماز پڑھتے ہیں تو) ریا کاری کرتے ہیں۔

کسی شخص نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ نجات کس چیز کا نام ہے؟ تو فرمایا ''اس چیز میں

کہ تو خدا کی عبادت کرے لیکن لوگوں کو دکھانے کے لئے نہیں (بلکہ خالصۃً للہ کرے)" (مسلم)
اور آپ ﷺ نے فرمایا "مجھے اپنی امت کے بارے میں کسی چیز کا اتنا خوف نہیں ہے جتنا کہ اس چھوٹے شرک کا ہے جس کو ریا کاری کہتے ہیں (احمد و بیہقی)

اور فرمایا کہ "جب الحزن" (یعنی رنج کے غار) سے پناہ مانگا کرو۔" تو لوگوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ! وہ کیا چیز ہے۔ فرمایا کہ وہ ایک وادی ہے جو ریا کاروں کے لئے خاص طور پر دوزخ میں بنائی گئی ہے۔ (ترمذی بروایت ابوھریرہؓ)

اسی طرح کی بے شمار روایتیں مختلف کتب احادیث میں بیان کی گئی ہیں۔

حضرت علیؓ نے ریا کاروں کی تین نشانیاں بتلائی ہیں:

(۱) تنہائی میں کاہلی اور سستی کرتا ہے لیکن لوگوں کے سامنے خشوع وخضوع کا مظاہرہ کرتا ہے۔
(۲) لوگوں کو دیکھتا دیکھ کر مسکراتا اور خوش ہوتا ہے۔
(۳) تعریف سن کر زیادہ عمل کرتا اور مذمت سن کر عمل کم کر دیتا ہے۔

حضرت ابو امامہؓ کے بارے میں ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو مسجد میں روتا اور گڑگڑاتا دیکھ کر فرمایا "اے بھلے مانس! جو کچھ تو مسجد میں کر رہا ہے اگر گھر میں (لوگوں سے چھپا کر) کرتا تو تیرا جواب نہ تھا۔

اب رہا یہ سوال کہ "ریا" کی حقیقت کیا ہے اور اس کی کتنی صورتیں ہیں؟ تو حضرت خواجہ محبوب اللہؒ نے ریا کی تعریف بیان فرمادی۔ ریا کار پانچ قسموں پر مشتمل ہوتے ہیں:

(۱) ظاہری اور بدنی ہیئت وشکل سے دھوکا دینے والے: مثلاً اپنے آپ کو بالکل نحیف و کمزور بتاتے ہیں تا کہ لوگ سمجھیں کہ یہ نقاہت اور کمزوری مجاہدہ و ریاضت کا نتیجہ ہوگا یا ٹھنڈی آہیں بھر بھر کر موت کو یاد کرتے رہتے ہیں تا کہ لوگ سمجھیں یہ کتنا نیک آدمی ہے کہ ہمیشہ موت کا خیال رکھتا ہے یا اپنی پیشانیوں پر گٹھے لا لیتے ہیں تا کہ لوگ انہیں

عبادت گزار تصور کریں۔

عبادت میں نہ کثرت ہے نہ شوق جبہ سائی ہے
یہ پیشانی کا گھٹا کیا ہے؟ سیمائے ریائی ہے (احمد جنبلی)

واضح رہے کہ قرآن مجید میں پیشانی کے گھٹے والوں کی جو تعریف آئی ہے اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ وہ لوگ کثرت سجود کے عادی ہوتے ہیں جس کے سبب ان کی پیشانیوں پر بے ارادی طور پر گھٹے نمودار ہو جاتے ہیں۔ یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ تم ارادتاً گھٹے پیدا کرلو تو تمہارا بھی شماران میں ہو جائے گا۔ **سیماھم فی وجوھھم** کے ساتھ **من اثر السجود** کے الفاظ اس پر شاہد ہیں۔

(۲) لباس اور پوشاک سے اپنے آپ کو پارسا دکھانے والے: مثلاً کھردرا یا پھٹا پرانا کپڑا پہننا تا کہ اس پر زاہد ہونے کا گمان گزرے یا ہاتھ میں ہمیشہ جا نماز یا تسبیح لے کر گھومنا تا کہ لوگ صوفی سمجھیں۔

یہاں ایک بات اور قابل وضاحت ہے کہ صوفی کوئی معمولی آدمی نہیں ہوتا۔ جس کا باطن پاک ہو اور جس کا اللہ کے یہاں مقبول بندوں میں شمار ہوتا ہو وہی صوفی ہے۔ صوفی نام رکھ لینا جائز ہے لیکن اپنے آپ کو صوفی کہلوانا یا خود کہہ لینا بھی ریا کاری ہی کی ایک صورت ہے۔ صوفیوں کی انجمن بنانا اور اپنے آپ کو اس انجمن کا ایک رکن قرار دینا بھی اپنے آپ کو صوفی کہنے کے مترادف ہے لہٰذا اس سے بھی پرہیز کرنا چاہئے۔

(۳) گفتگو میں ریا کاری سے کام لینے والے: ایسے لوگ عموماً ہونٹوں کو یوں ہلاتے ہیں جیسے ہمیشہ ذکر الٰہی میں مشغول ہوں حالانکہ ذکر ہونٹوں کو ہلائے بغیر بھی ہوسکتا ہے لیکن اس سے لوگوں کو کیسے پتہ چلے گا کہ یہ حضرت ذکر بھی کیا کرتے ہیں۔ اسی لئے حضرت خواجہ محبوب اللہؒ نے پاس انفاس پر مداومت کا حکم دیا تا کہ ذکر بھی چلے اور ریا کاری سے بھی محفوظ رہ سکیں۔

(۴) عبادت میں ریا کاری کرنے والا: ایسا ریا کار نماز پڑھتے ہوئے اگر دور کسی کو آتا ہوا دیکھتا ہے تو نماز بڑے اہتمام اور خشوع وخضوع سے پڑھتا ہے۔گردن آگے کو جھک جاتی ہے۔رکوع وسجود طویل ہوجاتے ہیں حالانکہ اگر کوئی دیکھ نہ رہا ہو تو نماز میں وہ تیزی وطراری ہوتی ہے کہ جتنا جلد ممکن ہو نماز ختم کرلی جائے۔

(۵) مریدوں اور شاگردوں کی تعداد بتا کر اپنی منزلت منوانے والے: یہ لوگ دوسروں پہ یہ ظاہر کرنے میں بڑے مستعد ہوتے ہیں کہ ان کے مریدوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ بڑے بڑے رئیس اور جاگیردار سلام کو حاضر ہوتے ہیں۔عزت دار لوگ میرا احترام کرتے ہیں۔یہ لوگ اس سے یہ تاثر پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ میں واقعی قابل احترام ہوں۔سب لوگ میری نیکی اور میری للّٰہیت کی وجہ سے مجھ سے متاثر ہیں۔

یہ تو اس قسم کے ریا کاروں کی بات تھی جن کی ریا کاری آسانی سے ظاہر ہوجاتی ہے لیکن اس سے زیادہ پوشیدہ ریا کار وہ ہوتا ہے جو اپنے اعمال میں ریا ظاہر نہیں ہونے دیتا لیکن ریا اس کے باطن میں موجود رہتی ہے۔مثلاً اپنے آپ کو گناہ گار کہتا ہے۔اس لئے نہیں کہ اسے اپنے گنہگار ہونے کا اعتراف ہے بلکہ اس لئے کہ لوگ اس کو اس کی عاجزی وفروتنی کے سبب نیک خیال کریں۔

اب یہاں میں اس بات کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ جو ریا کاروں کی نشانیاں بتائی گئی ہیں اس کا مقصد یہ ہے کہ ہم اگر اپنے آپ میں ان نشانیوں میں سے کسی نشانی کو موجود پائیں تو یقین کرلیں کہ ہم میں ریا کاری کا عنصر موجود ہے اور اس کے علاج کی طرف متوجہ ہوجائیں۔ یہ نہیں کہ دوسروں کو ظاہری طور پہ ان صفات کا متحمل دیکھ کر زبان درازی یا انگشت نمائی کیا کریں۔

جس کا عمل ہے اس کے ساتھ ہم کو نہیں زیبا تنقید (احمد حنبلی)

ویسے بھی ''انما الاعمال بالنیات'' کا ارشاد ہے اور ہم کسی کی نیتوں سے واقف نہیں اس لئے بدظنی سے حتیٰ المقدور گریز کرنا ہی احسن ہے۔ پھر انگشت نمائی بجائے خود ایک مذموم فعل ہے۔

واضح ہو کہ ریاء ایک خطرناک بیماری ہے اور ایسی خطرناک بیماری ہے کہ جو مسلمان کی روحانیت کو تہس نہس کر کے رکھ دیتی ہے۔ اس کا علاج معمولی کوشش سے نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے لئے زبردست جدوجہد درکار ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے تو ضروری ہے کہ ریاء کی حقیقت کے بارے میں خوب واقفیت حاصل کر لیں' کہ یہ عبادتوں کو ناچیز کر دیتی ہے اور آخرت میں اس کا عذاب اتنا شدید ہوگا کہ اسے برداشت کرنا کسی کی بھی طاقت سے باہر ہے۔

اگر کوئی شخص شہد کا بے حد شوقین ہے اور شہد کی موجودگی پر بغیر کھائے رہنا اس کے لئے دشوار ہے لیکن اس کو یہ بتا دیا جائے کہ اس شہد میں زہر ملا ہوا ہے تو شدت رغبت کے باوجود وہ شہد کھانے کی جرأت نہیں کرے گا۔ اس کے باوجود اگر کوئی شخص کھا لے تو اس کی چار ہی وجوہ ہو سکتی ہیں۔ پہلی یہ کہ اس کو اس آمیزش میں شبہ ہو بلکہ شبہ کی صورت میں بھی کوئی نہیں کھائے گا۔ دوسری یہ کہ اس کو اس بات کا یقین ہو کہ کہنے والا جھوٹ کہہ رہا ہے۔ تیسری یہ کہ وہ جان بوجھ کر ہلاک ہونا چاہتا ہے اور چوتھی یہ کہ اس کا دماغی توازن ٹھیک نہیں ہے۔

یہ تو محض زہر کی بات ہے کہ جس سے انسان جان گنوا بیٹھتا ہے لیکن ریاء سے جو نقصان ہمیں آخرت میں اٹھانا پڑے گا وہ زہر کھانے سے زیادہ خطرناک ہے۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ لوگوں کی تعریف و مذمت کا نہ کوئی اعتبار ہے نہ اس کی کوئی اہمیت ہے۔ خیر و شر خدا کے ہاتھ ہے۔ عزت و ذلت بھی خدا ہی کی مرضی سے حاصل ہوتی ہے جیسا کہ حق تعالیٰ نے واضح فرما دیا: ''وتعز من تشاء وتذل من تشاء بیدک الخیر'' اگر تھوڑی دیر کے لئے کوئی ہمیں نیکوکار تصور کر بھی لیں تو کیا ہوگا۔ لوگوں کو بدلتے دیر نہیں لگتی۔

ساری زندگی ہم کو لوگ اگر پارسا سمجھتے رہیں تب بھی ایک منٹ کے اندر اندر یہ رائے یکسر بدل سکتی ہے۔

حُب ونفرت کا اعتبار نہیں   دل تغیر پذیر ہوتا ہے (احمد حنبلی)

پس ایسی بے اعتبار عزت وناموس کے لئے محنت کو رایگاں کرلینا اور الٹا وبال سر پر مول لینا کونسی سمجھداری ہے۔ اس لئے جو کچھ کریں صرف اللہ کے لئے کریں اور اللہ ہی کے خیال سے کریں۔

یار تیرا ہے تو پھر تیری ہے ساری کائنات   سب کو اپنا کرنے والے اسکو اپنا کرکے دیکھ
(حضرت کاملؒ)

جس وقت دل میں ریا کا گزر ہو تب ان تمام باتوں کو یاد کریں تو انشاء اللہ تعالیٰ ریا دل ودماغ سے معاً دور ہوجائے گی۔ اللہ کی توفیق سے اخلاص نصیب ہوگا۔ البتہ ریا کاری کے تقاضوں کی مخالفت کرنے اور دل سے کراہیت کرنے کے باوجود اگر دل میں وسوسے باقی نہ رہ جائیں تو اس کو اہمیت نہیں دینا چاہئے کیونکہ وسوسے ایک طبعی امر ہے اور انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ بعض اوقات آدمی کو عبادتوں سے روکنے کے لئے بھی شیطان یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ ارے فلانے! تو تو دکھاوے کی عبادت کررہا ہے۔ ایسی عبادت سے کیا فائدہ؟ جو شخص ریا کے خوف سے عبادت ہی ترک کردے تو گویا اس نے شیطان کے کام کو آسان کردیا۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ وسوسوں کو خاطر میں نہ لائیں اور اخلاص کے ساتھ عبادت پوری کریں۔

اب یہاں ایک اور بات وضاحت طلب ہے۔ وہ یہ کہ جہاں عبادتوں کو چھپانے کا حکم ہے وہیں دو صورتوں میں عبادتوں کو ظاہر کرنے کی اجازت بھی ہے:

(۱) جو عبادتیں فرض یا واجب ہیں ان کو چھپانے کا حکم نہیں ہے۔ مثلاً پنجوقتہ نمازیں، رمضان کے روزے وغیرہ۔ نماز کے بارے میں ہے کہ نماز مسلمان اور کافر میں فرق کرنے والی

چیز ہے یعنی یہ مسلمان ہونے کی نشان ہے۔ جس طرح اپنا دین ظاہر کرنا ریاء میں داخل نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح فرائض کی سرعام ادائیگی بھی ریاء میں داخل نہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو مساجد میں باجماعت نمازیں ادا کرنے کا حکم بھی نہ ہوتا۔ ہاں البتہ اگر نماز اس لئے پڑھیں کہ لوگ نمازی کہا کریں تو یہ بیشک ریاء میں داخل ہے۔

(۲) وہ اعمال نیک جس کی لوگ اقتدا کریں یا جو عوام میں تحریک کا سبب بنیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: "**وان تبدوا الصدقات فنعما ھی ط وان تخفوھا وتو توھا الفقراء فھو خیر لکم**" (سورہ البقرہ آیت ۲۷۱) اگر تم صدقات کو ظاہر کرکے دو تب بھی اچھی بات ہے اور اگر ان کو چھپاؤ اور فقراء کو دیدو تو یہ اور بھی اچھا ہے۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے کچھ مال طلب فرمایا تو ایک صحابی نے حسب الحکم ایک مال سے بھری تھیلی یوں حاضر کی کہ لوگوں نے دیکھ لیا۔ تب ان کی دیکھا دیکھی سبھوں نے مال لانا شروع کردیا۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص نیک نمونہ پیش کرے اور لوگ اس کی اقتداء میں ویسی ہی نیکی کرنے لگیں تو اس شخص کو اپنے حصہ کے ثواب کے علاوہ دوسروں کی موافقت کا اجر بھی ملے گا۔

پس حقیقت یہ ہے کہ اگر دل ریاء سے محفوظ ہے اور اظہار عبادت دوسروں کے راغب ہونے کا موجب بنے تو یہ بہت زیادہ ثواب کا باعث ہے۔ لیکن یہ اظہار صرف ایسی جگہ کریں جہاں دوسروں کی مسابقت کا امکان روشن ہو اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے دل کا جائزہ بھی لیتے رہیں کیونکہ اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ ریاء کی خواہش دل میں موجود ہوتی ہے اور صرف باہر نکلنے کا بہانہ تلاش کرتی ہے۔ اس سلسلے میں یہ بات اچھی طرح ذہن نشین رکھنا چاہیئے کہ بہانے بنا کر لوگوں کو تو بے وقوف بنایا جاسکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ دل میں گزرنے والی نیتوں اور وسوسوں سے واقف ہے لہٰذا اس کے سامنے بہانے نہیں بنائے جاسکتے۔

"یخادعون اللّٰہ والذین آمنو وما یخدعون الا انفسھم وما یشعرون" (البقرہ)

اخلاص کیا ہے؟:۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "اخلاص میرے رازوں میں سے ایک راز ہے جسے میں کسی شخص کے دل میں رکھتا ہوں تو خود اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔[1]

حضرت ذون النورین مصریؒ فرماتے ہیں کہ تین چیزیں اخلاص کی نشانیاں ہیں:

(۱) عوام کی مدح یا مذمت بندے کے نزدیک یکساں ہوجائے۔

(۲) اعمال میں اپنے حسن اعمال کو دیکھنا بھول جائے۔

(۳) اور یہ بھی بھول جائے کہ وہ آخرت میں اپنے اعمال کا ثواب چاہتا ہے۔

ہو عبادت کا مقصد حصولِ رضا
مت رکھو آرزوئے صلہ دوستو (احمد حنبلی)

حضرت مکحولؒ نے فرمایا: جو بندہ چالیس دن تک صحیح اور کامل اخلاص کے ساتھ عمل کرتا ہے تو اس کے دل سے حکمت کے چشمے پھوٹ کر زبان پر جاری ہوجاتے ہیں (حسن احوال) اور ایک بزرگ کا قول ہے کہ صحیح اور کامل اخلاص یہ ہے کہ اخلاص میں اخلاص کو بھی نہ تلاش کرے ؎

اخلاص میں اخلاص کو مت ڈھونڈیئے ورنہ
اخلاص خود اخلاص کا محتاج رہے گا (احمد حنبلی)

جس طرح لوگوں کی خاطر عمل کرنا برا ہے اسی طرح لوگوں کے خوف سے عمل ترک کردینا بھی قابل مذمت ہے۔ حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے تھے کہ لوگوں کی خاطر عمل کرنا ریاء ہے اور لوگوں کی وجہ سے چھوڑ دینا شرک ہے۔ اخلاص یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمھیں ان دونوں سے نجات دیدے۔

حضرت غوث الثقلین غوث الاعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: "اے فرزند! تو اپنی

---

[1] اس حدیث قدسی کا حوالہ دستیاب نہ ہوسکا۔ ڈاکٹر محمد طاہر القادری پاکستان نے اس کو اپنے کتابچہ "حسن الاحوال" میں ذکر کیا ہے۔

نماز روزہ اورتمام افعال میں اللہ تعالیٰ کے واسطے اخلاص پیدا کر۔ افسوس تجھ پر کہ تو اپنی نماز میں اخلاص کے بغیر اٹھتا اور بیٹھتا ہے۔ اپنے روزے میں بھوکا پیاسا رہتا ہے۔ اس سے تجھے کیا فائدہ؟ تیری (ریاکاری کے) نماز روزے سے تجھے سوائے مشقت کے کچھ حاصل ہونے والا نہیں ہے۔ (اس لئے) مخلص بن جا۔ اللہ تعالیٰ کے لئے نماز پڑھ روزہ رکھ۔ مخلوق کے لئے نہیں (جلاء الخاطر۔ باب ۹)

الغرض ریاء سے بچنے کا طریقہ صرف یہی ہے کہ اپنے ظاہر و باطن کو ایک کرلیا جائے اور کثرت سے استغفار کیا جائے اور جان لیں کہ جو شخص لوگوں پر اپنے باطن کے خلاف ظاہر کرتا ہے وہ منافق ہے اور قیامت کے روز منافقوں کے گروہ میں اٹھے گا نعوذ باللہ من الریاء و نسئلہ الاخلاص۔

باب ﴿۹﴾

بیکار گفتگو

حضرت خواجہ محبوب اللہؒ نے فرمایا کہ ”جھوٹ، غیبت، حسد اور بیکار گفتگو دل کا نور کھو دیتے ہیں۔“

دل کا نور کھو جانے سے مراد کفر کی خصلتوں کا پیدا ہونا ہے جس سے احتیاط ضروری ہے۔ حضرت نے اسی کی طرف اس ارشاد میں چار صفات مذمومہ کا ذکر کیا ہے (۱) جھوٹ (۲) غیبت (۳) حسد (۴) بیکار گفتگو۔ اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ ان چاروں کو علیحدہ علیحدہ باب کی شکل میں بیان کیا جائے تا کہ ان کے نقصانات کا کما حقہ جائزہ لیا جا سکے کہ ان چاروں کو ایک باب میں بیان کرنا حد سے زیادہ اختصار کو دعوت دیتا ہے جو اہم موضوعات کے لئے قرین انصاف نہیں۔ لیکن چوں کہ جھوٹ اور غیبت عام طور پر بیکار گفتگو کا ثمرہ ہوتی ہیں اس لئے ہم بیکار گفتگو کے باب کو مقدم کرتے ہیں۔

زبان حق تعالیٰ کی صنعتوں میں سے ایک عجیب و غریب صنعت ہے کہ دیکھنے میں محض گوشت کی ایک بوٹی ہے لیکن دراصل دنیا کی ہر چیز پر اسے تصرف حاصل ہے۔ اس سے حاصل ہونے والا ثواب بھی بہت زیادہ ہے اور اس کا گناہ بھی سب سے زیادہ ہے۔ عقل کے احاطہ سے کوئی چیز باہر نہیں اور عقل و خیال میں جو کچھ آتا ہے اس کو الفاظ و عبارت کی صورت میں ظاہر کرنا زبان ہی کا کام ہے اور یہ ملکہ جسم کے کسی دوسرے عضو کو حاصل نہیں اس لئے زبان عقل کی نائب کہلاتی ہے اس کے علاوہ دل کی راستی یا کجرائی کا انحصار زبان کی راستی یا کج گوئی پر ہوتا ہے۔

حجتہ الاسلام امام محمد الغزالیؒ فرماتے ہیں کہ ''زبان سے نکلنے والے کلمات بد ہوں تو دل میں بدی کی تاریکی چھا جاتی ہے اور اگر کلمۂ حق زبان سے نکلتا ہے تو دل میں روشنی پھیل جاتی ہے۔'' گویا زبان سے نکلنے والے کلمات کا اثر دل پر نور کے ضیاع یا نور میں اضافہ کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔لہٰذا اس قول سے حضور خواجہ محبوب اللہؒ کے ارشاد کی تائید ہوتی ہے۔

یاد رہے کہ جب تک دل درست نہ ہو اس وقت تک ایمان بھی صحیح و مستقیم نہیں ہوسکتا اور دل کی راستی کا انحصار زبان کی راستی پر ہوتا ہے۔پس زبان کے فتنوں' آفتوں اور شر وفساد سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنا اور خود اپنی زبان سے انہیں برباد ہونے سے روکنا دین کے اہم ترین اصولوں میں سے ہے۔

زبان کی آفات بے اندازہ ہیں اور ان سے بچتے ہوئے زبان کو قابو میں رکھنا انتہائی مشکل ہے۔لہٰذا ان سے نجات کی اس سے بہتر اور کوئی تدبیر نہیں ہوسکتی ہے کہ خاموشی اختیار کی جائے اور بقدر ضرورت بات کرنے کی عادت کو اپنایا جائے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''**من صمت نجا**۔ جو چپ رہا وہ نجات پا گیا (طبرانی بروایت عبداللہ ابن عمرؓ) ایک اور حدیث میں یہ الفاظ آئے ہیں ''**من سکت سلم من سلم نجا**'' جو چپ رہا وہ سلامت رہا اور جو سلامت رہا وہ نجات پا گیا۔ کیمیائے سعادت میں امام غزالیؒ نے ایک حدیث نقل فرمائی کہ رسالتمآب ﷺ نے فرمایا: ''حق تعالیٰ نے جسے پیٹ' فرج اور زبان کے فتنے سے پناہ دی اسے گویا تمام گناہوں سے تحفظ حاصل ہوگیا'' اسی حدیث کی روشنی میں راقم نے یہ قطعہ نظمایا ہے۔

کیا زباں کیا پیٹ اور کیا شرمگاہ دے خدا ان سب کے فتنوں سے پناہ
دور جس سے بھی یہ فتنے ہوگئے دور اس سے ہوگئے سارے گناہ

ایک اور حدیث شریف ہے: ''**الصمت حکمة وقلیل فاعله**۔ خاموشی حکمت ہے

اور اس کے کرنے والے کم ہیں (ابومنصور در فردوس بروایت ابن عمرؓ بسند ضعیف)

اور ارشاد ہے: "من كان يومن بالله واليوم الأخر فليقل خيرا اوليسكت"
جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہیے کہ (باتیں ہی کرنا ہیں تو) اچھی اور پسندیدہ باتیں کرے ورنہ خموشی اختیار کرے (بخاری و مسلم)۔

احمد اپنے نطق کو تم بے سبب زحمت نہ دو بات ہی کہنا ہو تو اچھی کہو یا چپ رہو

اور فرمایا: "اذا رايتم المومن صموتا وقورا فادنوا منه فانه يلقن الحكمة"
جب تم کسی خاموش اور باوقار مومن کو دیکھو تو اس کے پاس ضرور جاؤ کیونکہ وہ یقیناً صاحب حکمت ہوگا (احیاء العلوم)۔

اور فرمایا: " من سره ان يسلم فليلزم الصمت " جس کو سلامت رہنا اچھا لگے تو وہ خاموشی کو اپنے اوپر لازم کر لے (طبرانی)۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ قسم ہے اس پاک ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، زبان سے زیادہ کوئی چیز نہیں جو ہمیشہ قید رکھنے کی محتاج ہو (احیاء العلوم)۔

خاموش کو بہت زیادہ فضیلتیں حاصل ہیں اور اس لئے حاصل ہیں کہ زبان کی آفتیں بے شمار ہیں اور ان آفتوں سے بچنے کا خاموشی سے بڑا کوئی طریقہ نہیں۔ نوک زبان سے بلا ضرورت نکلنے والی باتیں اکثر وبیشتر بے ہودہ اور لغو ہوتی ہیں۔ جن کا ادا کرنا نہ صرف مشقت سے عاری ہوتا ہے بلکہ یہ زبان کو بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو چیز بھلی بھی معلوم ہو اور آسان بھی ہو اس سے بچنا آدمی پر بار ہوتا ہے۔ حالانکہ حضرت لقمان علیہ السلام کا قول ہے کہ خاموشی کا دوسرا نام دانائی ہے۔ گویا بیکار گفتگو کرنے والا احمق ہوتا ہے۔

ایک مرد دانا کا قول ہے کہ جس طرح زیادہ ہنسنے سے دل مردہ ہو جاتا ہے اسی طرح زیادہ باتیں کرنا دماغ کو مردہ کر دیتا ہے۔

باتیں چار قسم کی ہوتی ہیں ان میں سے دو اقسام کی باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ جن کے بارے میں کسی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے:

(۱) وہ باتیں جن کے کہنے میں سراسر نقصان ہو جیسے فسق و فجور کی باتیں۔ گالی گلوچ۔ فحش کلامی۔ خلاف تہذیب اور ناشائستہ کہانیاں' لطیفے اور اشعار۔ بدزبانی۔ لعنت ملامت۔ استہزا وتمسخر۔ جھوٹ۔ غیبت۔ لگائی بجھائی اور چغلی۔ دورخی کی باتیں۔ خود پسندی۔ الزام تراشی۔ لوگوں کو فضول مدح وستائش اور قصیدہ خوانی یا تذلیل وتحقیر۔ ایسی آفات زبان ہیں کہ جن میں مبتلا ہوکر انسان تباہی کے نرغے میں چلا جاتا ہے اور ان باتوں کے برا ہونے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔

(۲) وہ باتیں جن میں فائدہ ہی فائدہ ہوتا ہے جیسے وعظ ونصیحت۔ عوام کی ہدایت و رہنمائی کے لئے حکایت بیانی' مناظرے' حسن شعر کوئی ذکر وشغل وغیرہ۔ یہ ایسے افعال ہیں کہ جن کی نفع رسائی میں شبہ نہیں بشرطیکہ اخلاص نصیب ہو۔

(۳) وہ باتیں جن کا کہنا نفع بخش بھی ہو اور نقصان رساں بھی جیسے کسی مغموم ورنجیدہ مسلمان کی دل بستگی کے لئے لطیفے سنانا۔ قصیدہ خوانی اور اختلاف رائے وغیرہ کہ یہ بعض مقامات پر نفع بخش بھی ہوتا ہے اور بعض وقت نقصان رساں بھی۔

(۴) وہ باتیں جو نفع ونقصان دونوں سے خالی ہیں اور یہ بالکل فضول اور واہیات ہوتی ہیں۔ جیسے سفرنامہ بیان کرنا اور ان تمام پہاڑوں' باغوں' ندی نالوں کے قصے بیان کرتے رہنا جو دوران سفر نظر سے گزرے۔ یہ تفصیلات بلاکمی وبیشی بھی پیش کیے جائیں تب بھی بالکل بے سود ہے جس کی قطعاً کوئی ضرورت ہی نہ تھی۔ اسی طرح کسی سے دوچار ہونے پر اس سے ایسے سوالات کیے جائیں جن میں کوئی تک نہ ہو۔ نہ پوچھنے والے کو کوئی فائدہ نہ بتانے والے کو کوئی فائدہ بلکہ بعض اوقات مہمل سوال نقصان رساں بھی ہوسکتا ہے۔ جیسے کسی سے یہ پوچھا

جائے کہ تم روزہ سے ہو یا نہیں۔ بالکل غیر ضروری سوال ہے۔ ایک کے روزہ رہنے نہ رہنے سے دوسروں کو کیا تعلق ہے؟ اگر جواب دینے والا ہاں کہے تو عبادت کا ڈھنڈورہ پیٹنے کے مترادف ہوگا اور اگر جھوٹ کہے تو گنہگار ہوگا اور یہ سب کچھ اس سوال کرنے والے کی وجہ سے ہوگا۔ پس فضول بات میں خواہ ذرہ بھی باطل کی آمیزش نہ ہو تو بھی بے فائدہ ہونے کی وجہ سے وہ فضول ہی ہوتی ہے اور تضیع اوقات کا سبب بنتی ہے۔

حتیٰ کہ جو بات ایک جملے میں بیان کی جاسکتی ہو اسے طول دے کر دو جملوں میں بیان کریں تو دوسرا جملہ فضول اور غیر ضروری کہلائے گا اور باعث آفت ہوگا۔ اسی لئے حکمت اور دانائی اسی میں ہے کہ خاموشی اختیار کی جائے اور ان چیزوں کی ٹوہ میں نہ رہیں جن سے ہمارا تعلق نہ ہو۔ وما توفیقی الا باللہ وما علینا الا البلاغ۔

باب ﴿۱۰﴾

جھوٹ

اس بات میں کوئی دورائے نہیں کہ جھوٹ کا شمار گناہ کبیرہ میں ہوتا ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ایاکم والکذب فانہ مع الفجور وھما فی النار وعلیکم بالصدق فانہ مع البر وھما فی الجنۃ'' (ابن ماجہ ونسائی) جھوٹ سے بچو کیونکہ اس کا تعلق بدکرداری سے ہے اور دونوں دوزخ کی چیزیں ہیں۔ اور تم پر لازم ہے کہ سچ کہو کیونکہ اس کا تعلق نیکی سے ہے اور دونوں جنت میں ہیں۔

ایک اور حدیث شریف ہے جو عبداللہ ابن مسعودؓ سے مروی ہے: ''لایزال العبد یکذب ویتحیر شيء الکذب حتی یکتب عنداللّٰہ کذاب'' بندہ ہمیشہ جھوٹ بولتا ہے اور (اس طرح) جھوٹ کا عادی ہوجاتا ہے تو اللہ کے پاس کذاب لکھ دیا جاتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ ''الکذب ینقص الرزق (بخاری ومسلم) جھوٹ بولنے سے رزق میں کمی ہوتی ہے (یعنی جھوٹ رزق کا دشمن ہے)

اور فرمایا: ویل للذی یحدث فیکذب لیضحک بالقوم ویل لہ ویل لہٗ (احمدؒ بیہقی وحاکم بروایت عبدالرحمٰن بن شبل) افسوس ہے اس شخص پر جو محض لوگوں کو ہنسانے کے لئے جھوٹ کہتا ہے۔ افسوس ہے اس پر' افسوس ہے اس پر۔

حضرت عبداللہ بن جراء سے روایت ہے کہ انھوں نے آں حضور ﷺ سے پوچھا ''یارسول اللہ! کیا کسی مومن سے زنا کا ارتکاب ممکن ہے؟'' فرمایا ''ہاں اس کا امکان ہوسکتا ہے۔''

پھر انہوں نے پوچھا ”کیا مومن جھوٹ بول سکتا ہے؟“ فرمایا نہیں۔ پھر یہ آیت پڑھی ”انما یفتری الکذب الذین لایومنون بایات اللّٰہ (بس جھوٹ پھیلانے والے تو وہی لوگ ہیں جو اللہ کی آیات پر ایمان نہیں رکھتے۔ سورہ النحل آیت ۱۰۵)

اور ایک حدیث شریف میں آیا ہے ”اربع اذکن فیک فلا یضرک مافاتک من الدنیا صدق حدیث و حفظ امانۃ وحسن خلق وعفۃ طعمۃ“ (حاکم وطبرانی درمکارم اخلاق بروایت عبداللہ ابن عمروؓ) چار چیزیں ایسی ہیں کہ اگر تجھ میں ہوں تو دنیا کی کوئی چیز تیرے پاس نہ ہو تب بھی تجھے کوئی ضرر نہ ہوگا۔ (۱) سچ بولنا (۲) امانت کی حفاظت کرنا (۳) خوش خلقی (۴) حلال روٹی۔

حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ جھوٹ بولنا اس لئے حرام ہے کہ یہ دل پر اثر کرتا ہے اور دل کی اصلی شکل کو مسخ کر کے رکھ دیتا ہے اور بالکل تنگ و تاریک بنادیتا ہے (کیمیائے سعادت۔ فارسی نسخہ صفحہ ۲۹۳) چنانچہ حضرت محبوب اللہؒ نے بھی اسی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ جھوٹ ان چیزوں میں شامل ہیں جن سے دل کا نور ضائع ہوجاتا ہے۔ یہ تو جھوٹ کے باطنی نقصانات تھے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جھوٹ ظاہری طور پر بھی نقصان پہنچانے والی عبادت ہے۔ جھوٹ بولنے والے کا وقار اور دبدبہ ختم ہوجاتا ہے۔ جھوٹ بولنے والے کی عزت نہیں کی جاتی۔ جھوٹ بولنے والے کی ہر بات جھوٹ ہی سمجھی جاتی ہے خواہ وہ کبھی سچ ہی کیوں نہ بولے۔ اور پھر ایک وقت ایسا بھی آجاتا ہے کہ خود اس کو اس بات کا احساس نہیں رہتا کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ اس طرح وہ لوگوں کی نظروں میں گر جاتا ہے اور ذلیل ہوتا ہے۔ اس لئے علماء نے کہا ہے کہ ان مواقع پر جہاں جھوٹ بولنا جائز ہے وہاں بھی دل میں کراہت رہ کر ہی جھوٹ بولنا چاہئے تاکہ مصلحتاً کہا گیا جھوٹ کہیں عادت نہ بن جائے۔ اور ایسے میں بھی بالکل سفید جھوٹ کہنے سے گریز کرنا چاہئے۔ وہ صورتیں جس میں جھوٹ بولنا جائز ہے:

باب ﴿۱۱﴾

غیبت

غیبت وہ خطرناک وبال ہے جس کی مثال قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بھائی کا گوشت کھانے سے دی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

''فلا یغتب بعضکم بعضا ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیہ میتا فکرھتموہ۔''

پس ایک دوسرے کی غیبت نہ کیا کرو۔ کیا تم میں سے کسی کو یہ پسند ہے کہ اپنے بھائی کا گوشت کھائے وہ بھی مردہ۔ پس تم کو اس سے کراہیت ہوتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ایاکم و الغیبۃ فان الغیبۃ اشد من الزنا (ابن ابی الدنیا۔ ابن حبان۔ ابن مردویہ) غیبت سے بچو کیونکہ اس کا گناہ زنا سے بھی زیادہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زانی اگر توبہ کرے تو قبول ہوجاتی ہے لیکن غیبت کرنے والے کی توبہ اس وقت تک قبول نہیں ہوتی جب تک کہ خود وہ شخص معاف نہ کردے جس کی غیبت کی گئی ہو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ شب معراج کو میرا گزر ایک ایسے گروہ کے قریب سے ہوا جو اپنے ناخنوں سے اپنے ہی چہرے کا گوشت نوچ رہے تھے۔ میں نے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ تو بتایا گیا کہ یہ غیبت کرنے والے ہیں (ابوداؤد)۔

حضرت امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک مرتبہ موسیٰ علیہ السلام پر وحی فرمائی کہ جو شخص غیبت سے توبہ کرکے مرے گا وہ سب سے آخر میں جنت میں جائے گا۔ اور اگر توبہ کے بغیر مرجائے تو سب سے پہلے دوزخ میں جائے گا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضورؐ کا ہم سفر تھا۔ راستے میں دو قبروں کے پاس سے ہمارا گزر ہوا تو حضورؐ نے فرمایا کہ دونوں کو عذاب ہو رہا ہے کیونکہ ایک غیبت کا عادی تھا اور دوسرا طہارت سے اس قدر دور تھا کہ کپڑوں کو پیشاب سے بھی نہیں بچاتا تھا۔ اسی حدیث کے آخر میں ہے کہ جب حضور ایک مردار کے قریب سے گزرے تو فرمایا: اس مردار کا گوشت کھاؤ صحابہ نے عرض کیا کہ ہم مردار کا گوشت بھلا کیسے کھا سکتے ہیں؟ فرمایا: جو (غیبت کر کے) اپنے بھائی کا گوشت کھاتے رہتے ہو وہ اس سے کم گندہ تو نہیں ہے (ابن ابی الدنیا)۔

حضورؐ نے غیبت کرنے والے کے ساتھ غیبت سننے والے کو بھی برابر رکھا ہے۔ فرمایا کہ کرنے والے کی طرح سننے والا بھی اس گناہ میں برابر کا شریک ہے۔

وضاحت: بعض لوگ غیبت کر کے یہ کہتے ہیں کہ ہم نے جھوٹ نہیں کہا بلکہ سچ بات کہی ہے واضح رہے کہ غیبت کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کے بارے میں کوئی بات اس کی غیر حاضری میں کہی جائے کہ اگر وہ موجود ہوتا یا سنتا تو اس کو برا لگتا۔ خواہ وہ بات سچی ہی کیوں نہ ہو۔ اور اگر وہ بات ہو بھی جھوٹی تو اس کو جھوٹ، تہمت اور بہتان کہیں گے۔ اس طرح یہ گناہ بالائے گناہ ہو جائے گا۔ چنانچہ جو بات بھی کسی کے نقص یا عیب کو ظاہر کرے وہ غیبت میں شامل ہے خواہ اس کا تعلق حسب نسب سے ہو یا لباس سے یا مال و دولت سے یا گھر بار سے یا کردار سے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ ایک عورت کے بارے میں کہا کہ وہ پست قد ہے تو حضور نے فرمایا عائشہؓ تو نے غیبت کی۔

ساتھ ہی ساتھ یہ بات بھی ذہن نشین رکھنے کے قابل ہے کہ غیبت کا تعلق صرف زبان ہی سے نہیں بلکہ اس کا ارتکاب آنکھ، دل، تحریر اور اشارے سے بھی ہو سکتا ہے۔ اور غیبت ہر صورت میں حرام ہے۔ البتہ جس طرح جھوٹ بعض صورتوں میں جائز ہوتا ہے اسی طرح غیبت

بھی بعض عذرات کی بناء پر مباح ہوتی ہے۔
(۱) کسی کے ظلم کے خلاف کسی قاضی، حکمران یا کسی مدد کرنے والے کے پاس شکایت کرنا تاکہ وہ انصاف رسانی میں معاونت کرے۔ اگر اس کی اجازت نہ ہوتی تو عدل و عدالت کا نام بھی باقی نہ رہتا اور ظالم من مانی کرنے لگتے۔ البتہ ایسے شخص سے کسی کی شکایت کرنا جائز نہیں جس سے مدد یا انصاف کی توقع نہ ہو۔
(۲) کسی جگہ دنگا فساد ہو رہا ہو یا نقض امن کا خطرہ لاحق ہو تو جو شخص اس کو روکنے پر قدرت رکھتا ہے اُس کو مطلع کرنا بھی جائز بلکہ مستحب ہے۔ تاکہ فساد کو روکا جا سکے۔
(۳) کسی معاملے میں مفتی سے فتویٰ طلب کرنے کے لئے بھی کسی کی بدسلوکی کے بارے میں بیان کرنا جائز ہے تاہم احسن صورت یہ ہے کہ نام نہ لیا جائے۔
(۴) اگر کوئی شخص خود اپنی ہی برائیاں ظاہر کرتا ہے یا کھلم کھلا بیانگ دہل گناہ کرتا ہے تو ایسے شخص کے گناہ بیان کرنا بھی غیبت میں داخل نہیں ہے۔
(۵) فقہ حنبلی کی رو سے اگر کوئی شخص پنجوقتہ فرض نمازوں کو ادا نہیں کرتا تو احباب اور رشتہ داروں میں اس کے ترک نماز کا چرچا کرنے کا حکم ہے۔ یہ حکم صرف فرض نماز کی حد تک ہے۔ سنن یا روزہ یا زکوٰۃ وغیرہ میں نہیں۔
(۶) اگر کسی کا نام معیوب ہونے کے باوجود بہت مشہور ہو اور وہ خود اس نام سے برا نہیں مانتا تو اُسے اس نام سے پکارنا جائز ہے جیسے ہمارے شہر میں چند سال قبل تک ایک نابینا حافظ صاحب رہا کرتے تھے۔ لوگ انہیں نابینا صاحب کے نام سے یاد کرتے تھے اور وہ بھی اس نام کا برا نہیں مانتے تھے۔ تاہم اس میں بھی اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے کہ لفظ غیر مہذب نہ ہو جیسے نابینا اور اندھا مترادف الفاظ ہیں لیکن نابینا صاحب کو اگر اندھے صاحب کہیں تو یہ غیبت میں داخل ہوگا۔ کیونکہ اندھا غیر مہذب لفظ ہے۔

باب ﴿۱۴﴾

حسد

حضرت خواجہ محبوب اللہؒ کے ارشاد کے مطابق حسد بھی ان چیزوں میں شامل ہے جن سے دل کا نور ضائع ہو جاتا ہے۔ حسد کی مذمت میں بہت سی حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔ چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا "الحسد یا کل الحسنات کما تاکل النار الحطب" (حسد نیکیوں کو ایسے ہی ملیا میٹ کر دیتا ہے جس طرح کہ آگ لکڑی کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے) (ابوداؤد بروایت ابوھریرہؓ، ابن ماجہ بروایت انسؓ) اور فرمایا "لاتحاسدوا ولاتقاطعوا ولاتباغضوا ولا تدابروا کونوا عباداللّٰہ اخوانا" (صحیحین) آپس میں حسد نہ کرو نہ ایک دوسرے سے قطع تعلق کرو نہ بغض رکھو نہ ناطہ توڑو (بلکہ) اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ۔

حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے حسد سے جلنے والا (دراصل) میری نعمت کا دشمن ہے اور وہ میرے فیصلے پر کڑھتا ہے۔ میں نے اپنے بندوں میں جو تقسیم کیا ہے وہ اس سے ناراض ہے[1]

حدیث قدسی کے ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ حسد کرنا اللہ تعالیٰ کو کس قدر سخت ناگوار ہے۔ اللہ کے فیصلے پر کڑھنا اور اس کی مرضی پر ناراض ہونا صاحب ایمان کی نشانی نہیں ہو سکتی اس لئے حسد کی ہر شکل سے اپنے آپ کو بچانا مسلمان کا اولین فرض ہے۔

حسد اور غبطہ میں فرق: حسد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو کوئی نعمت عطا فرمائے تو دوسرا شخص

---

[1] اس حدیث قدسی کو متعدد علماء نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے لیکن مجھے اس کی اصل نہیں ملی۔

اس پر جلنے لگے اور اس کے زوال نعمت کا خواہاں ہو۔ ہاں اگر کوئی ویسی ہی نعمت کا خواہاں تو ہے لیکن اس کو حاصل نعمت کا زوال نہ چاہے تو یہ حسد نہیں بلکہ غبطہ کہلاتا ہے۔ اسی کو منافست بھی کہتے ہیں۔ یہ نا جائز نہیں۔ بلکہ اگر غبطہ دینی معاملہ سے متعلق ہو تو نہ صرف جائز بلکہ مستحسن و مبارک ہے۔ مثال کے طور پر اگر کسی کے پاس مال و دولت ہے اور وہ اللہ کی راہ میں خرچ کر رہا ہے تو دوسرا شخص یہ آرزو رکھے کہ اگر میرے پاس بھی مال و دولت آ جائے تو میں بھی اسی طرح اللہ کی راہ میں خرچ کروں۔ ایسی آرزو رکھنے والے کو محض حسن نیت کی وجہ سے انفاق فی سبیل اللہ کا ثواب ملے گا۔

حسد سے اپنے آپ کو بچانے کے لئے صوفیاء اور علماء نے کئی طریقے بتائے ہیں جن کے منجملہ انتہائی موثر یہ ہے کہ موت کو ہمیشہ یاد رکھا جائے۔ حضرت ابوالدرداؓ کا قول ہے کہ جسے موت اکثر یاد رہتی ہے اُسے نہ حسد ہوتا ہے نہ خوشی۔ کیونکہ موت کی یاد کے سامنے ان کی گنجائش ہی نہیں ہوتی۔

باب ﴿۱۳﴾

سلوک

حضرت خواجہ محبوب اللہ قدس سرہٗ نے ارشاد فرمایا کہ ''سلوک کی دس منزلیں ہیں:
(۱) تواضع (۲) صبر (۳) شکر (۴) قناعت (۵) عزلت (۶) خدا کی محبت
(۷) ذکر (۸) رضائے حق پر راضی رہنا (۹) خوف و رجا (۱۰) توکل
سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ سلوک کس کو کہتے ہیں اور سلوک کی منزل سے کیا مراد ہے؟
سیر اور سلوک کے معنی لغت میں راستہ چلنے کے ہیں اور اصطلاح صوفیہ میں سیر الی اللہ اور سلوک کے معنے یہ ہیں کہ نفس کی خواہشوں اور طبعی مقتضیات کے غلبہ کو مجاہدہ و ریاضت و طاعت و ذکر سے اتنا مغلوب و مضمحل کرنا کہ اللہ و رسولؐ کے احکام کے مقابلہ میں وہ ابھرنے نہ پائیں اور دل اللہ کی یاد میں مشغول اور اس کی طاعت میں سرگرم رہے۔ اور احکام شرعیہ اس کے لئے طبیعت بن جائیں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ تک پہنچ سکے۔ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا یہی راستہ سلوک کہلاتا ہے۔ اور اس راستہ پر چلنے والا سالک۔

منزل کے لغوی معنٰی ہیں: ''اترنے کا مقام یا نازل ہونے کی جگہ یا ٹھہرنے کا مقام''

یہاں سلوک کی منزلوں سے مراد یہ ہے کہ منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے ان منازل کو حاصل کیا جائے۔ جب تک مذکورہ دس منازل میں سے کوئی منزل حاصل نہ ہو منزل مقصود یعنی خدا تک پہنچنا ممکن نہیں۔ مثال کے طور پر تواضع کے بغیر منزل مقصود حاصل نہیں ہوسکتی اس لئے سالک کو تواضع کا پیکر بننا ہوگا اور اس کی ضد یعنی تکبر کی شکل اور ہر صورت سے

اپنے آپ کو بچانا ہوگا۔ اسی طرح دیگر منازل کا معاملہ ہے۔ اس لئے لازم ہے کہ ہر منزل کے بارے میں ضروری معلومات حاصل کرلی جائیں۔ (ہر منزل پر علیحدہ باب میں بیان کیا جائے گا)

اس کے علاوہ حضور پیران پیر غوث اعظم دستگیرؒ نے سلوک کے تین رکن بھی بتائے ہیں فرماتے ہیں: "طریق سلوک کے تین رکن ہیں (۱) عدل (۲) حق (۳) صدق۔ عدل کا تعلق اعضائے ظاہری سے ہے۔ یعنی ظاہری افعال و اعمال میں عدل اختیار کرنا۔ حق کا تعلق عقل سے ہے اور صدق دل سے۔ جس شخص نے اپنے رب کو صدق دل کے ساتھ طلب کیا تو اس کا سچ اس کے دل میں ایک ایسا آئینہ بن جائے گا کہ اس کو دنیا و آخرت کے عجائبات دکھائے گا (بہجۃ الاسرار)۔

مثال کے طور پر پہلی منزل تواضع اور پہلا رکن عدل ہے۔ اگر تواضع اختیار کرتے ہوئے عدل سے کام نہ لیا جائے تو یہ تواضع ذلت کا روپ دھار لیتی ہے۔ جیسا کہ حضرت شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں: "تواضع تکبر اور ذلت کے درمیان ہے۔ یعنی تکبر یہ ہے کہ آدمی خود کو اپنے حقیقی درجہ سے بلند سمجھے اور ذلت یہ ہے کہ اپنے آپ کو اتنا گرادے کہ اس سے خود اس کی حق تلفی ہو۔ اور تواضع ان دونوں کی درمیانی شکل ہے۔ اس معلوم ہوا کہ منازل سلوک کے ساتھ ساتھ ارکان سلوک کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔

اگر کوئی شخص ان منازل سلوک پر سرسری اور سطحی سی واقفیت حاصل کرکے عمل کرے تو اس کو مقام صدق حاصل نہیں ہوگا۔ صادق وہ ہے جو دین کی حقیقتوں کو اپنے دل سے طلب کرے اور اس پر یہ احوال بڑی مضبوطی کے ساتھ غالب اور مسلط ہوجائیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے انما المومنون الذین امنوا باللہ ورسولہ ثم لم یرتابوا وجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ اولئک ھم الصادقون۔ "پورے مومن وہ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور پھر شک نہیں کیا۔ اور اپنے مال اور جان سے خدا کے راستے میں محنت اٹھائی۔

یہی صادقین ہیں۔'' (سورہ الحجرات آیت ۱۵)

بعض بزرگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ سلوک چار عناصر پر مشتمل ہے:

(۱) تزکیہ نفس (۲) تصفیہ قلب (۳) تخلیہ سر (۴) تجلیہ روح تزکیہ نفس سے مراد یہ ہے کہ نفس کو اخلاق رذیلہ سے پاک وصاف کر کے اخلاق حمیدہ سے آراستہ کیا جائے۔

تصفیہ قلب سے مراد دل کو غیر اللہ سے منقطع اور بے تعلق کرنا ہے۔ یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک دنیا کی محبت دل سے نہ نکلے۔

تخلیہ سر سے مراد سر کی پاسبانی اس طرح سے کی جائے کہ غیر حق کا اندیشہ بھی داخل نہ ہونے پائے۔

تجلیہ روح سے مراد یہ ہے کہ روح کو ذوق وشوق کے ذریعہ مشاہدۂ حق کے انوار سے منور ومتجلی کیا جائے۔ (اس کتاب میں اس سے زیادہ تفصیل کی گنجائش نہیں ہے)۔

باب ﴿۱۴﴾

تواضع

اُردو میں عام طور پر تواضع کے معنی خاطر مدارات اور خوش اخلاقی کے لئے جاتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں تواضع عاجزی اور انکسار سے پیش آنے کا نام ہے۔صوفیہ کے نزدیک تواضع سے مراد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اور اس کی راہ میں عاجزی اختیار کرتے ہوئے پوری طرح بندگی بجالانا ہے اس طرح کہ تکبر کا شائبہ دور دور تک نظر نہ آئے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "ماتواضع احد للّٰہ الا رفعہ اللّٰہ" (مسلم بروایت ابوھریرہؓ) کوئی شخص ایسا نہیں کہ جس نے عاجزی اختیار کی ہو اور حق تعالیٰ نے اُسے سربلندی سے محروم رکھا ہو۔ ایک اور حدیث شریف میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ..... "کوئی شخص ایسا نہیں کہ جس کے سر پر دو فرشتوں نے لگام نہ تھام رکھی ہو۔ جب وہ شخص تواضع کرتا ہے تو وہ فرشتے اس کی لگام اوپر کی طرف کھینچتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ بارخدایا اسے سربلندی عطا فرمادے۔اگر وہ تکبر و بڑائی سے کام لیتا ہے تو اس کی لگام نیچے کی طرف کھینچتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بارخدایا اسے ذلیل و سرنگوں کردے۔(بزار بروایت انسؓ) اور فرمایا: "جو کوئی تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ساتویں آسمان تک بلند کرتا ہے" (بیہقی در شعب بروایت ابن عباسؓ) اور حضور نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے انتخاب کا اختیار عطا فرماتے ہوئے کہا کہ رسول و بندہ بننا چاہتے ہو یا رسول و بادشاہ؟ مجھے ذرا توقف ہوا۔میرے دوست جبرئیل وہیں موجود تھے۔ انھوں نے جو مجھے اپنی طرف دیکھتے ہوئے پایا تو کہا کہ عاجزی اختیار کیجئے۔تب میں نے عرض کیا کہ الٰہی میں چاہتا ہوں کہ رسول و بندہ رہوں۔

اور ایک حدیث شریف میں آپ نے فرمایا "الکرم التقوی والشرف التواضع والیقین الغنی" بزرگی تقویٰ ہے شرف عاجزی ہے اور یقین تونگری ہے (ابن ابی الدنیا مرسلاً۔ حاکم نے اس کو بروایت حسن بن سمرہ سعداً نقل کیا ہے)۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ تم لوگ عبادتوں میں سے افضل ترین عبادت کو بھولے رہتے ہو جسے عاجزی کہتے ہیں۔حضرت حسن بصریؒ کا قول ہے کہ عاجزی کا مطلب یہ ہے کہ تم جس کسی کو دیکھو اُسے اپنے آپ سے افضل سمجھو۔حضرت مالک بن دینارؒ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص مسجد کے دروازے پر کھڑا ہو کر پکارے کہ تم میں سے جو شخص بدترین ہے وہ باہر چلا آئے تو میں سب سے پہلے باہر نکل آؤں اور کوئی شخص میرے آگے نہ نکل سکے سوائے اس کے کہ مجھے زبردستی پیچھے دھکیل دیں۔حضرت ابن مبارکؒ کا قول ہے کہ...... عاجزی کا تقاضہ یہ ہے کہ جو شخص دنیاوی مرتبہ کے اعتبار سے تم سے کمتر ہو۔تم اپنے آپ کو اس سے بھی کمتر سمجھو۔ اور جو تم سے دنیاوی مرتبہ میں بالاتر ہو اس سے اپنے آپ کو بڑھا چڑھا کر رکھو تا کہ اسے معلوم ہو جائے کہ دنیاوی دولت وحشمت کی تمہاری نگاہوں میں کوئی قدر ومنزلت نہیں ہے۔(امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں یہ اقوال نقل کئے ہیں)۔

باب ﴿۱۵﴾

صبر

صبر کی عظمت وفضیلت کا اندازہ تو اسی سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ستر سے بھی زائد جگہ پر صبر کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے۔ چند آیتیں حسب ذیل ہیں:

(۱) وجعلنا منهم ائمة يهدون بامرنا لما صبروا (السجدہ)

اور ہم نے ان میں بہت سے پیشوا بنادیئے جو ہمارے حکم کی ہدایت کرتے تھے جب انھوں نے صبر کیا۔

(۲) انما يوفى الصابرون اجرهم بغير حساب (الزمر)

بیشک صبر کرنے والوں کو بے حساب اجر ملے گا۔

(۳) ما عندكم ينفد وما عند الله باق ولنجزين الذين صبروا اجرهم باحسن ما كانوا يعملون (النحل)

جو کچھ تمہارے پاس (دنیا میں) ہے وہ ختم ہوجائے گا اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے باقی رہنے والا ہے اور جو لوگ صبر کرتے ہیں۔ ہم ان کے اچھے کاموں کا اجر انہیں ضرور دیں گے۔

(۴) واستعينوا بالصبر والصلوة ان الله مع الصابرين (البقرہ)

صبر اور نماز سے مدد طلب کرو۔ بے شک اللہ صابروں کے ساتھ ہے۔

(۵) انه من يتق ويصبر فان الله لا يضيع اجر المحسنين (یوسف)

بے شک جو تقویٰ اختیار کرے اور صبر کرے تو اللہ محسنین کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔

صبر کی فضیلت میں احادیث شریفہ اس کثرت سے وارد ہوئی ہیں کہ علماء کرام نے صبر

کے فضائل پر ضخیم کتابیں تحریر کردی ہیں۔ چند احادیث بطور نمونہ درج ذیل ہیں:

(۱) الصبر نصف الایمان (خطیب بروایت ابوسعیدؓ) صبر آدھا ایمان ہے۔

(۲) الصبر علی ماتکرہ خیرا کثیرا (ترمذی بروایت ابن عباسؓ)

جس چیز کو تم پسند نہیں کرتے اس پر صبر کرنے میں بہت بھلائی ہے۔

(۳) دنیا میں جب کسی ایماندار بندے کی کوئی پیاری چیز گم یا ضائع ہوجاتی ہے اور وہ صبر کرتا ہے اور اس کو اپنے لئے باعث ثواب سمجھتا ہے تو خدائے تعالیٰ اُسے جنت عطا کرنے تک راضی نہیں ہوتا۔ (نسائی)

(۴) حضرت عمرو بن عبداللہ نے دریافت کیا کہ ایمان کی علامت کیا ہے؟ ارشاد ہوا صبر اور سخاوت (احمد)

عام طور پر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ صبر صرف مصیبتوں میں کیا جاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ انسان کو صبر کی حاجت ہر وقت اور ہر حالت میں ہوتی ہے۔ انسان کو جو بھی صورت درپیش ہوتی ہے یا تو وہ خواہش کے مخالف ہوتی ہے یا خواہش کے موافق۔ خواہش کے مخالف صورت میں تو صبر سے کام لینے پر انسان مجبور ہی ہوتا ہے۔ اگر نعمتوں کی فراوانی کے زمانے میں صبر سے کام نہ لیا جائے تو دل عیش و عشرت اور غرور و سرکشی میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ اس لئے بزرگوں نے کہا ہے کہ تکلیف و رنج پر صبر تو ہر کوئی کرلیتا ہے لیکن خوشحال و عافیت کے زمانے میں صبر کرنا صرف صدیقوں کا کام ہے۔ اس کے علاوہ گناہوں سے بچنا، نیکی کے راستے پر چلنا، ہر چیز صبر کی مرہون منت ہے۔ اس لئے صوفیہ نے کہا ہے کہ وجہ شہوات کے مقابلے میں وجہ دین پر ثابت قدم رہنے کا نام صبر ہے۔ حضور غوث اعظم دستگیرؒ فرماتے ہیں ''صبر نام ہے مصائب و ابتلا میں ثابت قدمی اور شریعت کے دامن کو پکڑے رہنے کا'' (قلائد الجواہر) مزید فرماتے ہیں ''تقدیر کے کڑوے فیصلوں کو کتاب و سنت کے احکام کی روشنی میں فراخ دلی کے ساتھ قبول و تسلیم کرنے کا نام صبر ہے'' (بہجۃ الاسرار)

باب ﴿۱۶﴾

شکر کی بے انتہا فضیلت ہے اور اس کا درجہ انتہائی ارفع و اعلیٰ ہے۔ اس کی سب سے بڑی دلیل تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے ذکر کے قریب تر رکھا ہے۔ جہاں اپنے ذکر کی فضیلت واضح کی ہے وہیں شکر کا ذکر بھی کیا ہے۔ فرماتا ہے:

فاذکرونی اذکرکم واشکرولی ولاتکفرون (سورۃ البقرہ)

پس تم مجھے یاد کرو میں تمھیں یاد کروں گا اور میری شکرگزاری کرو اور ناشکری نہ کرو۔

شکر اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ اعمال میں ایک ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

مایفعل اللّٰہ بعذابکم ان شکرتم وامنتم ؕ وکان اللّٰہ شاکرا علیما (سورۃ النساء)

اگر تم شکر کرو اور ایمان لے آؤ تو اللہ تم کو عذاب دے کر کیا کرے گا اور اللہ تو بڑا قدردان اور خوب جاننے والا ہے۔

لئن شکرتم لازیدنکم ولئن کفرتم ان عذابی لشدید (سورۃ ابراہیم)

اگر تم شکر کروگے تو تم کو اور زیادہ دوں گا اور اگر تم ناشکری کروگے تو بے شک میرا عذاب سخت ہے

حدیث شریف میں ارشاد ہوا: **لیتخذ احدکم لسانا ذاکرا وقلبا شاکرا** تم میں ہر اک کو چاہئے کہ وہ ذکر کرنے والی زبان اور شکر کرنے والا دل پائے۔

امام قشیریؒ کے نزدیک تقوے کا حق یہ ہے کہ اللہ کا شکر ادا کیا جائے اور کفران نعمت نہ ہو (رسالہ قشیریہ)

شکر کا تعلق دل' زبان اور بدن تینوں سے ہوتا ہے:

دل سے اس طرح کہ ہر کسی کا خیر خواہ بنے اور کسی دوسرے کی نعمت پر حسد یا جلن ہرگز محسوس نہ ہو بلکہ جلنے کا خیال بھی دل میں نہ گزرے۔ کیوں کہ اگر دل میں جلن ہو تو یہ متصور ہوتا ہے کہ وہ نعمت آپ کو حاصل نہیں جس کے سبب آپ ناخوش ہیں اور اللہ کے فیصلے پر یہی ناخوشی شکر کے منافی ہے۔

زبان سے اس طرح کہ ہر حالت میں الحمدللہ کہے۔ کسی سے شکایت نہ کرے بلکہ جو جو نعمتیں میسر ہیں ان کو خوشی سے بیان کریں جیسا کہ حکم باری تعالیٰ ہے واما بنعمۃ ربک فحدث.

بدن سے اس طرح کہ ہر عضو کو نعمت الٰہی سمجھے اور انہیں اسی کام میں مشغول رکھے جس کے واسطے اللہ تعالیٰ نے اسے بنایا ہے۔ ہر نعمت پر ادائے شکر کا عملی طریقہ یہی ہے کہ بندہ اس نعمت کو اسی مصرف میں لائے جو حق تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اس شخص یا ان افراد سے بھی اظہار تشکر کرے جن کو اللہ تعالیٰ نے حصول نعمت کا وسیلہ بنایا کہ لایشکر اللّٰہ من لایشکر الناس (جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا)۔

حضور غوث اعظم دستگیر فرماتے ہیں:

حقیقت شکر یہ ہے کہ بندہ خشوع وخضوع کے ساتھ انعام منعم کا اعتراف کرتا رہے اور اس کے احسانات پر نگاہ رکھ کر عجز وتشکر کے ساتھ منعم حقیقی کے حقوق کا تحفظ کرے (قلائد الجواہر)۔

حدیث قدسی ہے کہ ارشاد ربانی ہے۔ اے ابن آدم! جس نے میری یاد کی اس نے میرا شکر ادا کیا اور جس نے مجھ کو بھلا دیا اس نے کفر کیا۔ (طبرانی)

باب ﴿۱۷﴾

قناعت

جو کچھ مل جائے اسی پر شاکر رہ کر مزید خواہشوں اور آرزوؤں سے بچنے کا نام قناعت ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے لایومن احدکم حتی یکون ھواہ تبعا لما جئت به (مشکوٰۃ) تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن (کامل) نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی خواہشیں اس کے تابع نہ ہوجائیں جسے میں لے کر آیا ہوں۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے طوبی لمن ھدی الی الاسلام وکان عیشه کفا فاوقنع به (بحوالہ احیاء العلوم) خوش بخت ہے وہ آدمی جسے اسلام کی راہ دکھائی گئی اور اس نے مال بقدر کفایت کی اور اسی پر قناعت کرلی۔ ایک اور حدیث شریف میں ارشاد ہوا

یامعشر الفقراء اعطوا اللّٰہ الرضی من قلوبکم تظفروا بثواب فقرکم والافلا (ابو منصور دیلمی در فردوس بروایت ابوھریرہؓ) اے درویش صدق دل سے فقیری پر راضی ہوجاؤ تاکہ تمھیں فقیری کا ثواب ملے ورنہ نہیں ملے گا۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں "طمع یعنی لالچ محتاجی ہے جب کہ لوگوں سے امید نہ رکھنا (یعنی قناعت کرلینا) تونگری ہے۔ اسی مفہوم کو راقم نے اس طرح نظم کیا ہے۔

بھلا کوئی دولت ہے ثروت کی دولت — اگر ہے تو کچھ علم و حکمت کی دولت
مگر میری دانست میں وہ غنی ہے — میسر ہے جس کو قناعت کی دولت

امام غزالیؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ مجھے تلاش کرنا چاہتے ہوتو شکستہ دلوں کے پاس تلاش کرو۔ بارخدایا! وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا: وہ درویش جو صبر کرتے ہیں اور قناعت کرتے ہیں۔

باب ﴿۱۸﴾

عزلت

عزلت کے معنی تنہائی اور گوشہ نشینی کے ہیں۔ جہاں چار لوگ ملتے ہیں وہاں آفتوں کا سامنا ہو جاتا ہے اور پھر خواہشوں اور منصوبوں میں گرفتار ہو کر آدمی ان چیزوں کی طرف راغب ہو جاتا ہے جو مقصود اصلی نہیں۔ اس لئے سالک کے لئے گوشہ نشینی ضروری ہے۔ اور اگر سالک خواہشوں کے دلدل میں نہ پھنسے اور غیر مقصود کی طرف راغب نہ بھی ہو تب بھی لوگوں کے ساتھ غیر ضروری میل ملاپ کی وجہ سے وہ قیمتی وقت کو ضائع کر بیٹھتا ہے۔ اگر یہی وقت وہ گوشہ نشینی میں گزارے تو ذکر وفکر کے لئے اسے مکمل فراغت میسر آتی ہے جو بہت بڑی عبادت ہے۔ ویسے تو دنیا میں رہ کر لوگوں کے ساتھ تعلقات رکھتے ہوئے حق تعالیٰ کے ساتھ دلجمعی سے مشغول رہنا بھی یقیناً ممکن ہے لیکن یہ انتہائی دشوار کام ہے۔ جو لوگ گوشہ نشینی کی افضلیت میں اختلاف کرتے ہیں ان کا یہ استدلال ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کیا اس لئے اتباع رسول میں گوشہ نشینی اختیار نہ کرنا ہی أفضل ہے۔ دراصل انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اعلان نبوت سے پہلے غار حرا میں گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی جہاں آپؐ ذکر وفکر میں مشغول رہا کرتے تھے۔ جب آپ کو اعلان نبوت اور تبلیغ دین کا حکم ہوا تو آپ نے گوشہ نشینی ترک فرمائی۔ ویسے میں نبی کریم ﷺ اس مقام عظیم پر فائز ہیں کہ آپ ظاہری طور پر خلق کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی باطنی طور پر حق تعالیٰ کے ساتھ مشغول رہتے تھے۔

ہاں! یہ بات ضرور ہے کہ گوشہ نشینی کا مطلب رہبانیت یعنی دنیا کو پوری طرح ترک

کردینا نہیں ہے۔ اسلام میں رہبانیت نہیں۔ عزلت کا حقیقی مطلب یہ ہے کہ دنیا میں رہتے ہوئے اہل دنیا سے کسی قسم کا علاقہ نہ رکھنا اور نہ دنیا میں دل لگانا۔ اگر کسی دنیاوی عمل سے یادِ الٰہی میں فرق آجائے تو اس عمل کو ترک کردینا۔ ساتھ ہی ساتھ خدائے تعالیٰ کے خیال میں جینا اور غور وفکر، مراقبہ کے ذریعہ اس سے لو لگائے رکھنا۔ اس کے لئے اگر خلوت کی ضرورت لاحق ہو تو تنہائی اختیار کرلینا چاہئے۔ یہ تمام اعمال حقوق العباد کا خیال رکھتے ہوئے انجام دیئے جاتے ہیں۔

علامہ ابن سیرینؒ کے نزدیک گوشہ نشینی بجائے خود ایک عبادت ہے۔ حضرت حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ توریت میں آیا ہے کہ جس نے قناعت کی وہ بے نیاز ہوگیا اور جس نے خلوت اختیار کی اسے سلامتی مل گئی۔ حضرت داود طائیؒ سے ایک شخص نے نصیحت کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا دنیا سے روزہ رکھ لے اور مرتے دم تک اسے مت کھول۔ اور لوگوں سے یوں دور رہ جس طرح شیر سے دور رہا کرتے ہیں۔ اسی لئے اکثر صوفیہ کرام لوگوں سے کنارہ کش رہ کر گمنامی کی زندگی گزارا کرتے تھے۔ حضرت امام غزالیؒ کہتے ہیں کہ حضرت فضیل بن عیاضؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں چاہتا ہوں کہ جو کوئی میرے قریب سے گزرے تو مجھے سلام نہ کرے اور جب میں بیمار پڑ جاؤں تو کوئی میرا حال بھی پوچھنے کو نہ آئے۔ بقول شاعر ؎

پڑیئے گر بیمار تو کوئی نہ ہو تیماردار
اور اگر مر جایئے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو

باب《۱۹》

خدا کی محبت

اللہ تعالیٰ سے محبت تمام مقامات سے اعلیٰ ترین مقام ہے بلکہ تمام مقامات کا ماحصل اور اصل مقصود یہی ہے۔ کسی شاعر نے کہا ؎

یوں تو جو چاہے وہی صاحب محفل ہو جائے   بزم اس شخص کی ہے تو جسے حاصل ہو جائے

سلوک کا کمال یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی محبت سالک کے دل پر اس طرح غلبہ حاصل کر لے کہ وہ سرتاپا اسی کا ہو کر رہ جائے۔ اگر یوں نہ ہو سکے تو کم از کم اتنا تو لازم ہے کہ یہ محبت باقی ہر چیز کی محبت پر غالب رہے۔ جب تک یہ منزل حاصل نہ ہو سلوک کی تکمیل ممکن ہی نہیں بلکہ ایمان بھی پورا نہیں ہوتا۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: لایومن احدکم حتی یکون اللّٰہ رسولہ احب الیہ مما سواھما (بخاری بروایت انسؓ) (بندے کا ایمان اس وقت تک پورا نہیں ہوتا جب تک کہ وہ خدا اور اس کے رسول کو ان کے سوا باقی تمام چیزوں سے محبوب تر نہ رکھے۔)

اور خود اللہ تعالیٰ نے بطور تہدید ارشاد فرمایا:

قل ان کان اٰباء کم وابناوکم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم واموال ن اقتر فتموھا وتجارۃ تخشون کسادھا ومساکن ترضونھا احب الیکم من اللّٰہ ورسولہ وجھاد فی سبیلہ فتربصوا حتی یاتی اللّٰہ بامرہ (سورۃ التوبہ)

(کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ' بیٹے' بھائی' بیویاں' کنبے اور مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس میں نکاسی نہ ہونے کا تم کو اندیشہ ہے اور گھر جو تمہیں پسند ہیں' اگر تمہیں اللہ

اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ لے آئے۔) واضح رہے کہ اللہ کے برگزیدہ بندوں' اس کے شعائر' اس کی نشانیوں سے محبت رکھنا بھی اللہ سے محبت رکھنا ہے بشرطیکہ محبت اللہ کے خیال سے ہو۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص دعاؤں میں سے ایک دعا یہ بھی ہے:

"اللهم ارزقني حبك وحب من احبك وحب مايقربني الى حبك واجعل حبك احب الي من الماء البارد" (اے اللہ! مجھے اپنی محبت عطا فرما اور ان لوگوں کی محبت عطا فرما جنھیں تجھ سے محبت ہے اور ہر اس چیز کی محبت عطا فرما جو تیری محبت میں مجھے قریب کردے اور اپنی محبت کو میرے لئے ٹھنڈے پانی سے زیادہ محبوب بنادے۔)

بلکہ اس محبت کا تقاضہ یہ بھی ہے کہ تمام اہل ایمان ایک دوسرے سے محبت رکھیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے محمد رسول الله والذين معه اشداء على الكفار رحماء بينهم (الفتح) (محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے مقابلے میں سخت اور آپس میں مہربان ہیں۔)

محبت الٰہی کی بعض اور علامتیں بھی ہیں جیسے:

(۱) موت سے کراہت نہ کرے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ چیز کے مقابلہ میں اپنی پسندیدہ چیز کو نثار کردے۔

(۳) جو چیز بھی اللہ تعالیٰ سے قربت کا ذریعہ معلوم ہو اس سے ہرگز دستبردار نہ ہو اور جو چیز اس سے دوری کا باعث ہو اس سے لازماً کنارہ کش رہے۔

(۴) ذکر الٰہی کی تازگی و شگفتگی سے دل کبھی محروم نہ رہے۔

(۵) قرآن مجید اور انبیاء کرام کے بشمول ہر اس چیز کو دوست رکھے جسے اللہ کے ساتھ کسی بھی طرح کی مناسبت ہے۔

(۶) خلوت کے لئے بیقرار اور مناجات کے لئے مضطرب رہے۔ ارشاد ہے

كذب من ادعى محبتي حتى اذا جنة الليل نام عني (جھوٹا ہے وہ شخص جو میری محبت کا دعویٰ کرتا ہے اور رات کی تاریکی چھا جانے کے بعد مجھ سے غافل ہو کر سو جاتا ہے۔(جلاء الخاطر)

(۷) عبادت اس کے لئے آسان ہو۔ یہ نہیں کہ اسے ایک بوجھ یا دشوار کام تصور کرے۔

باب《۲۰》

ذکر

تمام عبادات کا لب لباب اور اصل مقصد اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا ہے چاہے وہ نماز ہو کہ روزہ' تلاوت قرآن ہو کہ حج وعمرہ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ان الصلوۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر ولذکر اللہ اکبر (سورہ العنکبوت)

بے شک نماز بے حیائی اور ناشائستہ کاموں سے روکتی ہے اور ذکر الٰہی بہت بڑی چیز ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اذکروا اللہ کثیرا لعلکم تفلحون (سورہ الجمعہ)

اللہ کو بکثرت یاد کرتے رہو تا کہ تم فلاح پاؤ۔

یعنی فلاح کی امید رکھتے ہو تو یاد رکھو کہ اس کی کلید یہی ہے کہ کثرت سے ذکر الٰہی کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی تعریف فرمائی ہے جو ہر حال میں اللہ کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔

الذین یذکرون اللہ قیاما وقعوداً وعلی جنوبھم (آل عمران)

وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ یاد کرتے رہتے ہیں۔ کھڑے بھی' بیٹھے بھی اور لیٹے بھی۔

نیز فرمایا: اذکر ربک فی نفسک تضرعا وخیفہ ودون الجھر من القول بالغدو والاصال ولاتکن من الغافلین (سورۃ الانفعال)

اپنے رب کی یاد کیا کرو اپنے دل میں عاجزی اور خوف کے ساتھ اور بلند آواز کے بجائے کم آواز کے ساتھ صبح اور شام اور غافلوں میں شامل نہ ہونا۔

حدیث قدسی ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں اپنے بندے کے ساتھ ہوتا ہوں جب تک کہ وہ مجھ کو یاد کرتا ہے اور میری یاد میں اس کے ہونٹ ہلتے رہتے ہیں (ابن ماجہ بروایت ابوھریرہؓ حاکم بروایت ابو درداؓ)

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آدمی کو عذاب الٰہی سے بچانے والا کوئی عمل اللہ کے ذکر سے بڑھ کر نہیں ہے۔ (طبرانی بروایت معاذؓ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ نے دریافت کیا کہ تمام کاموں میں افضل ترین کام کونسا ہے؟ فرمایا "یہ کہ جب تو مرے تو تیری زبان ذکر الٰہی سے تر ہو۔" (ابن حبان' طبرانی' بیہقی بروایت معاذ)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جب بندہ مجھ کو اپنے جی میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کو اپنے جی میں یاد کرتا ہوں اور جب وہ مجھ کو مجمع میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کو اس سے بہتر مجمع میں یاد کرتا ہوں۔ اگر وہ میری طرف ایک بالشت قریب ہوتا ہے تو میں اسے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہوں۔ اگر وہ مجھ سے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے تو میں اس سے دو ہاتھ قریب ہوتا ہوں۔ اگر وہ میری طرف چلتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر جاتا ہوں (بخاری ومسلم' بروایت ابوھریرہؓ)

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو لوگ کسی مجلس میں بیٹھ کر ذکر الٰہی کرتے ہیں تو ان کو فرشتے گھیر لیتے ہیں اور رحمت ڈھانپ لیتی ہے اور اللہ تعالیٰ ان کا ذکر اپنے پاس کے لوگوں یعنی ملاء الاعلیٰ میں کرتا ہے (احمد وطبرانی' بروایت انسؓ)

مختصر یہ کہ ذکر کی فضیلت میں کثرت سے احادیث شریفہ مروی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ سالک کے لئے ضروری ہے کہ اپنا ہر لمحہ ذکر میں گزارے تاکہ سلوک کا طے کرنا اس کے لئے آسان ہو جائے۔

اول تو سالک کی کوشش یہ ہونی چاہئے کہ ذکر محض زبان پر نہ ہو بلکہ حضوری قلب بھی

حاصل رہے ورنہ اس کا اثر ضعیف ہوگا۔لیکن اگر ذکر میں حضورِ قلب نہ ہو اور دل نہ لگے تو اس کی وجہ سے ذکر کا ترک کرنا شدید قسم کی غفلت ہے۔بعض ذاکر اس بات کی شکایت کر کے وسوسوں کی وجہ سے ذکر چھوڑ دیتے ہیں۔یاد رکھنا چاہئے کہ وسوسوں کا آنا اور دل نہ لگنا ایک آفت ہے لیکن ذکر چھوڑ دینا آفت در آفت ہے۔یہ سوچنا چاہئے کہ دل اگر غافل ہے تو کم از کم زبان تو مشغول ہے۔اور پھر کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ وساوس کو دور فرما کر حضورِ قلب اور بیداری کا ذکر میسر فرمادے۔ اللہ پر کچھ دشوار نہیں اس لئے مایوس نہ ہونا چاہئے۔

باب ﴿۲۱﴾

رضائے حق پر راضی رہنا

رضائے حق پر راضی رہنا محبت کے ثمرات میں سے ایک ثمرہ ہے اور مقربین کے اعلیٰ مقامات میں سے ہے۔ سلسلہ قادریہ میں تو رضائے الٰہی کو بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا کو جنات عدن سے بڑھ کر فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: ومساکن طیبة فی جنت عدن ورضوان من اللّٰہ اکبر۔ حدیث شریف میں آیا ہے: من رضی من اللّٰہ بالقلیل من الرزق رضی اللّٰہ تعالی منه بالقلیل من العمل۔ جو شخص اللہ سے تھوڑی سی روزی پر راضی ہو جائے اللہ تعالیٰ اس سے تھوڑے سے عمل سے راضی ہو جاتا ہے (ابو منصور دیلمی در مسند فردوس بروایت علی مرتضیٰؓ)

حضور غوث اعظم دستگیرؒ فرماتے ہیں: کن کالمیة فی یدالغسال وکن کالکرة تحت صولجان الفارس (غسال کے ہاتھ میں میت کی طرح ہو جاؤ اور پولو کھلاڑی کے بیاٹ کے نیچے کی گیند کی طرح ہو جاؤ) یعنی کوئی ارادہ نہ رکھو اور خدا کی رضا پر پوری طرح راضی ہو جاؤ۔ مزید فرماتے ہیں: مشیت خداوندی کے آنے پر تو بے قرار مت ہو اس لئے کہ کوئی روکنے والا اس کو روک نہیں سکتا۔ ہر تقدیر کا فیصلہ ہو کر ہی رہتا ہے چاہے اس سے کوئی رضامند رہے یا نہ رہے (جلاء الخاطر)۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں: میں اسی پر راضی ہوں جو میری تقدیر میں ہے خواہ وہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ لوگوں نے پوچھا کہ آخر آپ خود بھی تو کچھ چاہتے ہوں گے؟ فرمایا' ہاں میں چاہتا ہوں مگر وہی جو مقدر ہو چکا ہے۔

آرزو ہے کہ آرزو نہ رہے ۔۔۔۔ آرزو ہو کے آرزو نہ ہوئی ۔۔۔۔ (احمد حنبلی)

حضرت ابو بکر شبلیؒ سے کسی نے تصوف کے متعلق پوچھا تو فرمایا: التصوف جلوس مع اللّٰہ بلاھم (تصوف رضائے الٰہی پر بے ارادہ ہو کر قائم رہنے کا نام ہے)۔ حضرت خواجہ محبوب اللّٰہؒ فرماتے ہیں ؎

تیغ سر پر جو لگی ہو گئی سر پیچ مجھے　　　وار آیا جو گلے پر اُسے مالا سمجھا

ایک اور شعر میں فرماتے ہیں ؎

گر ہوش میں لاتے ہیں تو آجا　　　دیوانہ بناتے ہیں تو بن اب

الغرض حق تعالیٰ جس حال میں رکھے اسی حال میں خوش رہنے کا نام رضائے الٰہی ہے۔ بقول فصاحت جنگ جلیل ؎

نہ خوشی اچھی ہے اے دل نہ ملال اچھا ہے　　　یار جس حال میں رکھے وہی حال اچھا ہے

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں: ''میں نے حضرت سری السقطیؒ سے پوچھا کہ کیا حق تعالیٰ سے محبت کرنے والا مصیبت پہ غمزدہ ہوتا ہے؟'' فرمایا ''ہرگز نہیں'' میں نے کہا ''اگر اُسے تلوار سے ماریں تو''؟ فرمایا ''تب بھی نہیں چاہے ستر جگہ زخم لگا کر اُسے چھلنی کر دو وہ رنجیدہ و غمناک نہیں ہوگا''
حکایت ہے کہ ایک شخص جنگل میں رہا کرتا تھا اور ہر بات پر یہی کہتا تھا کہ بس بہتری اسی میں ہے۔ اس کے پاس ایک کتا تھا جو گھر کی رکھوالی کرتا تھا۔ ایک گدھا بوجھ لانے کے لئے رکھا ہوا تھا۔ ایک مرغ تھا جو صبح کے وقت بیدار کیا کرتا تھا۔ ایک دن بھیڑیا نکل آیا اور اس نے گدھے کو پھاڑ ڈالا۔ اس شخص نے کہا بھلائی اسی میں ہے۔ دوسرے دن اُس کے کتے نے مرغی کو مار ڈالا۔ اس نے پھر وہی کہا بھلائی اسی میں ہے۔ پھر جلد ہی وہ کتا بھی کسی وجہ سے مر گیا۔ اس نے پھر وہی کہا۔ یہ بات اس کی بیوی اور بچوں کو ناگوار گزری۔ انھوں نے کہا کہ جو نقصان بھی ہوتا ہے آپ اس کو یہی کہہ کر ٹال دیتے ہیں کہ بھلائی اسی میں ہے۔ ہمارا جو اتنا نقصان ہو چکا ہے آخر اس میں کون سی بھلائی ہو سکتی ہے۔ اس نے جواب دیا تم لوگ کچھ بھی

کہو میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ جو کچھ ہوتا ہے بھلے کے لئے ہی ہوتا ہے اس لئے راضی برضا رہنے ہی میں بہتری ہے۔ اگلے روز جب یہ لوگ نیند سے بیدار ہوئے تو اردگرد سناٹا اور خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ اِدھر اُدھر جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ رات میں ڈاکو آئے تھے اور سارا سامان اڑا لے گئے اور جتنے لوگ آباد تھے سب کو قتل کر دیا اور ان کا گھر اس لئے بچ گیا کہ ڈاکوؤں کو ان کے گھر سے نہ کتے کے بھونکنے کی آواز آئی نہ مرغ کی بانگ سنائی دی۔ اس شخص نے اپنی بیوی اور بچوں سے کہا دیکھا تم نے ہر کام میں جو بہتری اور مصلحت ہوتی ہے اس کا علم صرف اللہ کو ہوتا ہے۔ انسان تو خواہ مخواہ بلا سوچے سمجھے بے قرار ہونے لگتا ہے۔

باب ﴿۲۲﴾

خوف و رِجا

حضرت خواجہ محبوب اللہؒ نے ارشاد فرمایا کہ ''خدا سے ہر حال میں ڈرتے رہنا اور اسی سے امید رکھنا سلوک کی نویں منزل ہے۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ خوف و رجا کی حیثیت سالک کے دو بازوؤں کی سی ہے کہ جن جن مقامات بلند تک اس کی رسائی ہوتی ہے' انہی کی وجہ سے ہوتی ہے اور وہ گھاٹیاں جو بندہ کو حجاب میں رکھے رہتی ہیں اتنی اونچی ہیں کہ جب تک امید پختہ اور طلب سچی نہ ہو اس وقت تک ان اوگھٹ گھاٹیوں کو عبور کرنا ممکن نہیں ہے۔ دوزخ کے راستہ پر واقع شہوات و خواہشات ایسی پُرفریب' پُرکشش اور رنگا رنگ ہیں کہ ان کے پیچ در پیچ جال سے بچنا اس وقت تک محال ہے جب تک کہ دل پر خوف پوری طرح طاری نہ ہو۔ اسی سبب سے خوف و رجا کو زبردست فضیلت حاصل ہے۔ خوف تازیانہ ہے تو رجا لگام ہے۔ بلکہ آجکل کے حساب سے یوں کہنا زیادہ مناسب ہے کہ خوف accelarator ہے اور رجا break ہے۔ accelarator کے بغیر سواری آگے نہیں بڑھ سکتی اور break کے بغیر قابو میں نہیں آسکتی۔ اسی لئے سلوک کے راستہ میں دونوں کا ایک ساتھ ہونا لازم ہے لیکن قابل افسوس بات یہ ہے کہ مسلمانوں میں خوف الٰہی کی عدم موجودگی عصر حاضر کا ایک المیہ بن گئی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ ہم لوگ خوف کے تصور اور خشیت کی کیفیت سے قطعاً عاری ہو چکے ہیں۔ اگر ہم آیات قرآنیہ' احادیث نبویہ اور سیرت طیبہ کا مطالعہ کریں اور اولیائے کبار کے معمولات کا جائزہ لیں تو ہمارے رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔

روایت میں ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں ہوتے تو (خوف الٰہی کے سبب) آپ کے سینے میں ایسا جوش سنائی دیتا تھا جیسے ہنڈیا کے ابلنے کے وقت سنائی دیتا ہے (ابوداؤد وترمذی ونسائی) اور بخاری شریف میں بھی ایک روایت قریباً اسی مضمون کی بیان ہوئی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا یہی رنگ صحابہ کرامؓ کی زندگیوں پر بھی غالب تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ جب کسی پرندے کو دیکھتے تو خوف الٰہی کے سبب فرماتے ''اے کاش میں بھی تیری ہی طرح ہوتا (یعنی پرندہ ہوتا جسے حساب کتاب سے گزرنا نہیں ہے)۔ حضرت عمرؓ جب قرآن پاک کی کوئی آیت سنتے تو بے ہوش ہوجاتے اور کئی کئی دن بیمار رہتے اور ہر بار زبان پر یہی الفاظ جاری رہتے تھے کہ اے کاش میں پیدا ہی نہ ہوا ہوتا۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے حالات میں ہے کہ آپ رات رات بھر عذاب الٰہی کے خوف سے روتے رہتے تھے۔ عذاب الٰہی کے متعلق کوئی آیت سن لیتے تو اپنی داڑھی پکڑ کر ایک مجرم کی طرح بارگاہِ الٰہی میں معافی مانگتے کہ الٰہی اپنے مجرم ابوحنیفہ کو معاف کردے۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ میں نے دعا کی کہ بارخدایا خوف کا ایک دروازہ مجھ پر کھول دے۔ میری دعا تو قبول ہوگئی لیکن پھر میں ڈرا کہ کہیں میری عقل زائل نہ ہوجائے۔ پس دعا کی کہ مالک اس دروازہ کو میری تاب وتواں کے مطابق کھول۔ تب کہیں جاکر مجھے سکون نصیب ہوا۔ حضرت خواجہ محبوب اللہؒ کے بڑے صاحبزادے حضرت سید عثمان حسینی فائق قدس سرہٗ کے حالات میں ہے کہ آپ کمرہ کا دروازہ بند کرکے لکڑیوں کے گٹھے سے اپنے آپ کو مارا کرتے تھے۔ ایک شعر میں فرمایا ؎

یارب تیری عطا کو اطاعت سے کیا غرض مجرم ہوں اپنے فضل سے کر مجھ کو سرفراز

جن کی ساری زندگیاں بندگی اور اطاعت میں گزری ان کے خوف کا یہ عالم ہے اور ادھر ہم بندگی کا حق ادا کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ ہماری زندگیوں کے شب و روز بغاوت، سرکشی، لالچ اور طلب دنیا جیسے شیطانی پھندوں میں الجھے ہوئے ہیں لیکن خوف کا دور دور تک کوئی پتہ نہیں ہے۔

اس کا بنیادی سبب حقیقت سے بے خبری ہے۔ جس کو جتنا علم و معرفت حاصل ہے وہ اسی قدر خوف بھی رکھے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: انما یخشی اللّٰہ من عبادہ العلماء (سورۃ الفاطر) اللہ کے بندوں میں اللہ سے ڈرنے والے صرف علماء ہوتے ہیں۔ اور فرمایا: "ولمن خاف مقام ربہ جنتان" (الرحمٰن) اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا ہے اس کے لئے جنت میں دو باغ ہوں گے۔ اور فرمایا رضی اللّٰہ عنھم ورضو عنہ ذٰلک لمن خشی ربہ (سورۃ البینۃ) اللہ ان سے راضی ہوگا اور وہ اللہ سے راضی ہوں گے۔ یہ مرتبہ اسی شخص کے لئے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لایلج النار احد بکی من خشیۃ اللّٰہ حتی یعود اللبن الضرع (ترمذی وابن ماجہ بروایت ابوھریرہؓ) وہ شخص دوزخ میں داخل نہ ہوگا جو خوف خدا کی وجہ سے روتا ہے یہاں تک کہ دودھ پستان میں لوٹ جائے۔ مطلب یہ کہ جس طرح دودھ کا پستان میں واپس ہونا ممکن نہیں ہے اسی طرح خوف الٰہی سے رونے والے کا جہنم میں جانا ممکن نہیں۔

ساتھ ہی ساتھ یہ بھی سمجھ لینا ضروری ہے کہ خوف کو اپنے آپ پر اس قدر غالب نہ ہونے دے کہ نا امیدی اور مایوسی پیدا ہو جائے۔ حضرت علیؓ نے ایک مرتبہ کسی شخص کو کثرت گناہ کے باعث نا امید دیکھا تو غصہ کے عالم میں فرمایا: نا امید کیوں ہوتا ہے؟ اللہ کی رحمت تیرے گناہوں سے بہت زیادہ ہے۔ حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ جب بندہ گناہ کے بعد استغفار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے فرشتو! دیکھو یہ ہمارا بندہ ہے۔ اس سے گناہ سرزد ہوگیا ہے لیکن یہ استغفار کر رہا ہے۔ گویا اسے معلوم ہے کہ اس کا کوئی مالک بھی ہے جو اس کے گناہوں پر اس کی گرفت بھی کر سکتا ہے اور پھر اسے بخش بھی سکتا ہے۔ میں تمھیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اسے بخش دیا (بخاری ومسلم، بروایت ابوھریرہؓ)

ارشاد باری تعالیٰ ہے: قل یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لاتقنطوا من

رحمة الله ان الله يغفر الذنوب جميعا انه هو الغفور الرحيم ( ) کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا (یعنی گناہ کئے) اللہ کی رحمت سے نا امید مت ہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو بخش دے گا۔ وہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔

امام بوصیریؒ فرماتے ہیں۔

یا نفس لاتقنطي من زلة عظمت ان الکبائر في الغفران کاللمم

(منظوم ترجمہ)

یوں تو عصیاں ہیں بڑے اے نفس مت مایوس ہو سامنے بخشش کے بے شک ہیں یہ ادنیٰ و کم

غرض خوف و رجا میں اعتدال کا ہونا لازمی ہے۔ صرف خوف نا امیدی کی طرف لے جاتا ہے جو کہ کفر ہے اور صرف رجا گمراہی ہے۔ اسی لئے خوف و رجا کو ایک ہی منزل قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ بھی ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ اچھے اور پسندیدہ اعمال کے ساتھ امید رجا کہلاتی ہے گناہ اور سرکشی کے کاموں پر مصر رہ کر امید رکھنا رجا نہیں بلکہ اُمنیہ ہے جس کے معنی جھوٹی امید کے ہیں اور اس کا سلوک سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

باب ﴿۲۳﴾

توکل

حضرت خواجہ محبوب اللہؒ کے ارشادات کے مطابق اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھنا سلوک کی دسویں منزل ہے، حضور غوث الاعظم دستگیرؒ نے ارشاد فرمایا: میں صرف دو ہی چیزوں کو (روح کی) غذا سمجھتا ہوں۔(۱) شریعت کی پابندی (۲) توکل (جلاء الخاطر)۔ اللہ تعالیٰ نے ہر کسی کو توکل کی تاکید فرمائی اور اسے شرط ایمان قرار دیا ہے۔ فرمایا **توکل علی اللّٰہ ان کنتم مومنین** ( ) اگر تم مومن ہو تو اللہ پر بھروسہ رکھو۔ اور فرمایا **ان اللّٰہ یحب المتوکلین** (آل عمران) بے شک اللہ توکل کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔ اور فرمایا **و من یتوکل علی اللّٰہ فھو حسبہ** (سورہ الطلاق) جو اللہ تعالیٰ پر توکل کرے اللہ اس کے لئے کافی ہے۔ اور اس مضمون کی آیتیں کلام اللہ میں بہت سی ہیں۔

توکل دراصل احوال دل میں سے ایک حالت کا نام ہے اور اس کے معنٰی یہ ہوتے ہیں کہ کارساز حقیقی پر صدق دل سے اعتماد اور بھروسہ کیا جائے اور پھر اس اعتماد کو ہمیشہ مضبوط اور برقرار رکھا جائے تاکہ دل تشویش اور الجھن کا شکار ہونے کے بجائے ہمیشہ آرام، سکون اور اطمینان سے رہے۔ اور روزی کے خیال میں نہ اٹکا رہے اور اگر ظاہری اسباب و ذرائع میں کوئی کمی یا خرابی واقع ہو بھی جائے تو اس سے حوصلہ نہ ہار بیٹھے بلکہ حق تعالیٰ پر اعتماد رکھتے ہوئے خاطر جمع رکھے کہ روزی تو اسی کو پہنچانا ہے اور وہ ضرور پہنچائے گا۔ اگر اسباب میں خلل اس نے پیدا کیا ہے تو دور کرنے والا بھی وہی ہے۔ اس بات پر پختہ یقین رکھے کہ جو کچھ ہے خدا ہے، اس کے سوا

کوئی دوسرا فاعل حقیقی نہیں ۔ خواجہ محبوب اللہ فرماتے ہیں ۔

جو چاہتا خالق ہے وہی ہوتا ہے اے غافل   خلقت سے مرا سود وزیاں ہو نہیں سکتا

دنیا عالم اسباب ہے اس لئے بندہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ ظاہری اسباب حتی المقدور پورے کرے لیکن اعتماد اسباب پر نہ رکھے ۔

اسباب یقیناً پورے کر' اس بات پر رکھ ایمان مگر
جو تجھ کو میسر ہونا ہے' وہ تجھ کو میسر ہونا ہے (احمد حنبلی)

توکل کے لئے جہاں قوت یقین درکار ہے وہیں قوت دل بھی لازم ہے تاکہ دل میں کسی قسم کا اضطراب باقی نہ رہے ۔ کیونکہ توکل کا مطلب ہی اعتماد دل ہے ۔ جب تک دل میں اطمینان اور طبیعت میں آرام وسکون نمایاں نہ ہو اس وقت تک آدمی کو صاحب توکل نہیں کہہ سکتے ۔

باب ﴿۲۴﴾

صحبت

حضرت خواجہ محبوب اللہؒ نے سلوک کی دس منزلیں بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ سب ترقی کے مقامات ہیں یعنی ان منازل سے گزرنے کے بعد سالک ترقی حاصل کرتا ہے اور منزل مقصود کی طرف رواں دواں ہو جاتا ہے لیکن ساتھ ہی حضرت قدس سرہٗ نے یہ بھی واضح فرمادیا کہ ''سب کا خلاصہ اچھوں کی صحبت میں ہے۔ جو مرید کہ طلب کے بعد بھی پھر اپنی قدیم صحبتوں کو نہ چھوڑے وہ فیض سے بالکل محروم ہے۔''

یاد رکھے کہ منازل سلوک کا طے کرنا فیض کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص سلوک کی منزلیں طے کرنا چاہتا ہے تو ضروری ہے کہ وہ فیض کے حصول کی کوشش کرے اور اس کے لئے بری صحبتوں سے دور رہنا لازم ہے۔

اس بات میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ آدمی کے خیالات' نظریات' اعمال اور اخلاق پر اچھی اور بری صحبت کا اثر پڑتا ہے۔ اچھی صحبت انسان کو اچھا اور بری صحبت برا بنادیتی ہے۔ اسی لئے ارشاد باری ہوا: کونوا من الصادقین (صادقین کے ساتھ ہو جاؤ یعنی ان کی صحبت اختیار کرو)۔ حدیث شریف میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''اچھے ہم نشین اور برے ہم نشین کی مثال ایسی ہے جیسے مشک اٹھانے والا اور دھونکنی پھونکنے والا' مشک اٹھانے والا یا تو تم کو کچھ دے گا یا تم اس سے کچھ خریدو گے یا اس کی خوشبو ہی پاؤ گے اور دھونکنی پھونکنے والا یا تو تمہارے کپڑے جلادے گا یا تم اس سے بُری بو پاؤ گے (بخاری ومسلم)

مزید فرمایا: "برے ہم نشین سے تنہائی بہتر ہے اور اچھا ہم نشین تنہائی سے بہتر ہے" (بیہقی)

اور فرمایا: "نہ ساتھ رہو مگر مومن کے اور نہ کھائے تمہارا کھانا مگر متقی (ترمذی)۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی غریب نوازؒ فرماتے ہیں "جس کسی نے مرتبہ پایا اور جس کسی نے کچھ نعمت پائی نیکوں کی صحبت ہی کے سبب پائی۔"

اور فرمایا: "اچھے آدمی کی صحبت میں بیٹھنا نیکی کا کام کرنے سے بہتر ہے جب کہ برے آدمی کی صحبت اختیار کرنا برا کام کرنے سے بدتر ہے (دلیل العارفین)۔

اکابر صوفیہ کا قول ہے کہ سالک صحبت بد سے اس طرح پرہیز کرے جس طرح بیمار پانی سے پرہیز کرتا ہے۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں ۔

صحبتے یک ساعتے با اولیاء بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

اولیاء کے ساتھ ایک گھنٹہ کی صحبت ریا سے پاک سو سالہ عبادت سے بہتر ہے۔

ایک اور مقام پر یہ فرماتے ہیں ۔

صحبت صالح ترا صالح کند صحبت صالح ترا طالح کند

نیک آدمی کی صحبت تجھے نیک بناتی ہے اور برے آدمی کی صحبت بُرا بناتی ہے۔ شیخ ابن عطاء اللہ اسکندریؒ کہتے ہیں کہ "برا آدمی اس سے بُرے آدمی کی صحبت میں نیک سمجھا جاتا ہے اس لئے ایسے شخص کی مجالست اختیار نہ کرو" (الحکم) اس کا مطلب یہ ہے کہ مومن کو لازم ہے کہ جو شخص دین میں اپنے سے بہتر ہے اسی کی صحبت اختیار کرے تاکہ اس کی صحبت میں اپنے عیوب ظاہر ہوں گے اور وہ اصلاح کی طرف راغب ہوگا۔ برخلاف اس کے اگر اپنے سے بدتر کی صحبت اختیار کرے گا تو باوجود اپنے گناہوں کے اپنا نفس نیک معلوم ہوگا۔ اس سے نفس میں یہ بات پیدا ہوگی کہ میں اچھا ہوں۔ اگر یہ بات پیدا ہوجائے تو نفس کے عیوب ظاہر نہیں ہوں گے اور خواہ مخواہ خود پسندی پیدا ہوجائے گی۔

یہ بات اچھی طرح ذہن نشین رکھنے کے لائق ہے کہ سالک کے لئے اچھی صحبت سے بڑھ کر کوئی چیز نفع دینے والی نہیں ہے اور بری صحبت سے بڑھ کر کوئی چیز نقصان پہنچانے والی نہیں اسی لئے حضرت محبوب اللہؒ نے فرمایا ''سب طرح کا فساد اپنے جیسے غافلوں کی صحبت میں ہے'' البتہ کوئی مجبوری ہوتو ان سے ملاقات میں حرج نہیں ہے۔ جیسا کہ حضرت نے واضح فرمایا: ''ضرورت کے قدر اُن سے ملنا ناچاری ہے۔ اس سے بڑھ کر جائز نہیں۔

باب ﴿۲۵﴾

استمداد و انابت

حضرت خواجہ محبوب اللہؒ نے ارشاد فرمایا: ''اپنے کام میں ہر وقت اللہ سے مدد چاہے اور ہر سبب کو جو خدا سے دور کرتا ہے قطع کرنا چاہئے۔'' اس قول کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان کو اس بات کی عادت ڈال لینی چاہئے کہ ہر معاملہ اللہ کے سپرد کردے اور جو کچھ طلب کرنا ہے اسی سے طلب کرے اور یقین رکھے کہ دینے والا حقیقت میں وہی ہے۔ دنیا میں کسی چیز کے حصول کے لئے جو ذرائع اختیار کئے جاتے ہیں وہ محض اسباب کی تکمیل کے دائرے میں آتے ہیں۔ دنیا عالم اسباب ہے اس لئے اسباب کی تکمیل ہماری ذمہ داری ہے لیکن دینے والی ذات صرف اور صرف اللہ کی ہے اس لئے ہر کام میں صرف اسی سے مدد طلب کی جانی چاہئے اور اگر کوئی سبب ایسا پیدا ہو جائے جس کی وجہ سے خدا سے دوری ہوتی ہو تو سبب کو ہی ختم کر دینا چاہئے تاکہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری۔ خدا مسبّب ہے اور مسبّب سے بڑھ کر سبب نہیں ہو سکتا۔ ویسے بھی ایاک نعبد و ایاک نستعین اسلام کی بنیادی تعلیم ہے۔ حتی المقدور ایک دوسرے سے مدد طلب کرنے سے بچنا چاہئے۔ صحابہ کرام کی سیرت میں ہے کہ اگر کوئی صحابی گھوڑے پر بیٹھے ہوتے اور ان کی کوئی چیز نیچے گر جاتی تو وہ صحابی نیچے والے شخص کو اٹھا کر دینے کے لئے بھی نہیں کہتے تھے کیونکہ یہ مدد طلب کرنا ہے بلکہ خود نیچے اتر کر لیتے تھے۔ یہ صحابہ کرام کا احتیاط تھا۔

صوفیائے کرام کی تعلیمات میں اس بات پر بہت زور دیا گیا ہے کہ مسلمانوں کی تمام تر توجہ صرف اور صرف اللہ کی طرف ہو۔ کیونکہ ہر شئے کا مصدر و مبتدا، مرجع و ملجا وہی ہے۔ چناں چہ

قرآن مجید میں آیا ہے الیه یرجع الامر کله (تمام امور اسی کی طرف لوٹتے ہیں) ونیز ارشاد باری ہے الٰی ربک منتهٰها (ہر کام کا منتہا تمہارے رب کی طرف ہے)۔پس غیر اللہ کی طرف سے رغبت ختم کر کے خود کو رب حقیقی کی طرف رجوع کر لینے کا نام ہی انابت ہے اور انابت کی دولت کا حصول شریعت محمدیؐ کے اتباع کے بغیر ممکن نہیں چنانچہ حضرت خواجہ محبوب اللہؒ شریعت کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں: ''یہی وہ سیدھا راستہ ہے جس میں کسی طرح کا خطرہ نہیں۔ اتباع سنت ہی میں ہر قسم کی بھلائی مضمر ہے۔''

مزید فرماتے ہیں:

''یقین کرے کہ جو کچھ بھلائی ہے خدا کا حکم بجالانے میں ہے اور جس قدر برائی ہے لوگوں کی رائے پر چلنے میں ہے۔''

مطلب یہ ہے کہ جو خدا کے منشا و مرضی کو نظر انداز کر کے لوگوں کی خوشنودی کی فکر کرے گا یا اُن کی رائے پر چلے گا وہ گویا بھلائی کو نظر انداز کر کے برائی کو فوقیت دے رہا ہے یعنی تباہی و بربادی کا سامان اکٹھا کر رہا ہے۔دنیا کے لوگوں کا حال تو ایسا ہے جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ؎

اہل دنیا کافرانِ مطلق اند   روز و شب در زق زق و در بق بق اند

دنیا والے یعنی دنیا کے طلب گار گویا کافر ہیں جو اپنے قیمتی شب و روز لہو لعب اور زق زق و بق بق میں گزار دیتے ہیں۔ان کے مشورے الذی یوسوس فی صدور الناس من الجنة والناس کے زمرے میں آتے ہیں۔یہ لوگ ایسا اظہار ہمدردی کرتے ہیں جیسے ہماری کامیابی و نجات ان کی زندگی کا مقصد ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہر کسی کو اپنی پڑی ہے۔ہر شخص کو اپنا مطلب اور اپنا مفاد عزیز ہے۔وہ دنیا جس نے رسول اللہؐ کے نواسوں کے ساتھ غداری کی ہو ہماری اور تمہاری کیا ہو سکتی ہے؟ ایسی دنیا اور ایسے دنیا والوں کے لئے خدا کا راستہ چھوڑ دینا کون سی عقلمندی ہے؟ اسی لئے حضرت خواجہ محبوب اللہؒ نے واضح فرمایا:

''اس زمانے میں کوئی ایسا نہ ہوگا جو مسلمان کو سیدھا راستہ بتائے۔ ہر ہر شخص اپنے اپنے خبط میں گرفتار ہے۔''

حضرت کے اس جملے کو اہل دنیا پر منطبق کر کے دیکھیں تو قدم قدم پر اس دعوے کی حقانیت سامنے آئے گی۔ ہر ایک شخص اپنے خبط میں گرفتار ہے۔ ہر شخص یہی سمجھا ہوا ہے کہ وہی راہ راست پر ہے۔ ہر شخص اسی غلط فہمی کا شکار ہے کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے وہی وقت کی ضرورت ہے۔ ہر شخص کا یہی نظریہ کہ جو کچھ وہ سوچ رہا ہے وہی عقلمندی کی بات ہے۔ الا ما شاء اللہ۔

اس لئے لوگوں کی رائے پر چل کر بھلائی کی امید نہیں کی جا سکتی۔

باب ﴿۲۶﴾

مرشد اور رفیق راہِ خدا

حضرت خواجہ محبوب اللہؒ نے لوگوں کی رائے پر چلنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا کہ ''اس سے بہتر یہ ہے کہ سوائے اپنے مرشد اور رفیق راہِ خدا کے کسی کی نہ سنے۔'' اس لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ مرشد کون ہوتا ہے اور مرشد اور رفیق راہ خدا میں کیا فرق ہے؟

مرشد وہ ہوتا ہے جس کے ہاتھ پر توبہ کرتے ہوئے یہ عہد کیا جاتا ہے کہ آئندہ گناہوں سے کنارہ کش ہوتے ہوئے خدائے تعالٰی کے راستے پر چلیں گے۔ اللہ تعالٰی فرماتا ہے ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللّٰہ ید اللّٰہ فوق ایدیھم فمن نکث فنما ینکث علی نفسہ ومن اوفی بما عٰھد علیہ اللّٰہ فسیوتیہ اجرا عظیما ۔ (اے نبی) بے شک جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ دراصل اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ پس جو عہد کو توڑ دیتا ہے اس کا وبال اسی پر پڑے گا اور جو اللہ سے کئے ہوئے عہد پر وفاداری سے رہے گا تو عنقریب اللہ اس کو اجرِ عظیم عطا کرے گا۔

بیعت کے معنٰی بیچ دینے کے ہیں۔ گویا بیعت کرنے والا اپنے آپ کو مرشد کے ہاتھ پر بیچ دیتا ہے گویا اللہ کے ہاتھ پر بیچ دیتا ہے۔ پھر مرشد دین اور طریقت کو مرید کے دل میں راسخ و پیوست کردیتا ہے اور وقتاً فوقتاً مرید کی رہبری کرتا ہے تاکہ وہ سلوک کا راستہ طئے کرسکے۔ اس لئے ہر شخص مرشد بنائے جانے کے لائق نہیں ہوگا۔ مرشد میں جن شرائط کا پایا جانا ضروری ہے وہ یہ ہیں:

(۱) قرآن وحدیث کا عالم ہو اور صحیح العقیدہ ہو۔

(۲) دنیا اور جاہ و مال کی محبت اس کے دل میں نہ رہے۔

(۳) ایسے بزرگوں سے اجازت وخلافت حاصل کئے ہوئے ہو جن کا سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک مسلسل ہو۔

(۴) جو اپنے مرشد کے حکم کے مطابق ریاضت ومجاہدہ کر چکا ہو۔

(۵) مکارم اخلاق اور حسن ادب سے متصف ہو۔ خلاف شرع کوئی بات کسی صورت میں اس کے زبان سے نہ نکلے۔

(۶) دانشمند یعنی صاحب عقل ہونا کہ مریدوں کے مزاج کے مطابق ان کے اخلاق ذمیمہ اور عیوب کی کیفیات کا پتہ چلا سکے وغیرہ۔

یہ مرشد بنانے کے بنیادی شرائط ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی ایک شرط کسی میں نہ پائی جائے تو وہ مرشد بنائے جانے کا اہل نہیں ہے۔ اس کے علاوہ بھی بعض بزرگوں نے کئی باتوں کا اضافہ کیا ہے جیسے کریم ومہربان، صابر وبردبار، ترش مزاج نہ ہو، مریدوں کی کثرت کا خواہشمند نہ ہو، مکاشفات، معائنات اور مشاہدات سے گزر کر، فناء الفنا اور بقاء البقا سے پیوست ہو، کھانا کم، سونا کم، بات کرنا کم، اس کی عادت ہو، چہرے پر انوار دمک رہے ہوں وغیرہ وغیرہ۔ یہ تمام شیخ کامل کی شرائط ہیں۔ جیسا کہ حضرت خواجہ محبوب اللہؒ نے بھی ارشاد فرمایا: ''مرشد وہی ہے جو اپنے مریدین کو ایسے دیکھے جیسے اپنے بیٹے کے بال دیکھتا ہے۔'' (گلدستہ تجلیات)۔ لیکن ہر زمانے میں ایسے شیوخ کی تلاش بہت مشکل رہی ہے اور ہمیشہ مشکل رہے گی۔ اس لئے مشائخ کبار نے اس امر میں اتنی اجازت دی ہے کہ شیخ کے بنیادی شرائط کسی میں پائے جائیں اور دل اس کی طرف پوری طرح راغب ہو تو اس کے ہاتھ پر بیعت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ البتہ اگر کوئی ان صفات کا متحمل نہیں تو اس کے ہاتھ پر بیعت کرنا گویا اپنے آپ کو برباد کرلینا ہے۔ جب کسی کے ہاتھ پر بیعت کرلی تو مرید کے لئے لازم ہے کہ وہ مرشد کا پورا ادب و احترام ملحوظ رکھے۔ مرشد کے سوا کسی

اور سے اپنے باطنی حالات و کیفیات بیان نہ کرے اور نہ روحانی معاملات میں مرشد کی بات پر کسی اور کی بات کو ترجیح دے۔ یہی مطلب ہے حضرت محبوب اللہؒ کے ارشاد کا کہ سوائے اپنے مرشد اور رفیق راہ خدا کے کسی کی نہ سنئے ۔ اب رہا یہ سوال کہ مرشد اور رفیق راہ خدا میں کیا فرق ہے تو اس سلسلے میں مختلف لوگوں کے مختلف قول ہیں ۔بعض لوگ کہتے ہیں ہر شخص جس کو اپنے مرشد سے اجازت وخلافت حاصل ہے اپنے لئے وہ رفیق راہ خدا کی حیثیت رکھتا ہے ۔بعض حضرات کا خیال ہے کہ مرشد نے جس کسی کو اپنا قائم مقام یا جانشین بنایا ہے وہی رفیق راہ خدا ہے ۔بعض حضرات نے یہ کہا کہ تمام اہل سلسلہ ایک دوسرے کے لئے رفقاء راہ خدا ہوتے ہیں ۔بعضوں نے کہا کہ اگر کسی شخص نے ایک سے زائد شیوخ کے ہاتھ پر بیعت کی تو ان میں ایک شیخ مرشد کہلائے گا اور باقی تمام رفقائے راہ خدا۔ لیکن راقم کے خیال میں رفیق راہ خدا کی سب سے بہترین تعریف وہی ہے جو بحر العلوم حضرت عبد القدیر صدیقی حسرتؒ نے کی ہے ۔ ویسے بھی چوں کہ حضرت بحر العلوم ؛حضرت محبوب اللہؒ کے تربیت یافتہ رہے ہیں اس لئے ان کا قول حضرت کے دامن اقدس سے وابستہ تمام لوگوں کے لئے دیگر شیوخ کے قول کی بہ نسبت زیادہ معنی رکھتا ہے ۔

حضرت بحر العلوم فرماتے ہیں: ''بعض لوگ کسی اچھے اور تجربہ کار مذہبی شخص سے دوستی پیدا کر لیتے ہیں اور اس کے نیک مشوروں کو سنتے اور عمل کرتے ہیں ۔ ایسے شخص کو رفیق راہ خدا کہا جاتا ہے ۔ایسا شخص مرشد تو نہیں مگر مشیر ضرور ہوتا ہے ۔'' (نظام العمل فقراء)

رفیق راہ خدا کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے دو شرائط کی پاسداری ضروری ہے ۔

(۱) مرشد کی غیر موجودگی میں ہی اس کے مشورہ پر عمل کیا جائے ۔ مرشد کی موجودگی میں رفیق راہ خدا کے مشورے کی اہمیت نہیں ہوتی ۔

(۲) رفیق راہ خدا کا کوئی بھی مشورہ مرشد کے کسی قول ؛فعل یا نظریہ سے متصادم نہ ہو۔ اگر مرشد اور رفیق راہ خدا کے اقوال میں تضاد نظر آئے تو مرشد کا قول قابل قبول ہوگا۔

باب ﴿۲۷﴾

سلام

حضرت خواجہ محبوب اللہ قدس سرہٗ نے فرمایا ''سلام سنت اسلام اور شرع کی بہت عمدہ بات ہے۔ اس کا ترک کرنا برا ہے۔ ابتداءً تو سنت ہے اور جواب فرض ہے۔''

واضح رہے کہ سلام دراصل ایک دوسرے کو سلامتی کی دعا دینا ہے۔ اسلام امن و سلامتی کا مذہب ہے اس لئے یہ حکم دیتا ہے کہ جب آپس میں ملاقات ہو تو ایک دوسرے کو سلام کیا کرو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: افشوا السلام (سلام کو پھیلاؤ)۔ اور فرمایا للمومن علی المومن ست خصال یعوده اذا مرض ویشهد اذا مات ویجیبه اذا دعاه ویسلم علیه اذا لقیه ویشمته اذا عطس و ینصح له اذا غاب او یشهد (ایک مومن کے لئے دوسرے مومن پر چھ حقوق ہیں: جب وہ بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کرے، جب وہ انتقال کر جائے تو اس کے پاس حاضر ہو، جب وہ دعوت دے تو اس کو قبول کرے، اب اس سے ملاقات ہو تو اس کو سلام کرے، جب وہ چھینکے تو اس کا جواب (یعنی چھینک کر الحمد للہ کہے اس کے جواب میں یرحمک اللہ کہے) اور جب بھی وہ غائب یا حاضر رہے تو اس کی خیر خواہی کرے (زجاجۃ المصابیح بروایت ابوھریرہؓ)

عند الملاقات ہی نہیں بلکہ وقت رخصت بھی سلام کرنے کا حکم ہے۔ ویسلم علی القوم حین یدخل علیهم ویفارقهم (درمختار جلد ۵)

سلام کی بنیادی شرعی حیثیت سنت کی ہے۔ جو سلام کرے گا وہ سنت کا ثواب پائے گا اور جو نہ کرے گا وہ اس ثواب سے محروم رہے گا البتہ سلام کا جواب (فقہ حنبلی کی رو سے) فرض ہے

(اور فقہ حنفی میں اس کو واجب قرار دیا گیا ہے ہر صورت میں) سلام کا جواب نہ دینے والا سخت گنہگار ہوگا۔

ہر عبادت میں فرض کا ثواب زیادہ اور سنت کا ثواب فرض کے مقابلے کم ہوتا ہے لیکن سلام وہ واحد عمل ہے جس میں فرض (یعنی سلام کے جواب) سے سنت (یعنی سلام کرنے) کا ثواب زیادہ ہے۔

سلام کے بارے میں حضرت قدس سرہٗ العزیز زاد آخرت میں مزید فرماتے ہیں کہ ''مسلمان کو سلام میں ابتداء کرنا سنت ہے۔ اگر جماعت ہو یعنی کئی لوگ ایک ساتھ بیٹھے ہوں تو ان میں سب کو ایک سلام کافی ہے (یعنی سب کو سلام کرنے کا ثواب مل جائے گا۔ ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ سلام کرنا سنت نہیں) مگر ہر ایک کو سلام کرنا اَفضل (ضرور) ہے۔ اسی طرح اگر مجمع میں سے کسی ایک نے بھی سب کی طرف سے جواب دینے کے قصد سے جواب دے دیا تو کافی ہے۔ جواب دینے کا فرض ساقط ہو جائے گا۔ سلام کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ سلام کو اس طرح بلند آواز سے کہنا چاہئے کہ جس کو سلام کیا جا رہا ہے وہ سنے۔'' صرف ہاتھ ہلانے یا صرف اشارہ کرنے سے سلام نہیں ہوگا۔ بلکہ اس میں اہل کتاب یہود و نصاریٰ کی مشابہت پائی جاتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے تسلیم الیھود والاشارۃ بالاصابع وتسلیم النصاری الاشارۃ بالاکف یہود کا سلام انگلیوں کے اشارے سے اور نصاریٰ کا سلام ہتھیلیوں کے اشارہ سے ہوتا ہے (جامع ترمذی بروایت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ)۔ اس لئے اس طرح کا سلام غیر قوم سے مشابہت کی وجہ سے ناجائز ہوگا۔ البتہ اگر کوئی شخص بہت دور ہے اور وہاں تک آواز کا پہنچنا ناممکن ہو یا مشکل ہو تو سلام کے الفاظ کے ساتھ ساتھ ہاتھ کا اشارہ کر دینا جائز ہے تاکہ اس شخص کو معلوم ہو جائے کہ یہ سلام کر رہا ہے۔ مختصر یہ کہ اگر زبان سے سلام کے الفاظ ادا ہوں تو سلام ہوگا ورنہ نہیں۔

سلام کا سنت ہونا عمومی حکم ہے۔ لیکن بعض صورتوں میں سلام کرنا مکروہ اور ایک صورت میں واجب بھی ہوتا ہے۔

مثلاً اجنبی عورت کو سلام کرنا مکروہ ہے۔ اسی طرح حمام میں نہانے والے کو' کھانا

کھانے والے کو‘ قرآن پڑھنے والے کو‘ ذکر کرنے والے کو‘ طواف کرنے والے کو‘ وعظ کرنے والے یا سننے والے کو‘ پڑھانے اور پڑھنے میں مشغول شخص کو یا اذان و اقامت کہنے والے کو یا حوائج ضروریہ کے لئے بیٹھنے والے کو‘ الغرض کسی بھی ایسے شخص کو جو یا تو مصروف عبادت ہے یا کسی اہم کام میں منہمک ہے‘ سلام کرنا سنت یا مستحب نہیں ہے۔ ایسے میں اگر سلام کردے تو سننے والے کو جواب دینا بھی فرض نہ ہوگا (زادِآخرت)۔

اسی طرح اگر کوئی سلام کرنے کی نیت سے سلام نہ کرے بلکہ سلام سے کوئی اور معنیٰ مراد لئے جائیں تو جواب فرض نہیں جیسے عام طور پر بھکاری سلام کرتے ہیں۔ ان کا سلام کرنا سلام کے مقصد سے نہیں بلکہ مانگنے کے مقصد سے ہوتا ہے۔

اپنے رہائشی گھر کے سوا کسی اور کے گھر میں داخل ہوتے وقت سلام کرنا واجب ہے۔ یہ وجوب ہر مسلمان پر ہے چاہے وہ بچہ ہو کہ بوڑھا‘ مرد ہو یا عورت۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا حکم ہے

یا ایھا الذین امنوا لاتدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتی تستانسوا وتسلموا علی اھلھا ذالکم خیر لکم لعلکم تذکرون (سورۃ النور)

اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں اس وقت تک داخل نہ ہو جب تک کہ تم ان سے اجازت حاصل نہ کرلو اور وہاں رہنے والوں کو سلام نہ کرلو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے تاکہ تم یاد رکھو۔

لیکن افسوس کہ فی زمانہ اس کو زیادہ اہمیت نہیں دی جارہی ہے۔ جیسے یہ اللہ کا حکم نہیں بلکہ اپنے اختیار کا مسئلہ ہے۔ بالخصوص خواتین اس حکم سے بالکلیہ طور پر بے بہرہ نظر آتی ہیں گویا وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں حالانکہ یہ حکم سبھی کے لئے ہے۔

اس کے علاوہ حضرت خواجہ محبوب اللہؒ نے سلام کا طریقہ بتاتے ہوئے فرمایا کہ: ’’سلام سیدھے کھڑے ہو کر کرے۔ پشت کو خم نہ کرنا چاہئے۔ زادِ آخرت میں لکھا ہے کہ سلام کے لئے جھکنا مکروہ ہے۔‘‘

باب ﴿۲۸﴾

مصافحہ

مصافحہ کی بابت حضرت خواجہ محبوب اللہؒ نے فرمایا کہ ”عالم سید اور دیندار سے مصافحہ کرنا بہتر ہے۔ آپس میں دوست میں بھی کریں تو جائز ہے (مگر) مصافحہ ہاتھ میں ہاتھ ملانے کو کہتے ہیں۔ ایک دوسرے کے ہاتھ کو پیار کرنا' سونگھنا بیکار بات ہے (یہ مصافحہ میں داخل نہیں)۔“ مزید فرماتے ہیں کہ ”بعضے احمق تو اپنے ہی ہاتھ کو پیار کرتے ہیں۔ ہاں کوئی عالم' سید یا ماںباپ یا مرشد یا استاد ہو تو مضائقہ نہیں (یعنی مصافحہ تو صرف ہاتھ میں ہاتھ ملانے کا نام ہے۔ ہاتھ چومنا ضروری نہیں البتہ عالم سید ماںباپ مرشد یا استاد کا ہاتھ چوما جاسکتا ہے) مگر ہر وقت مصافحہ اور تقبیل (یعنی جب ہاتھ ملائیں ہاتھ کو چومنا) حماقت ہے۔ (اسی طرح) پاؤں پر ہاتھ پھیرنا یا پاؤں کو پیار کرنا کوئی ضروری نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جب بھی ملاقات کریں یہ سمجھنا کہ ہاتھ چومنا اور پاؤں پڑھنا ضروری ہے' سراسر غلط ہے۔“

مذکورہ ارشاد کے پیش نظر بعض حضرات اس مغالطہ کا شکار ہوگئے کہ حضرت محبوب اللہؒ نے مصافحہ کو ناپسند فرمایا ہے حالانکہ عبارتیں واضح ہیں اور عقل سلیم اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ حضرت نے مصافحہ سے منع بالکل نہیں فرمایا بلکہ مصافحہ کے ساتھ تقبیل کو ناپسند کیا ہے۔ پھر یہ بھی واضح فرمادیا کہ مصافحہ معہ تقبیل سید' ماںباپ' استاد و مرشد وغیرہ سے جائز ہے البتہ اس کو ضروری سمجھنا اور ہر ملاقات کے وقت مصافحہ مع تقبیل کی عادت ڈالنا غلط ہے جیسا کہ بعض حضرات نے اس کو اپنا شعار بنارکھا ہے۔ بلکہ حضرت کے زمانے میں مصافحہ معہ تقبیل اس حد تک رواج پاگئی تھی

کہ ایک دوسرے کو رسماً چوما جاتا تھا اور اس طرح نہ کرنا خلاف اخلاق تصور کیا جاتا تھا۔ (بلکہ آج بھی بعض حضرات اس غلط فہمی کا شکار ہیں)۔ حضرت قدس سرہٗ کے زمانے میں یہ رسم اس حد تک آگے بڑھی ہوئی تھی کہ لوگ اپنے ہی ہاتھ کو پلٹا کر چوم لیا کرتے تھے۔ حضرت نے ایسے لوگوں کو احمق قرار دیا ہے۔ اسی طرح جب ملاقات کریں پاؤں پڑنا بھی حضرت کو ناپسند ہے۔ حضرت کے الفاظ پر غور کریں تو پتہ چلے گا کہ آپ نے پاؤں کو ہاتھ لگانے کو ناجائز نہیں فرمایا۔ پاؤں پڑنا تعظیم کے اظہار کے لئے ہوتا ہے۔ اور بزرگوں کی تعظیم مطلقاً جائز ہے البتہ حضرت نے پاؤں پڑنے کو ضروری سمجھنے سے منع فرمایا ہے۔ حضرت کا یہ حکم ان لوگوں کے لئے ہے جو پاؤں نہ پڑنے کو خلاف ادب تصور کرتے ہیں۔

باب ﴿۲۹﴾

قیام تعظیمی

حضرت خواجہ محبوب اللہؒ نے قیام تعظیمی کے متعلق فرمایا: ''کسی کی تعظیم سر وقد کھڑے ہوکر مسنون نہیں ۔ جو اس کے خلاف کہے وہ ناپسند بات ہے ۔ ہاں کسی کی دینداری اور بزرگی کے لئے جائز ہے فرض وسنت نہیں ۔ یہ جو اپنے بزرگوں کے لئے کرتے ہیں کہ جب وہ مجلس سے اٹھ کر جائیں تو سب اٹھتے ہیں اور پھر آئیں تو اٹھتے ہیں' بری بات ہے ۔ ایسے تکبر کی باتوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے ۔ مرشد اور اس کے مرید لوگ دونوں احمق ہیں جو اس کو جائز کہتے ہیں ۔''

حضرت کے ان ارشادات کی شرح سے پہلے مناسب ہے کہ قیام تعظیمی کی ممانعت سے متعلق بعض احادیث کا مطالعہ کیا جائے ۔ جب تک احادیث شریفہ کو پیش نظر نہ رکھیں حضرت کے الفاظ پوری طرح سمجھ میں نہیں آئیں گے[1]

ممانعت سے متعلق احادیث : نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس بات کو پسند کرے کہ لوگ اس کی تعظیم کے لئے کھڑے رہا کریں تو اس کے لئے دوزخ واجب ہوگئی ۔ اور فرمایا من احب ان یتمثل له الرجال قیاما فلیتبوا مقعده من النار جو شخص اس چیز کو دوست رکھے کہ لوگ اس کے لئے کھڑے رہا کریں تو اس کو چاہئے کہ جہنم میں اپنا ٹھکانہ بنالے (بخاری ۔ ابوداؤد ۔ ترمذی بروایت معاویہؓ)

اور فرمایا: انما هلک من کان قبلکم بانهم عظموا ملوکهم بان قاموا وهم

---

[1] قیام تعظیمی کے جواز سے متعلق دلائل کے لئے بانی جامعہ نظامیہؒ کی کتاب ''انوار احمدی'' کا مطالعہ کیجئے ۔

قعود (طبرانی بروایت انسؓ) (جو لوگ تم سے پہلے تھے وہ اسی وجہ سے ہلاک ہوئے کہ انھوں نے بادشاہوں کی اس طور سے تعظیم کی تھی کہ وہ کھڑے ہوتے تھے اور بادشاہ بیٹھے رہتے تھے)۔

اور ایک حدیث میں ابی امامہؓ سے روایت ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے بیچ تشریف لائے۔ ہم بیٹھے ہوئے تھے۔ جیسے ہی ہم نے حضور کو دیکھا تعظیماً کھڑے ہوگئے۔ حضور نے فرمایا "لاتقوموا کمایقوم الاعاجم بعضهم لبعض" مت کھڑے رہو جیسے عجم کے لوگ ایک دوسرے کے واسطے کھڑے ہوتے ہیں (طبرانی)۔

مذکورہ احادیث کی روشنی میں اگر ہم حضرت کے ارشادات کا جائزہ لیں تو ہر بات اچھی طرح واضح ہوجائے گی۔ پہلی اور دوسری بیان کردہ حدیث شریف میں قیام تعظیم کی ممانعت نہیں بلکہ اس بات کو پسند کرنے کی ممانعت ہے کہ لوگ اپنی تعظیم کے لئے کھڑے ہوجائیں کیونکہ اس طرح کی خواہش تکبر پر دلالت کرتی ہے۔ تیسری حدیث میں بھی کبر ونخوت کی وجہ سے کھڑے ہونے کا ذکر ہے اور پھر "قاموا وھم قعود" سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قیام تھوڑی دیر کا نہ ہوتا تھا بلکہ بادشاہ بیٹھے ہی رہتے تھے اور لوگ کھڑے ہی رہتے تھے۔

چوتھی حدیث میں بھی نفس قیام کی ممانعت نہیں بلکہ آنحضرتؐ کا خود اپنے لئے قیام کو منع فرمانا ثابت ہوتا ہے اور یہ منع کرنا اس خوف سے تھا کہ کہیں قیام تعظیمی افراط کی شکل میں ظاہر ہوکر فتنہ نہ بن جائے ورنہ بعض دیگر احادیث میں تو خود حضور کا کھڑا ہونا اور دوسروں کو کھڑے ہونے کی ہدایت کرنا ثابت ہے۔ مختصر یہ کہ جہاں جہاں بھی قیام تعظیمی سے منع کیا گیا ہے وہ صرف دو وجوہ کی بناء پر ہے (۱) تکبر (۲) تکلفات (پھر چوتھی حدیث کو جو طبرانی نے روایت کی ہے خود طبرانی نے ضعیف اور مضطرب السند کہا ہے)۔

آیئے اب حضرت محبوب اللہؒ کے الفاظ کا جائزہ لیں۔

فرمایا "کسی کی تعظیم سر وقد کھڑے ہوکر مسنون نہیں۔" گویا جائز تو ہے مگر مسنون نہیں ہے۔

''جو اس کے خلاف کہے وہ ناپسند بات ہے'' یعنی جو اس کو مسنون کہے وہ ناپسند بات ہے۔ پھر اس کے بعد مزید واضح فرمادیا۔ ''ہاں کسی کی دینداری اور بزرگی کے لئے جائز ہے۔ فرض وسنت نہیں۔'' حضرت قدس سرہٗ کی حیات طیبہ کے زمانے میں قیام تعظیمی کو اتنی زیادہ اہمیت دی جانے لگی تھی کہ لوگ اسے فرض اور سنت کی طرح ضروری سمجھنے لگے تھے۔ جب کوئی کسی بزرگ کی تعظیم کے لئے نہ اٹھتا تو اس پر لعن طعن شروع ہوجاتی تھی جیسا کہ آپ کی سوانح گلدستہ تجلیات میں مذکور ہے۔ حضرت کو ایسے 'تکلفات' جو غیر شرعی ہیں 'قطعاً ناپسند تھے اس لئے آپ نے بطور تہدید قیام تعظیمی سے منع فرمایا ہے۔ اس کے بعد فرمایا ''یہ جو اپنے بزرگوں کے لئے کرتے ہیں کہ جب وہ مجلس سے اٹھ کر جائیں تو سب اٹھتے ہیں اور آئیں تو سب اٹھتے ہیں بری بات ہے۔ ایسے تکبر کی باتوں سے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔'' حضرت کے ان جملوں میں لفظ ''تکبر'' پر غور کریں تو بات اچھی طرح واضح ہوجاتی ہے۔ تکبر کا اندیشہ ان لوگوں کے لئے ہوگا جن کی تعظیم کی جارہی ہے۔ جو لوگ خود کسی کی تعظیم کے لئے کھڑے ہورہے ہیں وہ تو عاجزی کا پیکر ہیں۔ ان پر تکبر کا اطلاق کیسے ہوسکتا ہے۔ دراصل حضرت کا یہاں منع فرمانا اسی بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ایسے لوگوں کی تعظیم کے لئے نہ اٹھیں جو نہ اٹھنے پر برا مانتے ہیں۔ اس طرح تکبر کرنے والا اور تکبر کا ساتھ دینے والا دونوں موجب عتاب ہوں گے۔ ساتھ ہی ساتھ اس منع کرنے میں یہ بھی ملحوظ ہوگا کہ محبت وعقیدت میں تکلفات عرفیہ کی ضرورت نہیں۔ تعظیم کا محل دل ہے۔ دل میں تو تعظیم نہ ہو اور محض تکلفات یا رسم کی بنا پر اٹھتے ہوں تو یہ تعظیم نہیں بلکہ بزرگوں کی توہین ہے۔

الغرض حضرت نے ان ارشادات سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت نے بہ طور خاص ان باتوں سے منع فرمایا ہے:

(۱) قیام تعظیمی کو فرض یا سنت سمجھنا۔

(۲) تکبر کرنے والے کی تعظیم کرنا (اس میں اٹھنے والا اور جس کے لئے اٹھا جائے وہ' دونوں برابر کے شریک ہیں)

(۳) کسی کی تعظیم کے لئے رسماً یا تکلفاً کھڑے ہونا۔

(۴) ایسے شخص کی تعظیم کرنا جو تعظیم نہ کرنے پر بُرا مانتا ہو۔

(۵) مجلس میں موجود تمام افراد کا اٹھنا۔

آخر میں فرمایا: ''غرض میری کہنے سے یہ کہ اب سے کوئی جھک کر سلام کرے یا ہر روز مصافحہ لازم سمجھے یا پاؤں کو ہاتھ لگائے یا تعظیم کو اٹھے وہ میرا مخالف ہے۔''

حضرت کا یہ کہنا کہ ''وہ میرا مخالف ہے'' سخت ناراضگی اور خفگی کو ظاہر کرتا ہے۔ حضرت کا یہ جملہ بھی توجہ طلب ہے۔ حضرت نے اس میں چار باتوں کا ذکر کیا ہے:

جھک کر سلام کرنا' ہر روز مصافحہ لازم سمجھنا' پاؤں کو ہاتھ لگانا یعنی پاؤں پڑنا یا قدم بوسی کرنا اور تعظیم کو اٹھنا۔

جھک سلام کرنے سے متعلق وضاحت سلام کے باب میں ہو چکی ہے۔ باقی تینوں میں ایک نکتہ یہ ہے کہ ''ہر روز'' کا عطف تینوں باتوں پر ہو رہا ہے۔ یعنی حضرت نے مصافحہ سے منع نہیں فرمایا بلکہ ہر روز مصافحہ لازم سمجھنے سے منع فرمایا ہے۔ حضرت نے پاؤں پڑھنے یا قدم بوسی سے منع نہیں فرمایا بلکہ ہر روز یعنی جب کبھی ملاقات ہو پاؤں پڑنے سے یا قدم بوسی کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اسی طرح تعظیم کے لئے اٹھنے کا بھی معاملہ ہے۔

واضح رہے کہ تعظیم کا تعلق دل سے ہے۔ اگر دل میں تعظیمی جذبات پیدا ہوں تو ایسی تعظیم قابل قدر ہے ورنہ تصنع' تکلف اور رسم سے کی گئی تعظیم بری چیز ہے۔ اور یہی حضرت کے ارشاد کا صحیح مفہوم بھی ہے۔ چناں چہ آپ کے حالات میں لکھا ہے کہ وصال سے ایک ماہ قبل آپ نے یہ تحریر خادمین کے مجمع میں سنائی (جو سلام مصافحہ اور قیام تعظیمی سے متعلق ہے) اس

وقت آپ کے چہرے پر جلال کے آثار تھے۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ بعض مریدین جب کبھی حاضر ہوتے بالالتزام سلام کے بعد مصافحہ کرتے اور قدم چوما کرتے تھے۔ اگرچہ آپ نے متعدد دفعہ انھیں اس سے منع بھی فرمایا مگر جوشِ عقیدت میں وہ اسی طرح کرتے رہتے تھے۔ اور بعض مریدین آپ میں ایک دوسرے سے بھی مصافحہ (مع تقبیل) لازم سمجھتے تھے۔ بعض کا حال تو یہاں تک ہوگیا تھا کہ بوقت مصافحہ خود اپنے ہی ہاتھ کو چوم لیا کرتے تھے (یعنی دوسرے کے ہاتھ کو چومنا دل کو گوارا نہیں لیکن چوں کہ رسم پوری کرنی ہے اس لئے اپنا ہی ہاتھ چوم لیتے تھے) ان تمام باتوں کو آپ نے ملاحظہ فرمایا اور اس کے بعد ہی اتنے سخت الفاظ پر مشتمل تحریر پڑھ کر سنائی۔

''گلدستہ تجلیات'' میں مذکور ہے کہ جب آپ نے سب کو یہ سنایا تو خادمین پر عجیب کیفیت چھا گئی۔ وہ سماں بالخصوص عجیب ہوتا تھا جب آپ دولت سرا سے باہر تشریف لاتے اور ہر کوئی حکم کی تعمیل میں دم بخود ہوتا۔ جی تو چاہتا تھا کہ قدموں پر سر رکھ دیں لیکن کیا کریں اجازت نہیں ہے۔ اُس پر ''وہ میرا مخالف ہے'' کے الفاظ نے گویا سب کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے ہوں۔

حضرت محمد عبدالمقتدر صدیقی فضلؔ روایت کرتے ہیں کہ اس ارشاد کے چند روز بعد محفل سماع منعقد ہوئی۔ سب حاضر تھے۔ ہر کوئی قدم بوسی کے لئے بے تاب تھا مگر کسی کو جرأت نہ ہوتی تھی۔ اتفاق سے قوال نے ایک لمبی غزل شروع کی جس سے محفل پر وجد کا عالم طاری ہوگیا۔ سب بے خود ہوگئے۔ حضرت سید محمد عمر حسینیؒ سے رہا نہ گیا۔ آپ نے حالت وجد میں حضرت کے قدموں پر سر رکھ دیا اور آنکھیں ملنے لگے۔ حضرت نے اس وقت بے حد شفقت سے ان کے سر پر ہاتھ پھیرنا شروع کیا جس سے عنایت کا اظہار ہورہا تھا۔ جیسے ہی دیگر حاضرین نے اس منظر کو دیکھا سب دوڑ پڑے اور خوب جی بھر کر آنکھیں ملیں، قدموں کو چوما لیکن حضرت نے کسی کو منع نہیں فرمایا۔

اس واقعہ کی روشنی میں حضرت کے ارشادات کی توضیح جو ہم نے بیان کی ہے درست معلوم ہوتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

باب ﴿۳۰﴾

قربِ فرائض

حضرت خواجہ محبوب اللہؒ نے ارشاد فرمایا: ''جس طرح نوافل وفرائض میں فرق ہے اسی طرح قرب نوافل وقرب فرائض میں بھی فرق ہے۔ اگر کوئی کام استخارہ قلبی سے کیا جائے تو وہ قرب فرائض میں داخل ہوگا ورنہ قرب نوافل میں۔ پس ہر کام میں استخارہ کرلیا کرو۔'' (گلدستہ تجلیات' بروایت بحرالعلوم حضرت حسرتؒ)

اللہ اور اس کے رسول کا کوئی بھی حکم جو نص قطعی سے وجوباً ثابت ہوتا ہے 'فرض' کہلاتا ہے۔ ہر وہ نیک کام جو بندہ اپنی خوشی اور مرضی سے کرتا ہے وہ نفل کہلاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ حکم کی تعمیل میں کیا جانے والا کام اپنی مرضی سے کئے جانے والے کام کی بہ نسبت زیادہ اہمیت رکھتا ہے اور اس میں ثواب بھی کئی گنا زیادہ ہوتا ہے۔ رات بھر جاگ کر سینکڑوں رکعت نوافل کا ثواب فجر کی دو رکعت فرض کے ثواب کے برابر نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح رمضان شریف کے روزے کے بارے میں ہے کہ رمضان شریف کا ایک روزہ چھوٹ جائے تو عمر بھر کے نفل روزے اس کے مساوی نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ فرض کی ادائیگی تحت امر ہے 'قرب فرائض میں داخل ہے۔ جب کہ قرب نوافل کی سینکڑوں رکعتیں یا عمر بھر کے روزے اپنے ارادے سے ادا کئے گئے ہیں اس لئے فرض کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ اس لئے حضرت خواجہ محبوب اللہؒ نے سلسلہ قادریہ کی تعلیم قرب فرائض کو زندہ کیا اور لوگوں کو بے ارادہ تحت حکم جینے کی تعلیم دی تاکہ ہر کام کا ثواب کئی گنا بڑھ جائے اور اللہ

تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہو۔حکم کے حصول کا طریقہ یہ ہے کہ ہر کام کرنے سے پہلے استخارہ کرلیا کریں۔ استخارہ میں حکم ملے تو کام شروع کریں ورنہ روک دیں۔استخارہ کرنے کا طریقہ آگے بتایا جائے گا۔

قادری دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو اپنے مقاصد نسبت عالیہ قادریہ سے حاصل کرتے ہیں۔ان کا ماخذ غوث الاعظمؒ کے حسب ذیل ارشادات ہیں:

(۱) ان لم یکن مریدی جید فانا جید

(اگر میرا مرید اچھا نہ ہوا تو کیا ہوا میں تو اچھا ہوں)

(۱) و افعل ماتشاء فالاسم عالی

(جو تم چاہو کرو پس میرا نام بڑا ہے)

(۲) لو کشف عورة مریدی بالمغرب وانافی المشرق لسترته

(اگر میرا مرید مغرب میں ہو اور اس کا ستر کھل جائے اور اگر میں مشرق میں رہوں (تب بھی) اس کا ستر ڈھانک دوں گا۔)

ایسے لوگ قرب نوافل کے قادری ہوتے ہیں جو دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں۔

دوسرے قسم کے قادری وہ ہوتے ہیں جو بے حکم کوئی کام نہیں کرتے۔ان کا ہر فعل تحت امر الٰہی ہوتا ہے۔ان کی اپنی کوئی خواہش نہیں ہوتی۔نہ خیر کی طلب نہ رفع شر سے مطلب۔ان کا مرجع غوث اعظم کا یہ ارشاد ہوتا ہے کن کالمیة فی ید الغسال او کالکرة تحت صولجان الفارس او کالولد الرضیع فی حجر ظئره ایسے ہوجاؤ جیسے غسال کے ہاتھ میں مردہ یا پولو کھیلنے والے شہسوار کے بیاٹ کے نیچے کی گیند یا شیر خوار بچہ دودھ پلانے والی دایا کی گود میں۔گویا ان کا عمل وما فعلته عن امری پر ہوتا ہے۔یہ لوگ قرب فرائض والے قادری ہیں جو بہت کم ہیں۔انہی کو پکے قادری بھی کہا جاتا ہے۔

استخارہ: استخارہ کے بارے میں بہت سی حدیثیں اور روایتیں ہیں ۔

ماخاب من استخار ولا ندم من استشار

(استخارہ کرنے والا نقصان نہیں اٹھاتا اور مشورہ کرنے والا پشیمان نہیں ہوتا ۔)

حدیث شریف میں استخارہ کا طریقہ یوں بیان کیا گیا ہے:

استخارہ کی نیت سے دو رکعت نماز پڑھے ۔ سلام کے بعد درود شریف اور حسب ذیل دعائے استخارہ پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ وَاَسْتَقْدِرُکَ بِقُدْرَتِکَ وَاَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ الْعَظِیْمِ فَاِنَّکَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَاِنَّکَ تَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ...... اَللّٰهُمَّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَاالْاَمْرَ خَیْرٌ لِی فِیْ دِیْنِی وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ وَعَاجِلِه فَاقْدِرْهُ لِی وَیَسِّرْهُ لِی وَبَارِکْ لِی فِیْه ...... اَللّٰهُمَّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَاالْاَمْرَ شَرٌّلِی فِیْ دِیْنِی وَمَعَاشِی وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ وَعَاجِلِه وَاٰجِلِه فَاصْرِفْهُ عَنِّی عَنْهُ وَقَدِّرْلِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ کَانَ ثُمَّ رَضِّنِی بِه ۔ (حصن حصین ۔ جواہر خمسہ)

بزرگوں نے کہا ہے کہ یہ عمل بہت نافع ہے ۔ اللہ استخارہ کرنے والے کے دن بھر کے کام اپنی مرضی کے مطابق کر دیتا ہے ۔ جس کسی کام کی نیت سے پڑھے اگر وہ اس کے حق میں بہتر ہو تو تمام رکاوٹیں دور ہو جائیں گی ۔ اگر اس کے حق میں بہتر نہیں ہے تو کام نہیں بنے گا ۔

اگر کسی معاملہ میں کوئی فیصلہ کرنا ہو تو بزرگوں نے بتایا کہ دو رکعت نماز پڑھیں ۔ پہلی رکعت میں سورہ الم نشرح اور دوسری رکعت میں سورہ الم تر اپڑھیں ۔ سلام کے بعد حسب ذیل درود شریف گیارہ مرتبہ پڑھیں ۔

اللهم صل علي حال سيدنا محمد وعلي ال سيدنا محمد

اس کے بعد مذکورہ دعائے استخارہ پڑھ کر سو جائیں۔ خواب میں اشارہ ہو جائے گا۔

اگر ایک رات نہ ہو تو کئی مرتبہ یہ عمل دہرائیں۔ یا اگر کوئی فیصلہ فی الفور لینا ہو تو مذکورہ طریقہ پر عمل کے بعد قرآن مجید کے ذریعہ بھی اللہ تعالیٰ کا منشا معلوم کیا جا سکتا ہے۔ تاہم استخارہ دیکھنے کے بعد امر کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے۔ ابتداء میں استخارہ کے اسی طریقہ پر عمل کرنا چاہئے۔ بعد میں جب مجاہدہ و ریاضت کے بعد انوار الٰہی کے ذریعہ قلب کی صفائی ہو جاتی ہے۔ بھلائی اور برائی صاف نظر آنے لگتی ہے تو ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے رہنمائی ہونے لگتی ہے۔ پھر دل میں آنے والی ہر بات استخارہ کا حکم رکھتی ہے۔ اسی لئے حضرت خواجہ محبوب اللہؒ نے فرمایا ؎

اے غلق دل سے پوچھے ہو پوچھنا اگر رکھے اٹھا کے طاق میں جھگڑا کتاب کا

اسی لئے حضرت خواجہ محبوب اللہؒ کی تعلیمات میں سب سے زیادہ قلب کی صفائی کی اہمیت اور اس کی نگہداشت کا اہتمام ہے کیونکہ جسم انسانی میں اس کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ انوار الٰہی کا یہی مسکن ہے۔ بقول استاذ فصاحت جنگ جلیلؔ ؎

جلیلؔ اچھا ہے دل کو پاک رکھنا ہر کدورت سے اسی گھر میں ظہور جلوۂ جاناں نہ ہوتا ہے

اچھائی و برائی کا امتیاز انوار الٰہی کے ذریعہ ہوتا ہے۔ پس جس قدر قلب صاف ہوگا اسی قدر نورانیت زیادہ ہوگی۔ جب نورانیت بڑھ جائے گی تو بھلائی اور برائی میں تمیز صاف ہو سکے گی۔ اگر قلب ہی بگڑ جائے تو پھر سارا جسم بگڑ جائے گا۔ چنانچہ ارشاد نبویؐ ہے:

ان فی جسد ادم مضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ و اذا فسدت فسد الجسد کلہ الا وھی القلب (بخاری)

(آدمی کے جسم میں ایک ٹکڑا ہے۔ جب وہ درست ہوتا ہے تو سارا جسم درست رہتا ہے اور جب

وہ بگڑ جاتا ہے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے۔ آگاہ رہو کہ وہ دل ہے۔)

آخر میں ایک بات واضح کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ استخارہ صرف ایسے امور میں کیا جائے گا جو مباح اور جائز ہوں۔ ناجائز کاموں میں استخارہ درست نہیں۔ فرائض و واجبات میں تو استخارہ کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ تو بہر حال پورے کرنے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر عالم کشف میں یا الہام کے ذریعہ کوئی حکم معلوم ہو تو اس کو قرآن و حدیث اور شریعت کی کسوٹی پر پرکھ لینا چاہئے۔ اگر غیر شرعی بات ہو تو وہ الہام یا کشف نہیں ہوسکتا۔ واللّٰہ اعلم بالصواب۔